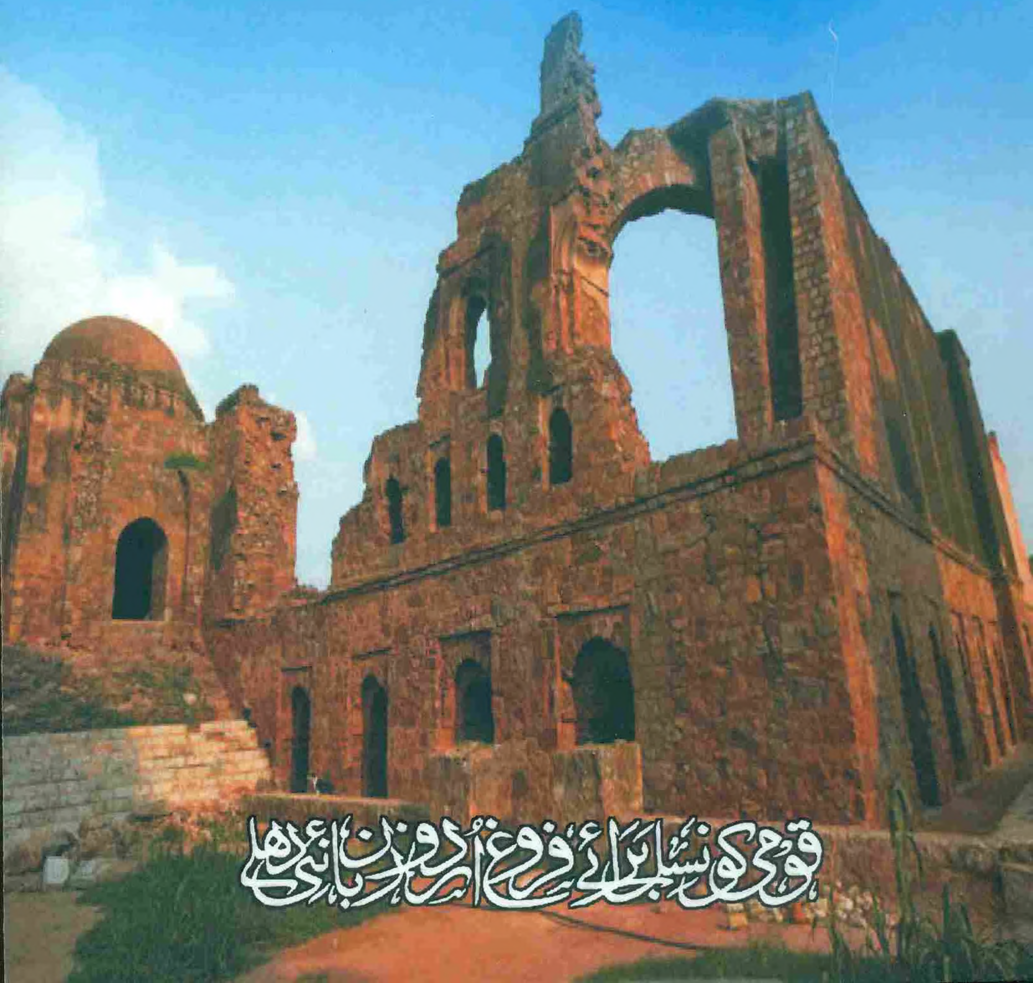
قدیم ہندوستان کی تاریخ

رما شنکر ترپاٹھی



قدیم ہندوستان کی تاریخ

رما شنکر ترپاٹھی

مترجم

سید نجی حسن نقوی



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل
حکومت ہند
ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066
فون: 6179657, 6103381, 6103938

Qadeem Hindustan Ki Tareekh

By : Rama Shanker Tirpathi

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن : 1981

دوسرا اڈیشن : 1998 تعداد 1100

قیمت : -/114

سلسلۂ مطبوعات : 241

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی۔110006

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

انتساب

اپنی رفیقۂ حیات

ہیم وتی دیوی

کے نام

جن پر میں نے ہمیشہ والہانہ پیار کے پھول نچھار کیے

اور

جن کی یاد ہر دم تازہ ہے۔

آر۔ ایس۔ ترپاٹھی

فہرست مضامین

پیش لفظ

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ، معاشرت اور اداروں کا حال، ہندوستان کی تاریخ کے تاریک دور سے لے کر مسلمانوں کی حکومت کے قیام تک، کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے یہ قارئین کے کسی خاص طبقہ کے واسطے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ کتاب کا بنیادی منشا یہ ہے کہ یہ طلباء، ماہرین اور تمام ان لوگوں کے لئے جو قدیم ہندوستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں یکساں طور پر مفید اور کارآمد ثابت ہو۔ اپنے بیان کو قارئین کے ان تمام طبقوں کی جو تاریخ کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کرتے ہیں، ضرورت اور ذوق کے مطابق بنانے میں میں کہاں تک خوشگوار توازن پیدا کر سکا ہوں، اس کا فیصلہ اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔ اس مقام پر بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آنے والے صفحات میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ تاریخی حقائق کی خشک ہڈیوں کا انبار قارئین کے سامنے پیش نہ کیا جائے، نیز بیان ایک طرف تو تاریخی مسائل کے پیچیدہ مباحث سے بوجھل نہ ہو جائے اور دوسری طرف، یہ بھی نہ ہو کہ ہندوستان کے طویل اور شاندار ماضی کا جائزہ محض سرسری ہو کر رہ جائے۔ میں نے معلومات کے تمام ذرائع ۔ ادبی، لوحی اور مسکوکاتی ۔ کی اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ اور انھیں بہ احسن وجوہ استعمال کیا ہے اور اسی کے ساتھ مختلف موضوعات اور مختلف ادوار پر جو جدید ترین تحقیقات ہوئی ہیں انھیں احتیاط کے ساتھ اس میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ تمام مواد کی میں نے بڑے صبر وسکون کے ساتھ جانچ پڑتال کی ہے اور تاریخی حقائق تک پہنچنے کے لئے اس مواد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ موجودہ دور کی کتابوں میں یہ بے محل رجحان پایا جاتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کی خصوصیات بیان کرنے میں لوگ یا تو مبالغہ سے کام لیتے ہیں یا ضرورت سے زیادہ مذمت کر ڈالتے ہیں۔ اس کتاب میں اس سے قطعی طور پر پرہیز کیا گیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اختلافی مسائل میں مورخ کو جانبدار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ نہ تو وہ خیالات ونظریات کا مبلغ ہوتا ہے اور نہ پرانے حکمراں خاندانوں کے ہوس پرستانہ کارناموں

کا قیصدہ خواں۔ اس لئے مورخ کو چاہیئے کہ جہاں تک بھی ممکن ہو غیر جانب دار رہے اور اپنے ذہن کے آئینہ کو اس طرح پاک وصاف رکھے کہ اس میں تاریخی حقائق اپنی اصلی صورت میں جھلکنے لگیں، نہ ان کی شکل بگڑے، نہ ان میں کسی قسم کی رنگ آمیزی آئے۔ اس کے علاوہ اس کے بیانات میں اعتقادی قطعیت نہیں ہونی چاہیے۔ خاص کر قدیم ہندوستان کی تاریخ میں جہاں بڑے بڑے خلا موجود ہیں اور جہاں شواہد واسناد نہ صرف مبہم، غیر یقینی اور نامکمل ہیں بلکہ بعض اوقات متباین اور متضاد بھی ہیں ہماری معلومات کی جب یہ نوعیت ہے تو بلا شبہ اس قدر طویل مدت گزر جانے کے بعد بعض راجاؤں کا تاریخی وجود ہی مشتبہ ہو جاتا ہے بہر حال ہمارا تشکک بھی فطری ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے قدیم اسلاف بھی بڑی حد تک تشکک کا شکار تھے۔ اس موقع پر وشنو پران کے الفاظ یاد آجاتے ہیں کہ میں نے یہ تاریخ دی ہے۔ ان راجاؤں کا وجود مستقبل میں اسی طرح مشتبہ اور اختلافی بن جائے گا جس طرح آج رام اور دوسرے جلیل القدر راجاؤں کا بن گیا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ راجہ مہاراجہ قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔ وہ راجہ مہاراجہ جو سوچتے تھے اور سوچتے ہیں "ہندوستان میرا ہے" تف ہے ان سلطنتوں پر، تف ہے مہاراجہ راگھو کی سلطنت پر۔

اس کتاب کی تصنیف کا خیال کچھ سال پہلے دماغ میں پیدا ہوا تھا لیکن بعض ناقابل بیان کی وجوہ پر پورا نہ ہو سکا۔ اب بھی میں ایک باب "ہندوستان عظمیٰ" پر اور ایک "ہماری تاریخ کی عام خصوصیات" پر نہیں لکھ سکا ہوں۔ مجھے بہر حال امید ہے کہ اگلے ایڈیشن کی اشاعت میں ان دونوں ابواب کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس اشاعت میں طباعت کی گرانی کے باعث میں نقشے اور تصاویر بھی شامل نہیں کر سکا ہوں۔

میں ان تمام حضرات کا جو مجھ سے پہلے قدیم ہندوستان کی تاریخ پر قلم اٹھا چکے ہیں تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ میں نے ان کی تصانیف کا بڑی احتیاط سے مطالعہ کیا ہے، اور جہاں ضروری سمجھا ہے ان سے اخذ بھی کیا ہے۔ میں خصوصیت کے ساتھ اپنے محترم دوست پروفیسر بی۔ ایل۔ ساہنی صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے پروف دیکھنے کی زحمت گوارا کی اور بڑے خلوص کے ساتھ اپنے علم اور تجربے سے مجھے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ میں اپنے فاضل رفیق کار ڈاکٹر اے۔ ایس۔ آلٹیکر کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے مسودہ کو پڑھا اور اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا۔ آخر میں جناب رام شمیر

صاحب بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے کتاب کا اشاریہ مرتب کرنے میں میری مدد کی۔

نقل الفاظ کا جو طریقہ اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو اس سے پہلی کتاب "تاریخ قنوج" میں اختیار کیا گیا ہے۔

لیکن آجکل کے شہروں یا عام استعمال کے ناموں میں میں نے ان علامتوں کا استعمال نہیں کیا ہے جو تلفظ میں آسانی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

آخر میں میں اپنے قارئین سے اپنی فروگذاشتوں اور غلطیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہوں اور حالانکہ میں نے اپنے بیان میں وضاحت، اختصار، صحت اور جامعیت برقرار رکھنے کے لئے پوری کوشش کی ہے پھر بھی باریک بیں نگاہیں خامیوں کی گرفت بہت جلد کر لیتی ہیں۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قارئین انھیں نظر انداز کریں گے۔

جس موضوع پر میں نے قلم اٹھایا ہے وہ بہت وسیع بھی ہے اور پیچیدہ بھی اور جب میں لکھ رہا تھا مجھے اکثر کالیداس کا یہ شعر یاد آرہا تھا۔

क्व सूर्यप्रभवो वंश : क्व चाल्पविषया मति
तितीर्षुर्दुस्तर मोहादुडुपेनास्मि सागरम ॥

رماشنکر ترپاٹھی

ویساکھی پورنیما
۳۰، اپریل، ۱۹۴۲ء

عرضِ مترجم

ترجمہ کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا بعض لوگوں نے فرض کر لیا ہے۔ اپنے ہی خیالات کو اپنے ہی الفاظ کا جامہ پہنانا آسان ہے، لیکن دوسرے کے خیالات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نسبتاً مشکل۔ محنت، ذہانت، اور مہارت تحقیقی کام میں بھی درکار ہے اور ترجمہ میں بھی۔ لیکن ترجمہ میں اس کی نوعیت دوسری ہوتی ہے۔ مترجم کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان میں بھی مہارت تام رکھتا ہو جس سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اور اُس زبان پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہو جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے۔ مترجم کو مصنف کے دماغ میں گھسنا پڑتا ہے۔ اس جہت سے مترجم کی ذمہ داری مصنف سے فزوں تر ہوتی ہے اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر رما شنکر تریاٹھی کی "قدیم ہندوستان کی تاریخ" معیاری کتاب ہے اور انگریزی زبان پر ان کی قدرت قابلِ داد ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بھی دقت طلب ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کتاب کا موضوع ایسا ہے جس سے اُردو زبان اور اُردو داں طبقہ مانوس نہیں ہے۔ مجھے اپنی کتاب "ہمارا قدیم سماج" نے بڑی حد تک اس ترجمہ میں مدد دی ہے۔ اگر یہ کتاب میرے قلم سے نہ نکلی ہوتی تو یقیناً مجھے بھی اس کتاب کے ترجمہ میں کہیں زیادہ دشواری پیش آتی۔

ترجمہ میں میں نے تین باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ ترجمہ حتی الامکان لفظی ہو، لیکن لطف جب ہے جب عبارت پڑھنے کے بعد قاری یہ محسوس نہ کر سکے کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ زبان میں روانی قائم رہے اور جو معیار مصنف کا انگریزی زبان میں ہے وہی معیار ترجمہ کا اُردو میں باقی رہے۔ یہ ایک دشوار گذار منزل تھی۔ کہاں تک میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔

انگریزی زبان کی روش یہ ہے کہ اس میں مرکب اور مُلتف جملوں کی بھرمار ہوتی ہے۔

اور یہی اس میں خوبصورت معلوم ہوتی ہے اُردو کا مزاج اس کے برعکس ہے۔ اگرچہ اُردو میں طویل جملوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے، لیکن ترجمہ میں پابندی کے ساتھ اگر اس روش کی تقلید کی جائے تو ترجمہ بوجھل ہو جاتا ہے، اور "ترجمہ" معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس لئے دوسری بات جسے میں نے ترجمہ میں ملحوظ رکھا ہے یہ ہے کہ اُن موقعوں پر جہاں میں نے دیکھا ہے کہ ترجمہ بھدا ہوا جا رہا ہے، یا اُردو کا حُسن برقرار نہیں رہتا، وہاں میں نے طویل جملوں کو توڑ کر کئی چھوٹے چھوٹے سادہ جملوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

میرے نزدیک اس کتاب کے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ اُردو داں طبقہ قدیم ہندوستان کی تاریخ، اُس عہد کے اداروں، اہم شخصیتوں اور ان کے کارناموں سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کر لے۔ اس لئے قدیم شخصیتوں، اداروں اور کتابوں کا تلفظ دُرست ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اگر قاری ان غریب اور نامانوس ناموں کو صحیح ادا نہ کر سکا تو کتاب کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اس لیے تیسری بات جس پر میں نے خاص طور پر توجہ کی ہے یہ ہے کہ چینی، یونانی، سنسکرت، کناڑی اور جنوبی ہند کی دوسری زبانوں کے ناموں کا تلفظ قاری ٹھیک ادا کر سکے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے میں نے بہت احتیاط برتی ہے۔ اُردو داں طبقہ کے لئے چونکہ بیشمار الفاظ اور نام بالکل غریب ہیں اس لئے میں نے کافی دیدہ ریزی کے بعد عام رواج سے ذرا ہٹ کر رموز اوقاف کا التزام رکھا ہے اور حسب ذیل اعراب ہندی کی ماتراؤں کے لئے استعمال کئے ہیں:۔ अ = اَ ، आ = آ ، इ = اِ ، ई = اِیْ ، उ = اُ ، ऊ = اُو ، ए = اے ، ऐ = اَیْ

یائے معروف جہاں لفظ کے بیچ میں آتی ہے وہاں اُسے اس طرح ظاہر کیا ہے، جیسے کیرتِی وَرمَن۔ جہاں ہائے ہوز (ہ) کھلی ملی بولی جاتی ہے وہاں دوچشمی "ھ" استعمال کی ہے۔ جہاں دو حرفوں کی آواز مل کر نکلتی ہے، مثلاً क्ष، انھیں اس طرح ادا کیا ہے، جیسے "کشتری" یا سوتر۔ اگلے زمانہ کے اُردو شعرا اور اُدبا نے سنسکرت کے "ण" کو ترک کر کے اس کی جگہ سادہ نون استعمال کیا جو آج تک بدستور رائج ہے، مثلاً "ब्राह्मण" کو اُردو والے بے تکلفی سے برہمن بولتے ہیں۔ مرثیہ گوؤں نے سنسکرت کے "ण" کو "ڑن" لکھا ہے اور یہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عربی یا فارسی سے اُردو میں داخل ہوا ہے۔ اسی لئے میں نے بھی اسی اصول کی پابندی کی ہے۔ نون غنہ پر اس قسم کا نشان بنایا ہے، جیسے "جگت تُنگ"، اور دو دو سے زیادہ حرفوں کو ملانے کے لئے جزم کا استعمال کیا ہے، جیسے "مَنْنیک کَدَمْ"۔ نامانوس الفاظ اور ناموں کے تلفظ میں آسانی کے لئے انھیں اکثر توڑ کر لکھا ہے، "مثلاً کُن چی پو تُو"

سنگرام وِجے اُت تنگ وَرمَن"، یا "اَدیٔ یِڑک کَنلَر" تاکہ قاری انھیں اسی طرح ادا کر سکے جیسے اصل زبان میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، شہروں، دریاؤں، اور دیگر ناموں اور شخصیات کے ناموں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے میں نے آخرالذکر پر وہ نشان (یعنی ـــ) بنایا ہے جو اُردو میں عام طور پر شعرا کے تخلص پر لگایا جاتا ہے۔ نیز کلاسکل کتابوں کے نام اور مصطلحات جنھیں لکھنے میں مصنف نے ترچھے حروف استعمال کئے ہیں انھیں میں نے عربی خط میں لکھا ہے۔

ناموں کے سلسلہ میں ایک دقت یہ پیش آئی کہ انگریزی والے، مثال کے طور پر राम اور कृष्ण کو راما اور "کرشنا" اور اُردو والے "رام" اور "کرشن" لکھتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان دونوں ناموں میں آخری حرف ساکن نہیں ہے۔ اس لئے میں نے انگریزی روش کی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ انگریزی اور اُردو کے بین بین راستہ اختیار کیا ہے، یعنی آخری حرف پر زبر لگا دیا ہے اور اس طرح لکھا ہے "رامَ" اور "کرشنَ"۔ اس طرح غالباً ہندی تلفظ کا تقاضہ بدرجۂ اَتم پورا ہو گیا ہے۔

متن میں یا حاشیوں میں، انگریزی یا سنسکرت اور ہندی اول تو بیچ بیچ میں لکھی ہوئی خوبصورت نہیں معلوم ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس طرح جگہ کافی گھر جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اُردو کے کاتب بہ یک وقت انگریزی، سنسکرت، اور ہندی رسم خط میں یکساں مہارت نہیں رکھتے۔ اس لئے میں نے متن میں اور حاشیوں میں تمام یونانی، سنسکرت اور کناڑی یا تامل وغیرہ کے نام اور انگریزی کی کتابوں اور ان کے مصنفوں کے نام اُردو رسم خط میں لکھے ہیں، لیکن قاری کی سہولت کے لئے اُن تمام غریب اور نامانوس ناموں کو اشاریہ میں اور کتابیات میں انگریزی میں بھی لکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مشکل مقامات کی تشریح و توضیح کی غرض سے قاری کی آسانی کے لئے اپنی طرف سے حاشیوں کا اضافہ کیا ہے۔

حق ناشناسی ہوگی اگر میں اس کا اعتراف نہ کروں کہ اس کتاب کے ترجمہ میں مجھے مولانا عبدالحق کی انگریزی اُردو لغت سے بڑی مدد ملی ہے جس کی تیاری میں محترم ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا زبردست ہاتھ ہے۔ اس لئے میں بالواسطہ ان کا مرہونِ منت ہوں۔ کتاب کے آخر میں جو فرہنگِ مصطلحات شامل کی گئی ہے وہ بڑی حد تک اسی لغت سے ماخوذ ہے۔ صرف ایک آدھ جگہ اُس سے انحراف کیا گیا ہے۔

مجھے امید ہے تاریخ کے اُردو داں طبقہ میں ترجمہ اتنا ہی مفید ثابت ہوگا جتنا انگریزی داں حلقہ میں اصل کتاب۔

امام المدارس انٹر کالج امروہہ
مورخہ ۱۱ مئی ۱۰۷۶

سید سخی حسن نقوی

حصّہ اوّل

باب اوّل

تمہیدیہ
ماٰخذ

تاریخ کا فقدان

قدیم ہندوستان کا ادب متنوع بھی ہے اور مالامال بھی لیکن تاریخ میں غیرمعمولی طور پر ناقص و نامکمل۔ برہمنوں، بودھوں اور جینیوں کے ادبی خزانوں میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو کتاب سلاطین، تاریخ لیوی، یا ہیروڈوٹس کی تواریخ کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کا ماضی عظیم الشان کارناموں سے بالکل عاری ہے۔ اس کے برخلاف وہ تمام عہد جرأت آفریں کارناموں، معاشرتی انقلاب اور خاندانی تغیرات سے بھرپور ہے۔ مقام حیرت ہے کہ یہ تمام واقعات ترتیب کے ساتھ باقاعدہ تاریخ کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ ادبی سرگرمیوں کے ایک اہم میدان سے اس بے التفاتی اور بے رُخی کا سبب یاتو یہ تھا کہ لوگوں میں تاریخی ذوق کا فقدان تھا، یا یہ کہ وہ مذہبی فرقے جو ادب پر اقتدار رکھتے تھے اور اس کی نشوونما میں سرگرم کار تھے وہ خود بے اعتنائی برت رہے تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدیم ہندوستان کا مورخ تاریخی شواہد و اسناد کی کمیابی سے پیدا ہونے والی ابتدائی مشکلات میں پھنس کر رہ جاتا ہے[1]

---

[1] البیرونی: ہندو لوگ تاریخی تسلسل کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ وہ تاریخ وار واقعہ نگاری کی پرواہ نہیں کرتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

قدیم ہندوستان کی تاریخ کے مآخذ کو آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ادبی، اور اثری جو دیسی بھی ہیں اور بدیسی بھی [1]۔ آئیے پہلے اوّل الذکر کا جائزہ لیں۔

ادبی مآخذ

غیر تاریخی کتب

ہندوستان کا قدیم ادب خالص مذہبی رنگ کا ہے۔ تاریخ کے بے شمار عالموں نے صبر و سکون کے ساتھ بڑی عرق ریزی کی ہے۔ تب کار آمد تاریخی مواد برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر وید ہیں۔ خاصکر رگ وید۔ جس نے ہندوستان میں آریوں کے ارتقا، ان کی داخلی تقسیم اور "داسیوں سے ان کی لڑائیوں اور دوسرے متعلقہ موضوعات کے بارے میں اہم تاریخی معلومات فراہم کردی ہیں۔ اسی طرح براہمن (مثلاً ایتریہ ست پتھ، تیتریہ) اور اُپ۔نشد جیسے برہ دارلائیک، چھاندیوگ، یا بودھوں کے پٹیک، نکائے اور جینیوں کی مقدس کتابیں (مثلاً کلپ سوتر، اُتراج، بین، سوتر) یہ تمام تاریخی روایات کی حامل ہیں جن سے ہم تاریخ مرتب کرنے میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جدید تحقیق نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس قسم کے تمام غیر تاریخی مآخذ جیسے گارگی، سن ھتا جو ہیئت پر رسالہ ہے، یا کالیداس اور بھاس کے ڈرامے، یا پانینی نے جو تشریحی مثالیں اپنی کتاب قواعد اشٹ آدھیائی میں یا پتنجلی نے مہابھاسیہ میں بالکل اتفاقیہ طور پر درج کردی ہیں، وہ سب بعض اوقات تاریخ کے تاریک گوشوں کو اُجاگر کر دیتی ہیں۔ لیکن یہ تمام اتفاقیہ حوالے اور اشارے کتنے ہی کار آمد و معتبر ہوں، ہمارے ذوقِ تحقیق کی تسکین کے لیے بہت ناکافی ہیں۔

نام نہاد تاریخی ادب

اس لیے اب ہمیں ان کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جنھیں ہم تاریخ کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ ہماری دونوں رزمیہ نظمیں،

(حاشیہ بقیہ صا کا) اور جب ان پر زور دیا جاتا ہے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں، تو وہ ہمیشہ داستان سرائی پر اُتر آتے ہیں۔ (زخاؤ، البیرونی کا ہندوستان، جلد ۲ ص ۱۰)

[1] ملاحظہ ہو امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد ۲ (آکسفورڈ، ۱۹۰۹ء) ص ۱ حاشیہ

راماین اور مہابھارت اس میدان میں قدیم ہندوؤں کی پہلی قابل ذکر کوششیں ہیں۔ بلاشبہ رزمیہ نظمیں اس عہد کے مذہبی اور سماجی ماحول کی بڑی دلچسپ تصویریں پیش کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک تاریخی واقعات کو تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کا تعلق ہے وہ افسوناک حد تک اس سے عاری ہیں۔ اور ان میں داستان بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد پُران آتے ہیں، جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ کہتے ہیں سوت لوم ہرشن یا ان کے فرزند سوتی اُگر شروس ان کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پُران عام طور پر پانچ مخصوص موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں جیسے (ا) سرگ (ابتدائی تخلیق) (ب) پرتی سرگ (کائنات کے وقتاً فوقتاً فنا ہونے کے بعد تخلیق ثانی)، (ج) ونش (دیوتاؤں اور رشیوں کے شجرے) (د) من ونتر (کلپ یا جگ میں مہا یگ "عظیم روشنی" کے حصے) جن میں سے ہر ایک میں بنی نوع انسان کے پہلے باپ منو تھے (ہ) ونشانو چرتر (قدیم راجاؤں کے خاندانوں کی تاریخ) تاریخ کے نقطۂ نظر سے آخرالذکر موضوع ہی اہم ہے لیکن آج تک باقی رہ جانے والے پُرانوں میں سے اس موضوع پر صرف متسیہ، وایو، وشنو، برہمانڈا، بھاگوت اور بھوشیہ میں تاریخ ملتی ہے۔ اس طرح پُرانی دنیا کی داستانوں کے اکثر مجموعے کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتے۔ جو باقی رہے ان میں بھی جو کچھ ہے وہ بیشتر علم الاصنام سے تعلق رکھتا ہے اور تاریخی تسلسل کے نقطۂ نظر سے بالکل بے ترتیب و منتشر ہے۔ [1]

بعض اوقات ان میں معاصر خاندانوں یا راجاؤں کا ذکر جانشین کی حیثیت سے یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے یا بعضوں کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے (مثلاً پرانوں میں کشن، ہندی یونانی اور ہندی پارتھی راجاؤں کا کوئی ذکر نہیں ہے) تاریخیں یا سنہ کہیں نہیں ہیں اور اکثر مقامات پر راجاؤں کے نام غلط ہیں۔ (جیسے آندھرا کے راجاؤں کی فہرست) ان خامیوں کے باوجود پُران یقیناً اہم تاریخی معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور ناانصافی ہوگی اگر ہم اُن کی سند کو یکسر مسترد کر دیں تاریخی مواد فراہم کرنے والی دوسری قدیم کتابوں میں بان کا ہرش چرتر، سندھیا کرنندی کا رام چرتر، پدم گپت کا نوسادہ سانک چرتر، بلہن کا وکرم دیو چرتر، اور جیرتھ کی پرتھوی راج وجے خاص طور پر

---

[1] اس مقام پر گوئیٹے کا قول یاد آتا ہے: "مورخ کا فرض ہے کہ وہ حق کو باطل سے، یقینی باتوں کو غیر یقینی باتوں سے، اور مشتبہ واقعات کو ان واقعات سے جدا کر دے جو تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔"

قابلِ ذکر ہیں۔ بدقسمتی سے ان تمام کتابوں میں تاریخی مواد بہت کم ہے۔ یہ سب ادبی ہیں۔ اور ان میں جزوی تفصیلات اور تشبیہات و استعارات کی بھرمار ہے۔ سنسکرت کی پہلی کتاب جسے ہم تاریخ کا نام دے سکتے ہیں کلہن کی راج ترنگینی ہے۔ کلہن نے اسے ۱۱۴۸ء میں لکھنا شروع کیا۔ اگلے مورخین کی تحریریں، شاہی فرامین اور مدح وثنا کے کتبے اس کے بیانات کی بنیاد ہیں۔ کشمیر کی اس تاریخ میں کلہن نے اپنے وقت سے چند صدی بیشتر کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ بالکل قابلِ اعتبار ہیں، لیکن اس سے پہلے کے حالات کے حالات کے معاملہ میں اس سے بھی بڑی عجیب و غریب فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ ان تمام کتابوں کے علاوہ جنوبی ہندوستان خاص کر تامل زبان کی دستاویزی اسناد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (مثال کے طور پر نن ڈِکالم بکم۔ اوٹمکٹ کُتّن کی کلوت تُنگن پلّیت تامل، جے گوندر کی کلنگ تُپّا رانی راج راج سو بن اُلا، چولاونش چریتم وغیرہ)۔ لنکا کی تاریخیں۔ دیپ ونش (چوتھی صدی عیسوی) مہاونش (چھٹی صدی عیسوی) اور پراکرت کی دوسری تصانیف جیسے واک پتی کی گوڑوھو اور ہیم چندر کی کمارپال چرت، یہ سب کی سب بہت احتیاط کے ساتھ تنقیدی مطالعہ کی متقاضی ہیں۔

غیر ملکی اسناد

غیر ملکی مصنفین اور سیاحوں کے بیانات جنھوں نے ہندوستان میں کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد رائے قائم کی یا سُنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لکھا، مندرجہ بالا ماخذ سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتے۔ اس فہرست میں مختلف قوموں کے لوگ شامل ہیں۔ یونانی، رومی، چینی، تبتی اور مسلمان۔ سب سے پہلے جس نے ہندوستان کا ذکر کیا وہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس تھا۔ وہ شہادت دیتا ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان کا سیاسی تعلق پانچویں صدی قبل مسیح میں سلطنت فارس سے تھا۔ اس کے بعد پنجاب اور سندھ پر سکندر کا طوفانی حملہ ہوا۔ جس کا ذکر بہت سے یونانی اور رومی مورخین نے کیا ہے۔ مثلاً کوئنٹس، کرٹیس۔ ڈیوڈورس، سیکولس، آیرین، پلوٹارک وغیرہ۔ ان مورخین کی شہادت کی اہمیت اس بات سے جانچنا چاہیے کہ یونانی حملہ کا ذکر صرف انھیں مورخین نے کیا ہے جبکہ ہندوستانی مصنفین اس عظیم اور دور آفریں واقعہ

سے روگردانی اختیار کرکے چُپ سادھے ہوئے ہیں۔ موریہ دربار میں تعینات یونانی سفیر میگستھنیز کی لکھی ہوئی انڈکا بھی ہمارا ایک اہم ذریعہ معلومات ہے، جس سے ہمیں ہندوستان کے مذہبی اور سماجی اداروں، پیداواروں اور جغرافیہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہ اب بالکل ناپید ہوگئی ہے لیکن اقوال کی صورت میں اس کے اجزا باقی ہیں جنھیں مورخینِ مابعد مثلاً ایرین، ایتھنیؔ، اسٹرابو اور جسٹن وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح "پیری پلس آف دی ایرتھرین سی" یا ٹالمیؔ کا جغرافیہ بہت دل چسپ جغرافیائی معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔

یونان اور روم کی کلاسکی کتابوں کی طرح چینی ادب بھی قدیم ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑا سہارا دیتا ہے۔ اس میں وسط ایشیا کے ایسے بے شمار وحشی قبیلوں کی نقل وحرکت کا ذکر ملتا ہے، جنھوں نے ہندوستان کے مستقبل پر گہرا اثر ڈالا۔ ان سب سے بڑھ کر ہمارے پاس تین ممتاز زائرین۔ فاہیان (۳۹۹۔۴۱۴ء) ہیون سانگ (۶۲۹۔۶۴۵ء) اور آئی سِنگ (۶۷۳۔۶۹۵ء) کے گرانقدر سفرنامے موجود ہیں جنھوں نے حصولِ علم کے شوق میں ہندوستان کا دورہ کیا اور اُن مقامات کی زیارت کی جو مہاتما گوتم بدھ کی نسبت سے متبرک مانے جاتے تھے۔ مزید برآں تبت کے لاما تارانا تھ کی کتابوں دُلوا اور تنگ یُور وغیرہ سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد مسلم مورخین کی باری آتی ہے جو ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کی فوجوں نے رفتہ رفتہ ہندوستان کو کیوں کر فتح کیا اور کس طرح ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ ان مورخین میں سرفہرست البیرونی ہے۔ وہ سنسکرت کا عالم تھا اور اپنی فہم وفراست اور ہمہ دانی کے لیے ممتاز مقام رکھتا تھا۔ وہ محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور ۱۰۳۰ء میں اپنی تحقیق ہند لکھی، جو ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں معلومات کی کان ہے۔ اس سے پہلے مسلم مصنفین میں بلاذری، سلیمان (سلسلتہ التواریخ) اور مسعودی (مروج الذہب) کے نام آتے ہیں۔ مسلمانوں کی لکھی ہوئی دوسری تاریخیں یہ ہیں۔ حسن نظامی کی تاج المآثر، میرخوند کی روضتہ الصفا، خوندمیر کی حبیب السیر، فرشتہ کی تاریخ فرشتہ، نظام الدین کی طبقاتِ اکبری منہاج الدین کی طبقاتِ ناصری، عتبی کی تاریخ یمینی۔ ابن اثیر کی تاریخ الکامل۔

ان تمام غیر ملکی مورخین کے بیانات و خیالات نہ صرف اس لیے بیش قیمت ہیں کہ ان سے قدیم ہندوستان کے سیاسی، سماجی، جغرافیائی اور مذہبی حالات پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اُن کے ذریعے ہندوستانی سنہوں اور تاریخوں کے پردے چاک ہوجاتے ہیں اور عصر اور عہد کا یقین ممکن ہوجاتا ہے۔

اثری ماخذ

کتبے:

جہاں ہمارے ادبی ماخذ خاموش ہیں یا تاریکی میں ہیں وہاں خوش قسمتی سے کتبے ہماری مدد کرتے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں کتبے زمین سے برآمد ہوئے ہیں، ان میں قدیم ترین چوتھی یا پانچویں صدی ق۔م لہ کے ہیں۔ ابھی غالباً سینکڑوں ایسے ہیں جو کھدائی کے منتظر ہیں۔ یہ سب چٹانوں پر، ستونوں پر، پتھر یا دھات کی تختیوں پر، یا غاروں کی دیواروں پر کندہ ہیں اور ان زبانوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو مختلف زمانوں اور علاقوں میں رائج تھیں جیسے سنسکرت، پالی، مخلوط بولیاں، یا جنوبی ہندوستان کی زبانیں، تامل، تلگو، ملایلم اور کناڑی۔ بعض کتبوں کا ادبی معیار کافی بلند ہے۔ وہ چاہے نثر میں ہیں یا نظم میں یا ملی جلی نظم و نثر دونوں میں کتبوں کی اکثریت براہمی رسم خط میں ہے جو بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہے، لیکن ایک خاصی بڑی تعداد کھروشٹھی رسم خط میں بھی ہے، جو عربی اور فارسی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے۔ اُن کی ترجمانی ماہرین کے تبحر علمی کا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ ان سے منکشف ہوجاتا ہے کہ ان کا مقصد کسی عام یا خاص آدمی کے فیصلانہ عطیہ کو ظاہر کرنا، یا کسی عظیم واقعہ کی، یا فاتح کے کارناموں کی یادگار قائم کرنا ہوتا تھا۔ اشوک کے کتبے جن میں اس کے اخلاقی پند و نصائح بھرے ہوئے ہیں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کتبوں کے موضوع بہت متنوع ہیں۔ ان میں سنسکرت

لہ پپراوا (ضلع بستی) کے وازا ستوپ کا کتبہ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸ء ص۵۷۳ تا ص۵۸۸ نیز بڑلی (اجمیر کا کتبہ)

کے ناٹک بھی ہیں۔ (مثلاً دھار اور اجمیر) اور موسیقی کے نادرے بھی (جیسے کڈی میا ملئی اور ٹیڈھ کوٹا ریاست میں) جو پتھر پر کندہ ہیں۔ ان کتبوں کی اہمیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینا مشکل ہے۔ بہرحال کتبے تاریخوں کا تعین کرنے میں ہمیں بے انتہا مدد دیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ادب یا دوسرے ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اسے اکثر وبیشتر منضبط کر دیتے ہیں اور ہماری معلومات میں جو کمی ہوتی ہے اسے بھی پورا کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ان لوحی شہادتوں کی عدم موجودگی میں کھارویل یا سمدر گپت[1] جیسے حکمرانوں پر بھی تاریکی کا پردہ پڑا رہتا اور قرونِ وسطیٰ کے ہندو خاندانوں کے بارے میں ہماری معلومات بالکل نامکمل رہ جاتی بعض اوقات غیر ملکی کتبے بھی، توقع کے خلاف، ہمیں مدد بہم پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ بغاز کوئی (ایشیائے کوچک) کے کتبے جن میں ویدک دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے، آریائی قبیلوں کے نقل وحرکت کی تصدیق کرتے ہیں۔ کسی دوسری جگہ ہم نے ہندوستان اور قدیم ایران کے روابط کی طرف اشارہ کیا تھا اس کی تائید حیرت انگیز طور پر پرسی پولس اور نقشِ رستم[2] میں دریافت کیے گئے کتبوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح، کتبے قرونِ اولیٰ میں ہندوستان اور مشرق بعید کے درمیان سیاسی اور سماجی تعلقات پر زبردست روشنی ڈالتے ہیں۔

سکے

اس کے بعد سکے ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ کتبوں کی طرح سکے اس معلومات کی تائید وتوثیق کرتے ہیں جو ہمیں کتبوں سے حاصل ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اس کی بنیاد پر اپنی رائے تبدیل کر لیتے ہیں یا ہماری معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سکے مختلف دھاتوں سونے، چاندی، تانبے یا بھرت کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر

---

[1] یہ معلومات ہمیں ان کتبوں سے ہوتی ہے جو علی الترتیب ہاتھی گپھا میں اور الہ آباد کے ستون پر پائے جاتے ہیں۔

[2] یہ بے ستون کا کتبہ۔ بہرحال یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ہندوستان ان صوبوں کی فہرست میں شامل تھا جو دارا کے زیرِ نگیں تھے۔

یا تو کہانیاں کندہ ہیں یا سیدھے سادے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ جن سکوں پر تاریخیں کندہ ہیں انھوں نے ہمیں ہندوستان کی مسلسل تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایسے سکے بھی ہیں جن پر نہ تاریخ ہے نہ نام۔ لیکن جب ہم ان کی بڑی ساخت اور قبیل کو جانچتے ہیں تو ان سے بھی بڑے کارآمد نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہند سیتھی اور ہند باختری بادشاہوں کے بارے میں ہماری معلومات کا انحصار صرف سکوں پر ہے۔ ہندوستان کے مصنفین نے مسانڈر کو چھوڑ کر آخرالذکر بادشاہوں کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ سکوں نے قدیم ہندوستان میں گن (خود مختار بستیوں) کے وجود پر اور اسی طرح بعض راجاؤں (مثلاً کنشک) کے مذہبی رجحانات پر حیرت انگیز روشنی ڈالی ہے۔ دھاتوں کے خالص ہونے سے ہندوستان کے اس زمانے کے اقتصادی حالات کی نشان دہی ہوتی ہے اور ان کا مقامِ ساخت راجاؤں کے حدود سلطنت متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ حدود سلطنت کے تعین کا مسئلہ آسان نہیں ہے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جنوبی ہندوستان میں جو رومی سکے دریافت ہوئے ہیں وہ پتہ دیتے ہیں کہ رومی سلطنت ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ یا ہندوستان سیاسی طور پر رومی حلقہ اثر میں شامل تھا۔ یہ دریافت پلائینی کا وہ مشہور و معروف شکوہ یاد دلا دیتی ہے کہ روم کا تمام سونا، سامان عیش مسالوں کے عوض ہندوستان کو بہا چلا جا رہا ہے۔

عمارتیں

سب سے آخر میں، عمارتیں آتی ہیں جن کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہے۔ عمارتوں کا تعلق براہ راست سیاسی تاریخ سے نہیں ہے، لیکن مندر، استوپ اور خانقاہیں (وہار) راعی اور رعایا دونوں کی دین داری اور فنی کارناموں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتی ہیں بیرونی ممالک میں عمارتوں کے باقیات الصالحات ہندوستان کی قدیم عظمت میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ شیوجی سے منسوب دینگ کے پلیٹو (جاوا) کی خانقاہیں، بورو بدور اور پرم نیم (وسط جاوا) کے عالی شان مندروں کی دیواروں پر نبت کاری کا دیدہ زیب منظر، یا انگ کور واٹ اور انگ کورتھوم

(کمبوجہ) کے قابل وید کھنڈر وہاں ہندوستانیوں کے وجوہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ ہجرت کر کے مشرق بعید میں جا کر بس گئے تھے اور انھوں نے اپنی حکومت اور اپنی تہذیب وہاں تک پھیلا رکھی تھی [1] تاریخوں اور سنہوں کے تسلسل کے نقطۂ نظر سے بھی عمارتوں کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ماہرین نے ثابت کر دیا ہے کہ عمارتوں کے اجزائے ترکیبی پر غور و فکر کرنے کے بعد انھوں نے کس طرح بڑے اہم نتائج برآمد کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر نقاشی، مجسمہ سازی اور مصوری (جیسے اجنتا کی) کا ذکر کیا جائے جنھوں نے ان راستوں میں جہاں ہم صرف لڑکھڑا کر چل سکتے تھے ہمارے لیے مشعل روشن کر دی ہے۔

نتائج یا خصوصیات

المختصر[2] یہ ہیں ہمارے مآخذ جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں جان ڈال دی ہے۔ سب سے اہم خصوصیت جو ہمیں نظر آتی ہے یہ ہے کہ ہمارے پاس دور حاضر کی تاریخ کے مقابلے میں مواد کی نہایت درجہ کمی ہے اور جو مواد ہمارے پاس ہے وہ ایک وسیع میدان میں جگہ جگہ بکھرا ہوا ہے اس لیے مورخ کو چاہیے کہ کان کن کی طرح صبر و سکون و تنقیدی نظر کا بیلچہ و کدال لے کر حقائق کا سونا برآمد کرے اور درباری مبالغوں اور شاعرانہ موشگافیوں کے میل کو اس کے قریب نہ آنے دے۔ اکثر اوقات متضاد دعوؤں کی صورت میں ہمارے راستہ میں چٹانیں حائل ہو جاتی ہیں، تاریخوں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار، اینشینٹ انڈین کالونیز ان دی فار ایسٹ، جلد اول، چمپا، سورندیپ، نیز گزیٹر انڈیا سوسائٹی کی مطبوعات۔ ڈاکٹر بی۔ آر۔ چٹرجی، انڈین کلچرل انفلوئینس ان کمبوڈیا (کلکتہ ۱۹۲۸ء) انڈیا اینڈ جاوا (کلکتہ ۱۹۳۳ء) ایچ۔ بی۔ کیو۔ ویلس، ٹو وررڈس انگ کور، نیز فرانسیسی اور ڈچ مصنفین کی مختلف کتابیں۔

[2] ادبی کتابوں اور کتبوں کا محض مثال کے طور پر اوپر حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ورنہ ہم نے تمام قدیم یا جدید مآخذ کو بڑی احتیاط اور اہتمام کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

کی نایابی سد راہ بن جاتی ہے، یا یہ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر مختلف سنہ رائج دکھائی دیتے ہیں[1] ان دشواریوں پر قابو پانے کے بعد ہی ہم ہندوستان کی مربوط و مسلسل تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہماری تاریخ میں شمالی ہند کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا ہے کیونکہ شمالی ہند میں بڑی بڑی سلطنتیں سمندر کی لہروں کی طرح ابھر کر وجود میں آئیں اور کچھ عرصہ بعد ٹوٹ کر فنا ہو گئیں۔ اقتدار کی بھوکی نگاہوں نے وندھیاچل کے اس پار للچائی نظروں سے بہت دیکھا لیکن پورا ہندوستان کسی زمانے میں بھی کسی ایک بادشاہ کے زیر نگیں نہ آسکا اور موریہ دور میں جب سلطنت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی اس وقت بھی جنوب بعید کا کچھ حصہ سلطنت کے دائرے سے باہر تھا۔ اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان جغرافیائی اور سماجی اعتبار سے ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے[2] پھر بھی قدیم ہندوستان میں سیاسی اتحاد کا نہ ہونا ہماری تاریخ کا کمزور ترین پہلو ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقتدار کے لیے لڑائیاں اور مقامی خانہ جنگیاں ہماری دلچسپیوں کا مرکز بنی رہیں اور ہم مذہبی، فنی، اور ادبی ترقیوں کی طرف نسبتاً کم متوجہ ہو سکے۔

---

[1] ملاحظہ ہو کننگھم، بک آف انڈین ایراز۔ ہم ہندوستان میں کئی سمبتوں کو رائج دیکھتے ہیں۔

[2] ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی: دا فنڈامنٹل یونٹی آف انڈیا (لانگ مینس گرین اینڈ کو، ۱۹۱۴)

دوسرا باب

فصل (۱)

قدیم حجری عہد

ہندوستان میں ابتدائی انسان کی کہانی بڑی حد تک پردۂ خفا میں رہی ہے۔ عام عقیدہ یہ ہے کہ قدیم ترین ماضی ست یگ تھا۔ ایک ایسا عہد جس میں انسان اطمینان و مسرت کی مثالی زندگی گزارتا تھا جو تکلیف، ضرورت اور زوال سے مبرّا تھی۔ لیکن بدقسمتی سے باقاعدہ تاریخ ایسے سنہرے زمانہ کی نشان دہی نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف تمام اشارے اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ قدیم انسان جہالت اور بربریت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، نیز یہ کہ انسان تہذیب کی روشنی کی طرف رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان کے قدیم باشندے شاید قدیم حجری عہد کے لوگ تھے۔ وہ وحشی تھے اور درختوں کے نیچے یا قدرتی غاروں میں پناہ لیتے تھے۔[۱] وہ زراعت کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے اور آگ روشن کرنے سے بھی غالباً پوری طرح واقف نہیں تھے۔ وہ مٹی کے برتن بنانا بھی نہیں جانتے تھے اور دھاتوں کے استعمال سے ناواقف تھے۔ وہ شکار کے ذریعہ، یا اخروٹ قدرتی جڑی بوٹیوں اور پھل پھلار کھاکر زندگی گزارتے تھے۔ اُن کے امن کے زمانے

---

[۱] ضلع کرنول کے کچھ غاروں میں قدیم پتھر کے زمانے کے لوگ سکونت رکھتے تھے۔ (دی۔ رنگاچاریہ، پری مسلمان انڈیا جلد اول ص۴۸)

کے اوزار اور وحشی درندوں اور خوفناک آبی جانوروں سے جنگ کے لیے ہتھیار پتھر کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ہوتے تھے جنھیں وہ بہت بھدّے اور بھونڈے انداز میں تراشتے تھے[1] یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان اوزاروں اور ہتھیاروں کی بڑی تعداد ایک عجیب اور خاص قسم کی چٹان سے بنائی جاتی تھی جس میں سے اکثر سونا نکلتا ہے۔ جہاں یہ چٹان دستیاب نہیں ہوتی تھی وہاں بے شک دوسرے قسم کا پتھر استعمال کیا جاتا تھا اس کے علاوہ دکن میں مدراس کے ضلع میں اور جنوبی ہندوستان میں کڈپہ اور جنگلی پٹ سے اس قسم کے بے شمار اوزار دستیاب ہوئے ہیں[2] بعض اوقات یہ لوگ لکڑی اور ہڈی کے اوزار بھی بناتے تھے لیکن وہ چونکہ فنا پذیر تھے اس لیے مفقود ہو گئے۔ آخری بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مُردوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں غالباً جانوروں اور پرندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے تھے۔

فصل (۲)

نوحجری عہد

ہندوستان میں انسان کے ارتقا کی اگلی منزل وہاں ختم ہوئی، جہاں دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی پُرانے قسم کے بھدّے اور بھونڈے ہتھیاروں اور اوزاروں کو قطعی طور پر ترک نہیں کیا گیا بلکہ بہت احتیاط کے ساتھ انھیں سڈول اور چکنا بنایا جانے لگا۔ اس عہد میں چیزیں بہتر بننے لگیں جو شکل و صورت میں متنوع تھیں اور مختلف ضروریات پوری کر سکتی تھیں[3] ان نوحجری عہد

---

[1] قدیم پتھر کے زمانے کے اوزاروں کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کلہاڑیاں۔ تبر کی بوریاں، بھالے، زمین کو کھودنے کے اوزار، پھینک کر مارنے کے گول پتھر۔ تبر، چاقو، چھیلنے والے اوزار، ہتھوڑے اور غالباً آگ روشن کرنے کے لیے پتھر (؟)، پری مسلمان انڈیا صـ۵۲

[2] کیٹلاگ آف پری ہسٹارک انٹی کوئیٹیز ان دی گورنمنٹ میوزیم مدراس (۱۹۰۱ء) نوٹس آن دا ایمز اینڈ ڈسٹری بیوشن آف انڈین پری ہسٹارک انٹی کوئیٹیز (مدراس ۱۹۱۶ء) کرنل بروس فٹ نے ہندوستان کی قدیم اشیا کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو پنچانن مترکی پری ہسٹارک انڈیا (کلکتہ ۱۹۲۳)، اے۔ سی لوگن۔ اولڈ چپڈ اسٹونس آف انڈیا (کلکتہ ۱۹۰۶ء)، پی۔ ٹی۔ ایس آئینگر، دا اسٹون ایج ان انڈیا، وی رنگا چاریہ، پری مسلمان انڈیا وغیرہ۔

[3] ان کی مختلف قسموں کے لیے ملاحظہ ہو پری مسلمان انڈیا، اول صـ۱۲۴۔ صـ۱۲۵

کے لوگوں نے تہذیب کے میدان میں کافی ترقی کرلی۔ پہاڑوں کی قدرتی پناہ گاہوں میں رہنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رہائش کے لیے "بانس اور پھوس کی جھونپڑی بناتے اس پر گوبری کرتے تھے۔" وہ آگ روشن کرنا اور کھانا بنانا بھی جانتے تھے۔ وہ مچھلی پکڑتے، شکار کھیلتے اور جانوروں کو پالتے تھے۔ انھوں نے کاشت بھی شروع کردی تھی۔ لیکن ان کی غذائیت سادہ تھی جو شکار، پھل پھلار، ترکاریوں، دودھ، شہد اور خود رو اناج پر مشتمل تھی۔ درخت کی پتیوں اور چھال یا جانوروں کی کھال سے وہ اپنا جسم ڈھکتے تھے۔ مٹی کے برتن بھی بناتے تھے۔ شروع شروع میں ہاتھ سے، لیکن بعد میں چاک کا استعمال بھی کرنے لگے۔ نئے پتھر کے زمانے کے لوگ اپنے آلاتِ حرب ایک دوسرے قسم کی سیاہ رنگ کی آتش فشائی چٹان سے اور روزمرہ کے استعمال کے برتن وغیرہ مختلف رنگ کی دوسری اشیا سے بناتے تھے اور جیسا کہ ضلع مرزاپور میں دریافت کیے گئے ہڈیوں کے ڈھانچوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے مُردوں کو باقاعدہ قبریں دفن کرتے تھے۔ دوسری طرف، ایسے مرتبان نما خاک دان دستیاب ہوئے ہیں جن میں اس زمانے کے لوگ اپنے مُردوں کی خاک محفوظ کردیا کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں مُردوں کو جلانے کا دستور بھی پایا جاتا تھا۔ ایسے قرائن بھی ملتے ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ درختوں اور پہاڑوں کی پرستش کرتے تھے اور انھیں راضی رکھنے کے لیے قربانیاں کرتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے چڑھاوے چڑھاتے۔ دندھیا چل کی گپھاؤں میں نئے پتھر کے زمانے کے پیالوں کے نشانات ملے ہیں اور گیرو یا سرخ مٹی سے بنی ہوئی کچھ شکلیں ملی ہیں جن سے ہم ان کی فنی کوششوں کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ پرانے اور نئے پتھر کے زمانوں میں ایک طولانی فصل تھا جو ہوسکتا ہے کئی صدیوں کا ہو۔ بعض عالموں نے یہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیا ہے کہ نئے پتھر کے زمانے کے لوگ پرانے پتھر کے زمانے والوں کی اولاد تھے۔ لیکن چونکہ اس بات میں ہماری شہادت ناکافی و ناقص ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم اس معاملہ میں قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہ کریں۔ بہرحال ایک بات طے ہے اور وہ یہ کہ نئے پتھر کے زمانے کی یہ تہذیب دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

کیونکہ اس زمانے کے آثار باقیہ ملک کے قریب قریب تمام گوشوں خصوصاً بلاری، سالم، کرنول اور ریاست مدراس کے دوسرے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔

فصل (۳)

(۱) دھاتوں کا ظہور

غالباً کئی صدیاں گزر جانے کے بعد نوحجری عہد کے انسان نے دھاتوں کا استعمال سیکھا۔ شاید سونا سب سے پہلی دھات تھی جو اس نے دریافت کی، لیکن شروع شروع میں وہ سونے سے صرف زیور کا کام لیتا تھا۔ وہ اپنے اوزار اور ہتھیار دوسری سخت دھاتوں سے بناتا تھا قدیم تاریخی مقامات سے جو عجیب و غریب اشیا بہت بڑی تعداد میں دریافت ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ جنوبی ہند میں پتھر کے زمانے کے فوراً بعد لوہے کا زمانہ آگیا، جب کہ شمالی ہند میں کلہاڑیاں، تلواریں، برچھیاں، بھالے ہارپون[1] وغیرہ وغیرہ شروع شروع میں تانبے کے بنتے تھے اور بعد ازاں لوہے کے بننے شروع ہوئے، اس قسم کے تانبے کے اوزار "شمالی ہند میں ہگلی سے لے کر دریائے سندھ تک اور ہمالیہ کے دامن سے لے کر کان پور کے ضلع تک" سینکڑوں کی تعداد میں دریافت ہوئے ہیں۔ وہ عہد جن میں ان دھاتوں کا استعمال عام ہوا لوہے کا زمانہ اور تانبے کا زمانہ کہلاتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان میں صوبہ سندھ کے علاوہ کہیں اور نئے پتھر کے زمانے اور لوہے کے زمانے کے درمیان کانسے کے زمانے کی کوئی علامات اور نشانیاں نہیں پائی جاتیں۔ کانسہ[2] تانبے اور ٹین کا مرکب ہوتا ہے جسے بھرت بھی کہتے ہیں۔ یہ خالص تانبے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور ہتھیار بنانے کے لیے بلاشبہ بہتر دھات ہے۔ لیکن قدیم ہندوستان

---

[1] برچھے کی شکل کا خمدار کانٹا جس میں رسی کا پھندا باندھ کر وھیل مچھلی کا شکار کرتے ہیں (مترجم)

[2] کانسہ میں نو حصے تانبے اور ایک حصہ ٹین کی ملونی ہوتی ہے۔

کے لوگ اسے نہ جانے کیوں روزمرہ کے استعمال میں نہ لائے۔ جو تھوڑے بہت ہتھیار کانسے کے بنے ہوئے جبل پور میں دستیاب ہوئے ہیں ان کے متعلق قدامت شناسوں کی رائے ہے کہ وہ یا تو تجربہ کے لیے بنائے گئے تھے یا ان کی اصل غیر ملکی ہے۔ اور پیالے اور دوسرے برتن جو جنوبی ہند کے قبرستانوں سے برآمد ہوئے ہیں وہ تعیش کے تکلفات معلوم ہوتے ہیں جو گھریلو استعمال میں آتے ہوں گے۔ وہ بہرحال کسی ایسے عہد کا وجود ظاہر نہیں کرتے جس میں عام طور پر کانسے کے اوزار استعمال ہوتے ہوں۔

(۲) دراوڑ لوگ

دراوڑ سنسکرت کا لفظ ہے۔ دراوڑ لوگ ہندوستان کی سب سے پرانی مہذب نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے اُن کی اصل کا مسئلہ ایک معمہ بنا ہوا ہے اور اس کا کوئی قطعی حل آج تک تلاش نہیں کیا جا سکا ہے تاریخ کے متعدد عالموں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دراوڑ لوگ ہندوستان کے قدیم ترین باشندوں کی اولاد تھے۔ جو وقت کی رفتار کے ساتھ تہذیب کی سیڑھی پر چڑھتے چلے گئے۔ اس کے برخلاف، دیگر ماہرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ لوگ تبت کے پلیٹو یا وسط ایشیا میں اپنے وطن مالوف توران سے آکر یہاں بس گئے تھے۔ بہرحال، مغربی ایشیا کو عام طور پر اُن کا مسکن خیال کیا جاتا ہے۔ دراوڑا ور سمیری لوگوں میں جو نسلی ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہ اس خیال کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں براہوی بولی کے علاقہ کو نہیں بھولنا چاہیے جو بلوچستان میں دراوڑی زبان کا ایک جزیرہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ان کی کل جمعیت درّوں کے ذریعہ ہندوستان کی طرف بڑھ گئی تو جو لوگ پیچھے رہ گئے براہوی ان کی زبان ہے۔ دراوڑوں کی اصل جو کچھ بھی ہو یہ بات یقینی ہے کہ دراوڑ ہندوستان کی آبادی کا ایک اہم عنصر تھے، شمالی ہند میں بھی

---

[1] بہت سے مغربی عالم اس رائے سے متفق ہیں کہ دراوڑ بحیرۂ روم کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو مسٹر جے کینیڈی، جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۹۸، صفحہ ۲۴۱ تا ۲۶۱

اور جنوبی ہند میں بھی اُن کی زبانیں جنوبی ہند پر آج بھی چھائی ہوئی ہیں لیکن دراوڑی خصوصیات کا سراغ ویدوں اور کلاسکی سنسکرت میں نیز پراکرتوں یا عوامی بولیوں اور ان سے نکلی ہوئی آجکل کی دیسی زبانوں میں یکساں طور پر ملتا ہے [۱] دراوڑ دھاتوں کے استعمال سے خوب واقف تھے اور ان کے مٹی کے برتن زیادہ سڈول ہوتے وہ زراعت بھی جانتے تھے۔ اور آب پاشی کے لیے دریاؤں پر سب سے پہلے بند باندھنے والے یہی لوگ تھے۔ وہ مکانات بناتے اور پشتے تعمیر کرتے تھے اور ان کی بستیوں پر چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ایل۔ ڈی بارونٹ نے کہا ہے دراوڑی سماج "ایک حد تک ایسا سماجی نظام تھا جس میں عورت سرقبیلہ ہوتی تھی" [۲] ان کا مذہب نہایت درجہ بھیانک اور گھناؤنا تھا۔ وہ ماتا دیوی اور دوسری ارواح کی پرستش کرتے تھے اور اکثر ظالمانہ انسانی قربانیوں اور علامات تناسل کے ذریعہ اظہار عقیدت کرتے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ دراوڑ وہی لوگ تھے جنھیں رگ وید میں داس" یا "داسیو" کہا گیا ہے اس لیے اب ہم ان کا تفصیلی ذکر آریائی عہد کے ساتھ کریں گے۔

فصل (۴)

معدنیاتی عہد

نئے انکشافات کی اہمیت

اب تک ہم تاریکی میں بھٹک رہے تھے۔ تانبے کے عہد میں ہمیں ہندوستانی تہذیب کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے۔ پنجاب کے دوسرے مقامات کے علاوہ ہڑپا (ضلع منٹگمری)، موہن جوڈارو (ضلع لڑکانہ) مور سندھ (مثلاً چن ہوڈارو جھوکادارو) اور بلوچستان (جیسے نال، اور ریاست قلات) میں جو حیرت انگیز اثری دریافتیں ہوئی

---

[۱] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۴۲

[۲] اینٹی کوئیٹیز آف انڈیا ص۵

ہیں وہ اس بات کو مکمل طور پر واضح کر دیتی ہیں کہ رگ وید سے چند صدی پیشتر دریائے سندھ کے کنارے ایسے مرکز پائے جاتے تھے جن میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں بسنے والے لوگوں کا تہذیبی معیار کافی بلند تھا۔ عراق، ایلم، اور مصر کی معاصر تہذیبوں سے مشابہ بلکہ بعض جہتوں سے ان کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ اس عہد کو تانبے کے عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ عہد جس میں پتھر کے ہتھیاروں اور برتنوں کا استعمال بھی جاری رہا اور اس کے ساتھ ساتھ تانبے اور پیتل کی اشیاء کا استعمال بھی شروع ہو گیا۔ اس بعید ماضی کی جھلک دیکھنے کے لیے ہمیں ان اشیا کا جائزہ لینا ہوگا جو موہنجوڈارو[1] میں زمین کے اندر سے برآمد ہوئی ہیں۔ یہ اشیا دوسرے مقامات سے برآمد ہونے والی اشیاء سے مماثل ہیں۔ ہو سکتا ہے تصویر دھندلی ہو لیکن اس کا خاکہ کافی ابھرا ہوا ہے۔

عمارتیں

موہنجوڈارو یا "شہر خموشاں" آج خاک و خشت کا ایک ڈھیر نظر آتا ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کی تباہی کا باعث کیا ہوا۔ زلزلے، طغیانیاں، دریائے سندھ کا اپنے بہاؤ کے رُخ کو بدلنا، موسمی تغیرات، ان میں سے کوئی بھی سبب اس کی تباہی و بربادی کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن پانی کی تہ تک زمین کھودنے کے نتیجہ میں جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہاں صدیوں تک انسانی آبادی رہی۔ یہ ایک خوش حال شہر تھا۔ اسے ایک سوچے سمجھے نقشے کے مطابق آباد کیا گیا تھا۔ اس کی سڑکیں اور گلی کوچے چوڑے تھے اور مقررہ فاصلوں پر بنائے گئے تھے۔ عمارتیں چھوٹی بڑی سب قسم کی تھیں لیکن ان میں سادگی بھی پائی جاتی تھی

---

[1] سرجان مارشل، موہنجوڈارو اینڈ دا انڈس سویلائزیشن (تین جلدیں)، کے ان ڈکشنٹ، پری ہسٹارک سویلائزیشن آف دا انڈس ویلی (مدراس ۱۹۱۹ء) انڈین ہسٹری کوارٹرلی، مارچ ۱۹۳۲ء (جلد ہشتم نمبر۱) صہ۱۲۱ تا صہ۱۴۴، ڈاکٹر میکے، دا انڈس سویلائزیشن، میمائرس ارکیلاجکل سروے آف انڈیا نمبر۴۱ اور ۴۸ بھی ملاحظہ ہو۔ ایم۔ ایس۔ واٹس۔ اکسکویشنس ایٹ ہڑپا، جلد اول و دوم، (۱۹۴۰ء)

اور شان وشوکت بھی لہ پتھر چونکہ بہ آسانی دستیاب نہیں تھا اس لیے دیواریں پکی اینٹ کی بنائی جاتی تھیں اور ان پر مٹی سے یا مٹی اور کھریا دونوں کے مسالہ سے کہگل کی جاتی تھی۔ کچی یا دھوپ میں سوکھی ہوئی اینٹیں بنیادیں بھرنے یا چبوترے بنانے میں استعمال کی جاتی تھیں جہاں موسمی اثرات سے وہ بآسانی محفوظ رہ سکتی تھیں۔ بالائی منزل پر جانے کے لیے زینے ہوتے تھے۔ اور مکانوں کے روشن اور ہوادار بنانے کے لیے کھڑکیاں اور دروازے رکھے جاتے تھے۔ حمام اور اینٹ کے مدور کنویں اکثر گھروں کی اہم خصوصیت تھی۔ نالیوں کے ذریعہ پانی کی نکاسی کا انتظام، مکانات میں بھی اور سڑکوں پر بھی، حیرت انگیز تھا۔ کوڑے کرکٹ کے لیے ڈھولوں اور بدررو کے لیے چہ بچوں کا انتظام ظاہر کرتا ہے کہ لوگ سرکاری نگرانی کا شعور رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر لوگ خوش حال تھے اور معمولی حیثیت کے گھروں میں بھی ضرورت کا کل سامان مہیا رہتا تھا، بڑی بڑی عمارتیں شاید سرکاری ملکیت میں تھیں۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے درمیانی دور کی ایک طویل وعریض عمارت کے بارے میں جو بڑے بڑے ستونوں پر کھڑی کی گئی تھی، گمان ہے کہ وہ خانقاہ رہی ہوگی، حالانکہ کوئی مجسمہ اس میں سے برآمد نہیں ہوا ہے۔ ان کھنڈروں میں سب سے زیادہ نمایاں ایک وسیع پانی کے علاج کا شفاخانہ ہے۔ یہ اینٹوں کا بنا ہوا ایک ۳۹ فٹ لمبا، ۲۲ فٹ چوڑا اور ۸ فٹ گہرا تالاب ہے۔ جس کی دیواروں پر پانی اثر نہیں کرسکتا۔ اس کے چاروں طرف متعلقہ برآمدوں، غلام گردشوں اور کمروں میں آنے جانے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ اسے قریب کے کنویں سے بھرا جاتا تھا۔ اس کی نالی اپنی ۶ فٹ سے زیادہ اونچی چھت کے ساتھ جس میں چھجا نکلا ہوا تھا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس عظیم الشان تالاب کے ملحقات میں ایک حمام یا گرم پانی کا تالاب ہے جس میں ایک زمین دوز آتش دان ہے اس سے لوگوں کے سائنسی انداز میں

لہ مکانوں میں بیرونی زیبائش کا نہ ہونا لوگوں کی سادگی ظاہر کرتا ہے، یا لوگ اپنی دولت وثروت کو چھپانے اور فالتو ٹیکسوں سے بچنے کے لیے بیرونی زیب وزینت سے بچتے تھے؟

گرمی اور حرارت حاصل کرنے کے طریقہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

زراعت

اہل سندھ کی زراعتی سرگرمیوں کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں، لیکن موہنجوڈارو اور ہڑپا جیسے بڑے بڑے شہروں کا وجود متقاضی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی وہاں بہتات رہتی ہو گی غالباً وہ گیہوں اور جو کی کاشت کرتے تھے اس لیے کہ اس کے نمونے وہاں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہل نے کھرپے اور پھاوڑے کی جگہ لے لی تھی، یا کھرپا اور پھاوڑا ہی برابر استعمال میں رہا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ پرانے زمانے میں سندھ میں کافی بارش ہوتی تھی[1] بارش کی بہتات اور ایک بڑے دریا کے وجود[2] نے آبپاشی کے مسئلہ کو یقیناً آسان کر دیا ہوگا۔

غذا

مندرجہ بالا کھانے پینے کی چیزوں اور کھجوروں کے علاوہ (جس کی گٹھلیاں وہاں ملی ہیں) ہڈیوں سے اور چڑھاوے کی ان چیزوں سے جو وہ مُردوں کی نذر کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل سندھ سور، گائے، بکری، مرغ مچھلی اور دوسرے آبی جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ دودھ اور ترکاریاں بھی غالباً ان کی غذا میں شامل تھیں۔

پالتو جانور

چند پالتو جانوروں سے بھی وہ لوگ واقف تھے، ان میں سے بیل، بھیڑ، بھینس، اونٹ اور ہاتھی کی ہڈیاں دستیاب ہوئی ہیں۔ البتہ کتے اور گھوڑے

---

[1] پانی کی نکاسی کا باقاعدہ انتظام اور عمارتوں کے کھلے ہوئے حصوں میں پکی اینٹ کا استعمال بارش کی نشاندہی کرتا ہے۔ [2] دریائے سندھ۔ اس کے علاوہ دریائے میران تھا جو چودھویں صدی عیسوی میں خشک ہو گیا۔

کی ہڈیاں سطحِ زمین سے نزدیک ملی ہیں اس لیے خیال ہے کہ یہ بعد کے زمانہ کی ہیں۔ جنگلی جانوروں میں، وہ لوگ، گینڈے، ارنا بھینسے، بندر، چیتے، ریچھ، اور خرگوش وغیرہ سے واقف تھے جس کی شبیہیں مہروں اور تانبے کی تختیوں پر بنی ہوئی ہیں۔

پتھر اور دھاتوں کا استعمال

اس علاقہ میں پتھر کمیاب تھا اس لیے چکیوں اور سلوں یا مورتیوں اور پوجا پاٹ کے لوازم کے لیے پتھر باہر سے منگوایا جاتا تھا۔ جن دھاتوں سے اہلِ سندھ واقف تھے وہ یہ تھیں۔ سونا، چاندی، تانبا، ٹین اور سیسہ مختلف قسم کی چیزیں بنانے میں وہ ان دھاتوں کو استعمال کرتے تھے۔ موہنجوڈارو میں زمین کی تہ سے کانسہ کی دریافت ثابت ہوئی ہے کہ کانسہ اس زمانے میں ضرور استعمال ہوتا تھا۔ لوہا بہرحال وہاں نہیں پایا گیا۔

زیورات

زیورات میں خاص کر ہار، دریاں، کڑے اور تاگڑیاں ہر طبقے کے مرد اور عورتیں عام طور پر استعمال کرتے تھے۔ مال دار لوگ سونے چاندی، ہاتھی دانت، چینی اور دوسرے قیمتی پتھروں کے زیورات پہنتے تھے مثلاً لاجورد یشب عقیق، سنگِ سلیماں وغیرہ۔ اسی طرح غریب لوگ تانبے، ہڈیوں، سیپوں اور پکائی ہوئی مٹی کے زیورات استعمال کرتے تھے۔

گھریلو چیزیں

گھریلو اوزار اور برتن معلوم ہوتا ہے پتھر کی بجائے تانبے اور کانسے کے بنتے تھے لیکن اکثر چیزیں مٹی کی استعمال میں آتی تھیں۔ اس قسم کے بادیوں، پیالوں، رکابیوں، طشتریوں، قابوں، تسلوں اور مختلف قسم کے پتھر کے بنے ہوئے گھڑوں کی ایک بہت بڑی تعداد برآمد ہوئی ہے۔ مٹی کے برتن چاک پر ڈھالے جاتے تھے۔ ان پر نقش و نگار بنے ہوتے تھے

اور ان میں سے بعض بہت چمک دار ہوتے تھے۔

ہتھیار

بالکل اسی طرح جنگ یا شکار کے ہتھیاروں کے معاملہ میں بھی تانبے اور کانسے نے پتھر کی جگہ لے لی۔ لوگ گرز، کلہاڑی، چھرا، بھالا، تیر کمان اور گوپھن سے واقف تھے لیکن دفاع کے ہتھیاروں مثلاً ڈھال، خود، زرہ، وغیرہ سے یہ لوگ شاید ناواقف تھے۔ تلوار کا سراغ کہیں نہیں ملتا۔

کھیل اور باٹ

پتھروں سے باٹوں اور پانسہ کا کام بھی لیا جاتا تھا اور سنگ مرمر کی جگہ بھی انھیں لگایا جاتا تھا۔ باٹ اور پانسے وہاں کی اہم ترین دریافتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ اہلِ سندھ ویدک دور کے آریوں کی طرح جوے کے شوقین تھے۔ چھوٹے باٹ جو چقماق یا سلیٹ کے بنائے جاتے تھے مکعبی اور بھاری باٹ مخروطی شکل کے ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایلم اور عراق کے باٹوں کے مقابلہ میں ان میں زیادہ، صحت و یکسانی پائی جاتی تھی۔

کھلونے

کھلونے عام طور پر چڑیوں، جانوروں، مردوں اور عورتوں کے چھوٹے چھوٹے مٹی کے مجسمے ہوتے تھے۔ مٹی کے جھنجھنے اور ترٹ ترٹ گاڑیاں بھی کھلونوں میں شامل تھیں۔ بچوں کی یہ کھیل کی چیزیں بھی بعض اوقات حقیقی زندگی کی عکاسی کرنے میں کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

کتائی بُنائی

بڑی تعداد میں چرخے کے تکلوں اور چمرخوں کی دریافت ظاہر کرتی ہے کہ موہنجوڈارو کے گھروں میں کتائی عام تھی۔ مالدار لوگ چینی کی چمرخیں وغیرہ

استعمال کرتے تھے اور غریب لوگ سستی مٹی کی یا سیپ کی۔ سردی کے لیے اونی کپڑا بنا جاتا تھا اور گرمی کے لیے ٹھنڈا سوتی کپڑا سوتی کپڑا چاندی کے ایک برتن سے چپٹا ہوا ملا ہے۔ ماہرین نے بڑی احتیاط سے جانچنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کپڑا اپنی مخصوص بناوٹ کے اعتبار سے آجکل کے گاڑھے سے مشابہ تھا۔

لباس

جس طرح ان کی ذاتی خصوصیات مختلف تھیں اسی طرح ان کا لباس بھی متنوع تھا۔ مثال کے طور پر ایک مجسمہ ایک ایسے مرد کو پیش کرتا ہے جو ایک لمبی چوڑی شال اوڑھے ہوئے ہے۔ اس کا بایاں کندھا شال سے ڈھکا ہوا رہے اور داہنا کھلا ہوا تاکہ داہنا ہاتھ کام کاج کے لیے خالی رہے۔ برہنہ مجسموں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ برہنگی عام تھی۔ ان مجسموں کا مقصد ہو سکتا ہے مذہبی ہو۔

مذہب

مذہب کے بارے میں ہماری جو کچھ بھی معلومات ہے اس کا ذریعہ مہریں، تانبے کی تختیاں، دھات کی مورتیاں، مٹی کے پتلے، اور پتھر ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ماتا دیوی یا قدرت کی دیوی[1] ہے جس کی پرستش قدیم زمانے میں فارس سے لے کر ایجیئن کے ساحل تک تمام ملکوں میں عام تھی۔ اس عقیدے کو ہندوستان میں ایک زرخیز زمین مل گئی "شکتی" کا عقیدہ اپنی تمام تر رسموں کے ساتھ اسی کی شاخ ہے۔ اس کے علاوہ ایک مہر، ایک بہت ہی رسمی اور مقبول عوام تر مکھے دیوتا کی تصویر پیش کرتی ہے جسے جوگی کے آسن میں بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس کے جانبین میں جانور ہیں۔ اس دیوتا کو تاریخی شیو کا ابتدائی نمونہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ قیاس درست ہے تو شیومت کو قدیم ترین مذہب قرار دیا

---

[1] بہت قدیم زمانہ سے ہندوستان پراکرتی، بعد ازاں شکتی، اور پرتھوی دیوی اور بہت سے گرام دیوتاؤں (امبا، ماتا وغیرہ) کی پرستش کا گہوارہ رہا ہے

جا سکتا ہے سینکڑوں کی تعداد میں پتھر کی مخروطی اشیا اور انگوٹھی کے نگینوں کی دریافت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لنگ پوجا یا مرد اور عورت کے آلاتِ تناسل کی پرستش کا رواج پایا جاتا تھا۔ نیز بعض مُہروں پر بنی ہوئی تصویریں ثابت کرتی ہیں کہ پیڑ پوجا اور حیوان پرستی کا وجود بھی تھا۔ آج کا ہندو دھرم ان میں سے بہت سے عناصر کا حامل ہے۔ یہ ہزاروں سال سے ہندوستانی کلچر کے غیر معمولی تسلسل کا حیرت انگیز ثبوت ہے۔

مُردوں کی تجہیز و تکفین

ہڑپا اور موہنجوڈارو سے جو چیزیں دریافت ہوئی ہیں انھیں جانچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مُردوں کو دفنانے کفنانے کے تین طریقے رائج تھے (۱) باقاعدہ طور پر دفنانا (۲) چرندوں پرندوں کی نذر کرنے کے بعد دفنانا (۳) جلانا اور بعد ازاں چتا کی راکھ کو دفن کرنا۔ راکھ، کوئلے اور ہڈیوں سے بھرے ہوئے خاک دانوں، گھڑوں، پیالوں اور دوسرے برتنوں کی دریافت، بہر حال، اس قیاس کو قوی کرتی ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے دورِ عروج میں آخرالذکر طریقہ زیادہ مقبول تھا۔ موہنجوڈارو سے بے شمار ڈھانچے سڑکوں پر یا کمرے کے اندر پڑے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں لیکن وہاں کسی قبرستان کے نشانات نہیں ملے۔ اس کے برخلاف ہڑپا میں ایک قبرستان کے آثار ملے ہیں جس کے قریب ایک مسطح میدان میں جا بجا مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہڑپا میں مُردوں کے ڈھانچوں کے پاس ایک خاص قسم کے مٹی کے برتن رکھے ہوئے پائے گئے ہیں جنھیں ترکاریوں اور جانوروں کے عجیب و غریب نمونوں سے سجایا گیا ہے۔

لکھنے کا علم[1] اہلِ سندھ کے بارے میں ہمارے علم کا سب سے زیادہ

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر جی آر ہنٹر: اسکرپٹ آف ہڑپا اینڈ موہنجوڈارو (۱۹۳۴) فادر ایچ ہراس "دا اسٹوری آف ٹو موہنجوڈارو"، سائنس، جرنل آف بنارس ہندو یونیورسٹی، جلد ۲، نمبر ا

دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ لوگ لکھنے کے فن سے تھوڑے بہت واقف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ پتھروں یا مٹی کی تختیوں پر کندہ دستاویزی شہادتیں تو موجود نہیں ہیں لیکن کافی تعداد میں چھوٹی بڑی مہریں[1] دریافت ہوئی ہیں۔ جن پر حیوانی ارنے گھوڑے (جس کے سر پر ایک کھڑا سینگ ہوتا ہے۔) بیل اور دوسری چیزوں کے بہترین نمونے بنے ہوئے ہیں ان پر کتبے ایسے رسم خط میں کندہ ہیں جو اصلی ایلمی، سامری، کریٹی اور مصری رسم خط سے تعلق رکھتا ہے اس کی ترجمانی ماہرین کو اب تک عاجز کیئے ہوئے ہے۔ عام طور پر اب یہ عقیدہ قائم ہوگیا ہے کہ یہ ایک قسم کی تصویری تحریر ہے جس کی ہر تصویر[2] ایک خاص لفظ یا شے کو ظاہر کرتی ہے۔ بعد میں اشارات و علامات کا اضافہ کیا گیا جو غالباً حروفِ علت معلوم ہوتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک سطر بائیں سے دائیں کو لکھی گئی ہے اور اگلی دائیں سے بائیں کو یعنی جیسے کسان کھیت میں ہل چلاتا ہے[3] براہمی رسم خط سے اس طرزِ تحریر کے تعلق کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اغلب یہ ہے کہ وادئ سندھ کا یہ طرز تحریر نہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پھیلا اور نہ زیادہ عرصے زندہ رہا۔

فن

معلوم ہوتا ہے اہل سندھ نے فن خزانی میں بھی بڑی ترقی کرلی تھی۔ وہ اپنے مٹی کے برتنوں پر رنگ کرنے اور تصویریں بنانے کے بہت شوقین تھے ان کے بنائے ہوئے بعض بڑے نازک کام کے نمونے ہم تک پہنچ گئے ہیں۔
اس کے علاوہ پتھر اور کانسے کے ٹھوس مجسمے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تناسب

---

[1] ملاحظہ ہو وال۔ اے واڈل "انڈو سیرین سیلس ڈی سائیفرڈ" (لندن ۱۹۲۵)

[2] تقریباً ۲۹۶ علامات کی ایک فہرست مرتب کی گئی ہے۔

[3] بعض جگہ تحریر (SOUSTROPHDON) ہے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں "ہل میں جتے ہوئے بیلوں کی چال کی مانند"

اعضاء کا شائستہ ذوق رکھتے تھے۔ ایک رقاصہ کا مجسمہ جس میں وہ ایک ٹانگ پر کھڑی ہے اور دوسری ٹانگ اوپر ہوا میں ہے، ایک خوبصورت فنی شاہکار ہے۔ اس مجسمہ میں اتنی حرکت و زندگی پائی جاتی ہے کہ تاریخی دور کے مجسموں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز مختلف چھوٹی بڑی مہروں کی نقاشی ہے۔ ان پر جانوروں کی اور خصوصیت کے ساتھ بیل کی شبیہ بہت خوبصورت اور اصل کے مطابق ہے۔ یہ شبیہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ قدیم یونانیوں کی طرح، اہل سندھ کی فنی صلاحیتوں کا معیار کافی بلند تھا اور اُن کی شبیہوں میں زندگی اور تازگی پائی جاتی تھی۔

یہ لوگ کون تھے؟

ڈھانچوں کے باقیات نیز مجسموں کے سروں[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہڑپا اور موہنجوڈارو کی آبادی ہر رنگ و نسل کے لوگوں پر مشتمل تھی جس میں چار مختلف اور واضح نسلیں پائی جاتی تھیں۔ یعنی اصلی آسٹرولائڈ، بحر روم والے، پہی اور منگول۔ ان چاروں میں سے کون سی نسل وادی سندھ کی تہذیب کی واقعی بانی تھی؟ اس سوال کے متضاد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ اہل سندھ ویدک دور سے قبل کی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ (غالباً دراوڑ) جن کی تہذیب کو آریوں نے تباہ کر دیا۔ بعض عالم خود آریوں کو اس تہذیب کا بانی سمجھتے ہیں اور آریوں کے ہندوستان میں اقتدار کی تاریخ کو کافی پیچھے لے جاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل سندھ سامری یا اُن سے ملتی جلتی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل سندھ کی انفرادیت کے باوجود بعض ایسی خصوصیات وادیٔ سندھ ایلم اور سمیری تہذیب میں مشترک ہیں جس سے بلاشبہ اس خیال کو تقویت پہنچی ہے۔

---

[1] اس شہادت کو بہت احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ فنکار کبھی ماہر انسانیات نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ اتنی بڑی تعداد میں کھوپڑیاں دریافت نہیں ہوئیں کہ ہم مختلف نسلوں کے وجود کے بارے میں کوئی یقینی کلیہ قائم کریں۔

تمدنی شہادتیں اور دلائل جن کی نوعیت طبعی ہے وہ بہرحال بہت کمزور ہیں اس لیے تا وقتیکہ ہمیں کچھ اور محکم اشارے دستیاب نہ ہو جائیں ہم اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم نہیں لگا سکتے۔

حدود اور اصل

موہنجوڈارو اور ہڑپا کے علاوہ جو دیگر اثری دریافتیں ہوئی ہیں۔ وہ ظاہر کرتی ہیں کہ شمالی اور جنوبی سندھ (مثلاً جھوکر ڈارو، چھوڈارو) جنوبی پنجاب اور بلوچستان (مثلاً ریاست قلات میں نال) وغیرہ کے دوسرے مقامات اسی تانبے کے عہد سے تعلق رکھتے تھے اس کے کوئی آثار اب تک وادی گنگا میں دریافت نہیں ہوئے ہیں جس نے آگے چل کر ہندوستان کی سماجی اور سیاسی تاریخ میں اہم رول ادا کیا۔ تو پھر وادی سندھ کی تہذیب کی اصل کیا ہے؟ کیا سرزمین ہند پر یہ کوئی خودرو پیداوار تھی؟ یا ایلمی، عراقی یا دوسری قدیم مغربی تہذیبوں کے زیر اثر اس کا نشوونما ہوا؟ اس ناکافی معلومات کے پیش نظر ان سوالات کا کوئی مسکت جواب دینا آسان نہیں۔

تاریخ

ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ تہذیب وادی سندھ میں کتنے عرصے پھلی پھولی۔ ان طبقات کو چھوڑ کر جو زمین کے اندر پانی کی تہ میں غرق ہو گئے موہنجوڈارو کی عمارتوں کے سات طبقے زمین کے اندر برآمد ہوئے ہیں۔ ان طبقات میں ایک طبق عہد قدیم کا ہے، تین متوسط دور کے اور تین آخر کے زمانے کے۔ ان طبقات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اگر ہر طبق کے لیے ۵۰۰ سال کی مدت متعین کی جائے تو اس تہذیب کی مدت ۳۲۵۰ سے لے کر ۲۷۵۰ ق م تک قرار دی جائے گی۔ چونکہ موہنجوڈارو کی متنوع شہری زندگی صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ تھی اس لیے اس کی ابتدائی تاریخ کا تعین اس سے بھی پہلے کرنا پڑے گا۔ دوسرے وادی سندھ کی دریافتوں کا ایلم و عراق کی دریافتوں سے مقابلہ

کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں میں جو مماثلت پائی جاتی ہے وہ محض اتفاقی نہیں ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے جیسا کہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ان ملکوں اور وادی سندھ کے درمیان آمد و رفت اور روابط تھے تو یہ بات یقین کی حد تک طے ہو جائے گی کہ وادی سندھ کی تہذیب، قدیم سمیری تہذیب اور طوفان نوح سے پہلے کی عراق ایلم کے آخری دور کی تہذیب کی معاصر تھی۔

تیسرا باب

رِگ ویدی عہد

آریوں کی اصل اور وطن[1]

تہذیب کا جھٹ پٹا آہستہ آہستہ تہذیب کی صبح میں تبدیل ہوگیا اور ویدی کلچر کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ تاریخ ہند کے اُفق پر چمکنے لگا۔ آریوں کے مورث کون تھے۔ ہمارے تاریخی حدود میں وہ کہاں سے اُبھر کر داخل ہوئے؟ اس قسم کے سوالات نے گمراہ کن تاریخی اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ بعض ہندوستانی عالموں نے پرانوں کی شہادت پر یہ رائے قائم کی ہے کہ آریہ ہندوستان کے اصلی اور سب سے قدیم باشندے ہیں لیکن اُن کے دلائل کو عالموں کی عام تائید حاصل نہیں ہو سکی۔ دیگر علما کا اتنے ہی زور کے ساتھ دعویٰ ہے کہ آریوں کا اصل وطن دائرہ قطب شمالی تھا (بی۔ جی۔ تلک)، یا باختر تھا (رھوڈ) یا پامیر تھا۔ بہر حال عام خیال یہ ہے کہ ہندی آریہ نیز اَوِستا کے دَور کے ایرانی، قدیم ہندی جرمنوں (ہندی یورپیوں) کی ایک شاخ ہیں یا وِرد[2] ہیں۔ مشرق کی جانب انتقال آبادی سے قبل اُن کا مسکن ایک طویل عرصے تک مشترک رہا جسے میکس مولر نے وسط ایشیا کو، بنفے نے

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آئی زک ٹیلر، دا اوریجن آف دی ایرینس، لندن، ۱۸۸۹ء؛ جی۔ چائلڈ دا ایرینس، اے۔ سی۔ داس، رِگ ویدک انڈیا (کلکتہ، ۱۹۲۷ء) بی تلک، آرکٹِک ہوم ان دا ویداز (پونا، ۱۹۰۳ء) لچھمی دھر ہوم آف دا ایرینس (دہلی ۱۹۳۰ء) [2] گلائمس نے وِرد کی اصطلاح اُن آدمیوں کے لئے استعمال کی ہے جو قدیم زبانوں میں ملتے ہیں (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول ص ۳۷)

بحر اسود کے شمال میں روس اور سائبیریا کے شمالی میدانوں کو، گیگر نے مغربی اور وسطی جرمنی کو، یا پی گائاٹس نے آسٹریا، ہنگری اور بوہیمیا کو قرار دیا ہے۔ انتقال آبادی کا باعث یا تو یہ ہوا کہ وہ گروہوں میں بٹ گئے، یا ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی اور اختلافات شروع ہو گئے، یا اُن کے مسکن کے محدود علاقہ میں اُن کی آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس عقیدہ کی بنیاد ایک تو یہ ہے کہ رگ وید اور اوستا کی زبان میں اور ہندی جرمنی بولیوں میں جو یورپ کی بیشتر قومیں[1] استعمال کرتی ہیں۔ قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ بھی تھوڑا بہت[2] ہمیں ان کے متعلق معلوم ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلچر نیز ان کا نباتات و حیوانات کا علم یکساں تھا۔ لسانی مماثلت اور زندگی کی مشترک خصوصیات بہرحال ان کی خاندانی یگانگت کا کوئی محکم ثبوت نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں ایسی ہیں جنھیں ایک قوم دوسری قوم سے بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں علم بشریات[3] کی تحقیقات بھی ہمیں کوئی خاص مدد نہیں پہنچاتی۔ ان سے بس یہ بات تو ضرور معلوم ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو جسمانی ساخت کے اعتبار سے یورپ کی بعض نسلوں سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، اس طرح حالانکہ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کی رگوں میں یورپ کا خون موجزن ہے، پھر بھی یہ قابل قیاس ہے کہ ہندی آریہ کسی نہ کسی منزل میں اہلِ مغرب کے اسلاف سے قطعی طور پر علیحدہ نہیں تھے۔

رگ وید

قدیم ترین کتاب جو آریوں نے آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑی ہے

---

[1] مثلاً سنسکرت کی پتری، ژند کی پتیری، لاطینی کی پتیر، یونانی کی پاتر، کلٹی کے آتشر، بیٹوٹانی کے مادر۔ ٹوکاری کے پاتر، اور انگریزی کے فادر سے مماثل ہے۔ یا سنسکرت دوا لاطینی کے دود، آٹری کے دو، گانتھی کے توئی۔ تھونی کے دو اور انگریزی کے ٹو سے مماثل ہے۔ یا سنسکرت کا اَستی لاطینی کے ابست، آٹری کے اِس، گوتھی کے است اور تھونی کے استی سے مماثل ہے۔ [2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، باب ۳ صفحہ ۶۴ تا ۷۱۔

[3] ANTHROPOLOGY

رگ وید ہے اس میں حمد وثنا کی ۱۰۱۷ نظمیں یا مناجاتیں ہیں۔ ان میں ۱۱ نظموں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے جنھیں والِ کھبلیہ کہتے ہیں انھیں دس[1] منڈلوں یا کتابوں میں باقاعدہ ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ نظمیں مختلف زبانوں کی تصنیف[2] ہیں اور مختلف زمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کا ادبی معیار بھی مختلف ہے۔ انھیں مختلف خاندانوں کے شاعر پنڈتوں نے تصنیف کیا ہے جن میں سے اکثر مرد ہیں اور دو یا تین عورتیں۔ سوائے چند نظموں کے باقی سب دیوتاؤں کے حضور مناجاتیں ہیں۔ جن میں قدرتی طاقتوں کو دیوتاؤں کی مجازی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ دیوتا ان سے متاثر ہو کر اپنے پجاریوں کو روحانی اور مادی برکتوں سے نوازیں۔ صرف وہ مناجاتیں جن میں دیوتا مخاطب نہیں ہیں ایسی ہیں جو راجاؤں کی فیاضی اور قبائلی خانہ جنگیوں نیز عوام کی زندگی اور عادات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ معلومات بے شک ناکافی ہیں لیکن اس جہت سے بے حد قیمتی ہیں کہ معلومات کا کوئی اور ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے جو ہمیں اتنے قدیم زمانے کی ہلکی سی جھلک بھی دکھا سکے[3]۔

رگ ویدی آریوں کا جغرافیائی پس منظر

رگ وید میں کوئی اشارہ آریوں کے ابتدائی نقل و حرکت کی طرف نہیں ہے اور نہ اُس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کیونکر داخل ہوئے۔ البتہ بعض تلمیحات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جغرافیائی حدود اربعہ اس علاقہ تک محدود تھا جو افغانستان سے لے کر وادیٔ گنگا تک پھیلا ہوا تھا۔ بعض دریاؤں کے نام اس میں آتے ہیں مثلاً کوبھا (کابل)، سواستو، (سوات) کرومو

---

[1] رگ وید میں خود متقدمین و متاخرین رشیوں اور ان کی تصانیف کا ذکر موجود ہے۔ ونیٹرنز کا خیال ہے کہ رگ وید کی نظموں کے ادوار میں کئی کئی صوبوں کا فصل ہے۔ اس کے متن کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف تدبیریں جیسے پد پاٹھ، کرم پاٹھ، انوکرمانس وغیرہ اختیار کی گئیں۔ [2] قدیم روایت کے مطابق یہ نظمیں رشیوں پر نازل ہوئیں۔

ऋषयो मन्त्रद्रष्टार, اور नहि मद्रासि निपन्ते नियानि छदासि

[3] ملاحظہ ہو اے۔ سی۔ درس، رگ ویدی کلچر (کلکتہ ۱۹۲۵ء)

(کرُم) اور گومتی (گومل)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان اُن کے زیر اثر تھا اور یہی ان کا مسکن تھا۔ سندھو کا وسیع و عریض دھارا (دریائے سندھ) اس کے پانچ معاون دریا۔ وِتستا (جہلم) اُسِکنی (چناب)، پروشنی، بعد ازاں اِراوتی (راوی)، وِپاشا (بیاس) اور شتُدری (ستلج) سے ہر شخص واقف ہے۔ اسی طرح دِرِش دُوتی (چوتنگ) کا ذکر آیا ہے۔ لیکن سَرَسوتی جواب خشک ہوگئی ہے، بہت سے موثر گیتوں کی محرک ہے۔ اِن حوالوں سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آریہ اُن دریاؤں سے سیراب ہونے والے تمام علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے اور اسی علاقے میں انھوں نے رگ وید کی بشتر نظمیں تصنیف کیں[1]۔ دریائے گنگا اور دریائے یمنا (جمنا) کا ذکر صرف دو یا تین جگہ آیا ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ حالانکہ آریوں کے جتھے گنگا کے دوآبے تک پہنچ گئے تھے پھر بھی یہ اُن کے لیے اب تک ایک اجنبی علاقہ تھا۔ سمندر سے وہ لوگ بالکل ناواقف تھے۔ انھوں نے سُمندُر کا لفظ پانی سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے علاقوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ ہمالیہ یا ہماونت پہاڑ کی طرف رگ وید میں اشارہ ہے لیکن وندھیاچل یا دریائے نربدا کا کوئی ذکر اُن میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آریوں نے جنوب کی جانب بستیاں بسانی نہیں شروع کی تھیں۔ مندرجہ بالا خیال کی تائید میں دیگر شہادتیں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر رگ وید میں شیر کا ذکر ہے لیکن چیتے کا کوئی ذکر نہیں ہے جو بنگال کے مرطوب جنگلوں میں پایا جاتا ہے۔ رگ وید میں چاول کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آریہ مشرقی علاقوں کی طرف ابھی نہیں بڑھے تھے۔ لیکن اس قسم کے دلائل پر غیر معمولی زور دینا احتیاط کے خلاف ہے۔ اس میں خطرہ ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ شمالی پنجاب میں نمک کی بہتات ہے اور رگ وید میں نمک کا کسی ایک جگہ بھی ذکر

---

[1] اوشادیوی کی شان میں جو نظمیں ہیں اُن کا جغرافیہ پنجاب کا دائرہ، صحیح کا منظر ہے لیکن وہ نظمیں جن میں "عناصر کے انتشار" اور گرج اور چمک کے فلسفہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیتھ کے بقول دریائے سرسوتی کے اردگرد کے علاقہ میں یعنی موجودہ انبالہ کے جنوب میں تصنیف ہوئیں۔

نہیں ہے۔

قبائلی تقسیم اور لڑائیاں

رگ ویدی آریہ سب کے سب ہم جنس و یک رنگ لوگ نہیں تھے۔ وہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے اہم پانچ متحد قبیلے تھے۔ انو، دُروہیو، یادو، تُروَسُ، اور پورو، جو سرسوتی کے جانبین میں آباد تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور قبیلوں کا ذکر آتا ہے۔ بھرت (جو بعد میں کُرُدوں میں ضم ہو گئے۔ تِرت سُو، سرِنجیٔ وِی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قبیلے۔ اکثر وہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ رگ ویدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ پُرُشنی کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں بھرتوں کے راجہ سُوداس نے دس راجاؤں کے متحدہ قبیلوں کو وشوامتر کی رہنمائی میں زبردست شکست دی۔ اُن کے خاندانی پروہت وِشِشٹھ نے اس فتح کا جشن منایا، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ سُوداس نے اپنی فتوحات کو متحد یا منظم کیا یا نہیں۔ ان پانچ متحدہ قبیلوں اور شمالی مغربی قبائل یعنی الین، پکتھ (موجودہ پختون یا پٹھان) سیو، بھلانسی اور وِشانِن کے حملہ کے فوراً بعد، سُوداس کو اپنی سلطنت کے مشرقی گوشے سے ایک اور خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ سُوداس بہرحال، دریائے جمنا کے کنارے اپنے ان دشمنوں کو جو بھیدا کی قیادت میں لڑ رہے تھے شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ بھیدا کے ماتحت جو تین قبیلے تھے۔ آج، سِگرو، اور یاک شو، ان کے عجیب و غریب ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر آریائی سردار تھا۔[1] اس طرح اپنی باہمی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ آریہ "داسیوں" یا "داسوؤں" سے بھی مصروف کارزار رہے۔ یہ لڑائیاں بڑے بھیانہ انداز میں ایک عرصہ تک جاری رہیں (یہ ۱۳) کی وجہ یہ تھی کہ دونوں قوموں میں بڑے اختلافات رکھتی تھیں جو سماجی بھی تھے اور نسلی بھی۔ آریہ لوگ لمبے اور گورے تھے، اور داسیو" کالے اور پستہ قد۔ ان کے خدوخال بھدے تھے اور ناک چپٹی

---

[1] رگ وید میں دوسرے غیر آریائی نسلوں کا ذکر بھی آتا ہے مثلاً سِم یو، پشاک وغیرہ۔ دوسرے ممتاز داس سرداروں میں سے ہم پیپانند، دھونی، چُمرکی، جمبرا کا ذکر بھی سنتے ہیں۔

(اناسنہ) تھی۔ وہ دیوی دیوتاؤں پر ایمان نہیں رکھتے تھے (اری وایو)، بلکہ ان پر سب وشتم کرتے تھے۔ (دیوپی یو)، اور نہ قربانیاں کرتے تھے۔ (آگیہ ون) اور نہ اور رسوم (آکرمن) بجالاتے تھے۔ اس کے برخلاف وہ لنگ پوجا کرتے تھے۔ (شیش دواہ) ان کا قانون انوکھا تھا (الیہ ورت) اور ان کی بولی سمجھ میں نہ آتی تھی (مردھرواک) [1] ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ "داسیو" غالباً دراوڑ نسل سے تعلق رکھتے تھے اور اس علاقہ میں آباد تھے جس پر آریہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ "داسیو" لوگوں نے اپنے مکانات اور جانوروں کی حفاظت کے لیے مردانہ وار ان کا مقابلہ کیا لیکن جب اُن کے پُور اور درگ (اُن کے شہر اور قلعے) تباہ ہوگئے اور ان کی قوتِ مقاومت نے بالکل جواب دے دیا، تو انھوں نے آریوں کے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دیے۔ بہت سے داسیو فاتحین کے داس (غلام) بن گئے۔ جنھیں بعد میں سماج میں شودر کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا۔ لیکن بہت سے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل گئے جہاں ہم اُن کی اولاد کو وحشیانہ زندگی گذارتے ہوئے آج بھی دیکھ رہے ہیں۔

سیاسی تنظیم

کنبہ (گریہہ یا کل) ویدی ریاست کی اصلی بنیاد تھی۔ کئی کئی کنبوں سے جو برادری کے بندھنوں میں منسلک ہوتے تھے مل کر گرام بنتا تھا اور کئی کئی گراموں سے مل کر ایک وِش (ضلع، جرگہ) بنتا تھا اور کئی وشوں سے مل کر جن یا قبیلہ کی تشکیل ہوتی تھی۔ پورا قبیلہ ایک سردار یا راجن کے ماتحت ہوتا تھا جو اکثر موروثی ہوتا تھا جیسا کہ رگ وید کے ان اشلوکوں سے ظاہر ہوتا ہے جن میں یکے بعد دیگرے کئی وارثوں کا ذکر آیا ہے۔[2] کبھی کبھی وِش کے لوگ راجن کا انتخاب بھی کرتے تھے لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ یہ انتخاب حکمراں خاندانوں تک محدود تھا یا دوسرے شریف خاندانوں میں سے بھی راجن

---

[1] اے۔ سی۔ داس، رگ ویدی کلچر ص ۱۵۷، ص ۱۵۸ (کلکتہ، ۱۹۲۵)

[2] مثال کے طور پر ووَدھریشو، دِوُو داش، سُداس اور سوداس۔

کو چُنا جا سکتا تھا۔ لڑائی میں فوج کی قیادت راجہ کرتا تھا وہ ان لوگوں کے جان و مال کا محافظ ہوتا تھا جس کے عوض لوگ اس کی اطاعت کرتے تھے اور تحفے تحائف اس کی نذر کرتے تھے۔ غالباً راجہ اس وقت ریاست کے اخراجات کے لیے کوئی مقررہ کر یا ٹیکس باقاعدہ وصول نہیں کرتا تھا۔ جب جنگ سے فراغت پاتا تو امن کے زمانے میں وہ انصاف کرتا اور مادی خوشحالی کے لیے قربانیاں دیتا پروہت سینانی (فوج کا سردار) اور گرامنی راجہ کے حاشیہ نشینوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ پروہت کو بھی تحفے ملتے تھے اور وہ تمام مہموں میں راجہ کی کامیابی کے لیے منتر پڑھکر اور افسوں پھونک کر دیوتاؤں سے دعا کرتا تھا۔ راجہ مکمل طور پر مطلق العنان نہیں ہوتا تھا۔ اس کے اختیارات کا دار و مدار رعایا کی مرضی پر تھا۔ جس کا اظہار سبھا (بزرگوں کی کونسل) سمیتی (کُل جنتا کی اسمبلی)[1] میں ہو جاتا تھا۔ ریاستیں عام طور چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں۔ لیکن باہمی لڑائیوں اور "داسیوں" سے خطرہ کے باعث اب رجحان بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک بڑے سردار یا مہاراجہ کے تحت سب ریاستیں آجائیں یا ریاستوں کے علاقے کو بڑھا کر وسیع کر لیا جائے۔

خانگی زندگی

رِگ ویدی آریوں کی خانگی زندگی کافی خوشگوار تھی۔ وہ ازدواجی زندگی کے لیے بندھنوں کو مضبوط رکھتے تھے اور انھیں مقدس سمجھتے تھے۔ عام طور پر ایک شادی کے اصول کی پابندی کی جاتی تھی۔ لیکن "بالائی دس" کے درمیان کثرت ازدواج بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ چند شوہری اور بچپن کی شادیوں کے کوئی آثار نہیں ملتے۔ عورتیں[2] اپنے شوہروں کے انتخاب میں کافی حد تک آزاد تھیں۔ شادی کے بعد

---

[1] ان اصطلاحوں کا مطلب واضح نہیں ہے۔ کیتھ کی رائے ہے کہ سمیتی سے "لوگوں کا اجتماع مراد ہے جس میں دو قبیلہ کے مسائل طے کرتے تھے۔" اور سبھا سے مراد وہ مقام ہے جہاں یہ اجتماع منعقد ہوتا تھا اس کے علاوہ سبھا سماجی اجتماعات کے لیے ایک مرکز کا کام دیتی تھی" (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، اول، صہ96)

[2] بی۔ ایس۔ اُپادھیائے، دی ومن ان رگ وید، دوسرا اڈیشن (بنارس 1941ء)، ملاحظہ ہو ڈاکٹر اے ایس الٹیکر، پوزیشن آف دی ومن ان ہندو سولائزیشن (بنارس، 1938)؛ سی۔ بیڈر، ومین ان اینشینٹ انڈیا (لنڈن 1925) اندرا، اسٹیٹس آف وومن ان اینشینٹ انڈیا (لاہور 1941ء)

وہ شوہر کے زیر امن و عافیت کی زندگی گذارتی تھیں۔ ان کی عزت اور ان کے اختیارات اس زمانے میں آج کل کی عورتوں کے مقابلہ میں شاید زیادہ تھے۔ وہ گھریلو معاملات میں پورا اختیار رکھتی تھیں اور شوخ لباس اور زیورات پہن کر قربانیوں اور گھریلو رسموں میں شرکت کرتی تھیں۔ عورتوں کو علیحدہ رکھنے کا کوئی رواج اس زمانے میں نہیں تھا۔ اور نہ عورتوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی تھی۔ عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں اور بعض مثلاً اَپالا، وشوورا، اور گھوشا، رشیوں کی طرح منتر تصنیف کرتی تھیں۔ اخلاقی معیار نسبتاً بلند تھا۔ لیکن کہیں کہیں اخلاقی پستی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

زن و شو کے علاوہ کنبہ میں اور افراد بھی شامل ہوتے تھے۔ والدین، بہن بھائی، اور بیٹے بیٹیاں وغیرہ۔ عام طور پر کنبہ کے باہمی تعلقات میں خلوص، یگانگت اور تعاون کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ بعض اوقات، بہرحال، مال، خاص کر زمین، جانور اور زیورات وغیرہ سے متعلق معاملات پر آپس میں نزاعات ہوجاتے تھے جس کے نتیجہ میں رنجشیں پیدا ہوجاتی تھیں اور کنبہ ٹوٹ کر منتشر ہوجاتا تھا۔

پیشے

جیسا کہ کسی اور مقام پر ذکر کیا گیا، آریہ ہمیشہ مسلسل جنگ و جدال میں معروف رہتے تھے جنگ و جدال بھی دراصل ان کا ایک پیشہ ہی تھا۔ وہ پیدل لڑتے تھے یا رتھوں میں جنھیں گھوڑے کھینچتے تھے، لیکن گھوڑے کی سواری سے قطع نظر رگ وید میں سواروں کے رسالے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ دھات کے بنے ہوئے خود اور زرہ بکتر (ورم) وہ میدان جنگ میں اپنی حفاظت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے خاص ہتھیار یہ تھے۔ کمان (دھنش) اور تیر (بانٹر) بھالہ، نیزہ، کباڑی، تلوار (اَسی) اور گوپھن۔ سپاہی جنگ کے نعروں اور ڈھولوں (ڈن ڈبھی) کے تال اور سُر کے سہارے لڑتے تھے۔

رگ ویدی آریوں کی معاش کا ایک اہم ذریعہ جانور پالنا تھا وہ ایک بڑی تعداد میں گائیں پالتے تھے اور اسی پر ان کی دولت اور خوشحالی منحصر تھی اور اسی کو وہ اپنی "فلاح و بہبود کا حاصل" سمجھتے تھے۔ اس جہت سے ہم اس بات کا بڑی

آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی گایوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے کتنے خواہشمند رہتے تھے۔ اُن کے پالتو جانوروں میں گھوڑا، بھیڑ، بکری، کتا اور گدھا بھی شامل تھے۔

آریوں کا تیسرا پیشہ زراعت تھا۔ معلوم ہوتا ہے ہل چلانے کے وہ بہت پہلے سے عادی تھے۔ کرش کی جڑ ایک ہی معنی میں سنسکرت اور ایرانی دونوں زبانوں میں نمایاں طور پر استعمال ہوا ہے۔ ہل میں بیل جوتے جاتے تھے۔ ہل کی پھالی دھات کی بنی ہوتی تھی۔ جس سے کھیت (کشیتر) میں نلائی (سیتا) کا کام لیا جاتا تھا۔ کھیتوں میں نالیوں کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا تھا۔ جو (غالباً جو) اور دھانیہ وہ ناج تھے جن کی وہ کاشت کرتے تھے جب ناج پک جاتا تو درانتی سے کاٹا جاتا، پھر گہائی ہوتی، پھر ہوا میں بھوسا اُڑا کر غلہ کو صاف کرنے کے بعد گوداموں میں اسے محفوظ کر دیا جاتا تھا۔

رگ ویدی آریہ شکار سے بھی شغف رکھتے تھے۔ تفریح کی غرض سے بھی اور معاش کے لیے بھی پرند اور جنگلی جانوروں کو جال (پاشا) میں پھانستے تھے یا بعض اوقات تیر کمان سے ان کا شکار کر لیتے تھے۔ ہرن، شیر اور دوسرے درندوں کو پکڑنے کے لیے وہ گڑھے بھی کھودتے تھے۔

مچھلی کے شکار کا رگ وید میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ رگ ویدی آریہ دریاؤں میں تو کشتیاں چلاتے تھے جو بہت بھدی اور بھونڈی ہوتی تھیں لیکن رگ وید میں کہیں لنگر، بادبان یا جہازی بیڑے کا کہیں ذکر نہیں آتا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی کھلے سمندروں میں جہازرانی کی کوشش نہیں کی۔

تجارت

سکے کے استعمال سے بھی یہ لوگ ناواقف تھے۔[2] اس لیے تجارت مبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ گائے کی قیمت معیار سمجھی جاتی تھی۔ ایسے اشارے بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں کا مول تول ہوتا تھا۔ لیکن سودا ایک بار طے

---

[1] پانی، تو کنوؤں سے حاصل کیا جاتا تھا یا دریاؤں سے۔ کھاد اگر استعمال ہوتا ہوگا تو زمین کو زرخیز بنانے میں ضرور مدد دیتا ہوگا۔ [2] نشک سکہ نہیں تھا جیسا کہ بعض عالموں نے سمجھ لیا ہے۔ یہ شاید کوئی زیور تھا جسے گلے میں پہنا جاتا تھا۔

ہوجاتا تو لوگ اس پر قایم رہتے تھے۔

زندگی چونکہ سادہ بالکل ابتدائی منزل میں تھی اس لیے لوگوں کی ضروریات بھی بہت مختصر تھیں اور بہ آسانی پوری ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ ثابت کرنے والی اسناد کم نہیں ہیں کہ خاص خاص پیشوں میں لوگ خصوصی مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ ویدی سماج میں لکڑی کا کام کرنے والا مزدور اہم مقام رکھتا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ اس کی خدمات جنگ یا دوڑ میں کام میں آنے والے رتھ بنانے کے سلسلہ میں زیادہ درکار ہوتی تھیں۔ ایک ہی آدمی بہ یک وقت بڑھئی بھی ہوتا تھا، متفرق چھوٹی موٹی مرمت کا کام بھی وہی کرتا تھا اور پہیے بھی وہی بناتا تھا۔ اس کی ہنرمندی کا مقابلہ ویدی شعرا کی فنکاری سے کیا جاتا تھا۔ ویدوں میں ہم دھات کا کام کرنے والوں کا ذکر سنتے ہیں جو ہتھیار، ہل کے پھال، کیتلیاں اور دوسرے گھریلو برتن بناتے تھے۔ دھات کے لیے ویدوں میں اَیَس نام آیا ہے (لاطینی میں آئیس) جس سے مطلب تانبے، کانسے، یا لوہے سے ہو سکتا ہے۔ سنار خوشحال اور امیر لوگوں کی خوشنودی کے لیے سونے کے زیورات تیار کرتے تھے۔ چمڑا کمانے کا ذکر بھی ویدوں میں آتا ہے۔ یہ لوگ چمڑا کماتے اور دوسری چیزیں مثلاً کمان کے لیے تانت اور لکڑی کے پہیے بناتے تھے۔ سینے پرونے اور گھاس پھوس اور بینڈ کی چٹائیاں اور کپڑا بننے کا کام اکثر عورتیں انجام دیتی تھیں۔ سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ رگ ویدی دور میں ان تمام کاموں میں سے کسی کو پست نہیں سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ بعد میں ہو گیا۔ اور یہ سب کام قبیلہ کے تمام آزاد لوگ انجام دیتے تھے۔

زندگی کی دیگر خصوصیات

(۱) رگ وید میں لباس سے متعلق اتفاقیہ طور جو تلمیحات آ گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ ایک اندر کا کپڑا (نی دی)، ایک دوسرا کپڑا اور لبادہ پہنتے تھے، کپڑا بننے کے لیے بھیڑ کی اون استعمال کی جاتی تھی۔ کپڑوں پر زردوزی کا کام ہوتا تھا اور امیر لوگ اسے رنگوا لیتے تھے اور دُریاں، مالائیں، پہنچیاں اور جوشن پہن کر اپنی آرائش کرتے تھے۔ بالوں میں تیل ڈالا جاتا اور کنگھی کی جاتی تھی۔ عورتیں چٹیاں گوندھتی تھیں۔

بعض مرد بھی بالوں کی کنڈلی سروں پر رکھتے تھے۔ داڑھی مونڈنے کا رواج بھی تھا، لیکن عام طور پر لوگ داڑھیاں رکھتے تھے۔

(۲) غذا

رگ ویدی آریہ غذا میں گوشت اور ترکاریاں دونوں استعمال کرتے تھے بھیڑ اور بکرے کا گوشت بے تکلفی سے کھایا جاتا تھا اور دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا تھا۔ تہواروں کے موقع پر یا دعوتوں میں چربیلے بچھڑے کو بھی ذبح کیا جاتا تھا، لیکن گائے کو اس سے پہنچنے والے فوائد کے خیال سے "اگھنیا" ناقابل ذبیحہ سمجھا جاتا تھا۔ دودھ ان کی خوراک کا خاص جزو تھا دودھ سے بننے والی چیزوں میں گھی اور دہی کا استعمال عام تھا۔ ناج کو پیسا جاتا تھا اور آٹے میں دودھ اور گھی ملا کر روٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ رگ ویدی ہندوستانیوں کے بھوجن میں ترکاریاں اور پھل بھی شامل ہوتے تھے۔

(۳) مشروبات

محض پانی اور دودھ ان کے ذوق کی تسکین کے لیے کافی نہیں ہوتے تھے وہ جوشیدہ شرابوں کے بھی عادی تھے۔ مذہبی تقریبات میں سوم ان کا بڑا مرغوب مشروب[1] تھا۔ لیکن سورا جسے ناج سے کشید کیا جاتا تھا معمولی شراب کی حیثیت رکھتی تھی۔ پروہت اور پجاری اس کے استعمال کو نشہ آور ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔ بعض اوقات شراب جرائم کا باعث ہوتی تھی جن کی اُس عہد میں کوئی کمی نہیں تھی۔

(۴) تفریحات

رگ ویدی ہندوستانی بے کیف و بے رنگ زندگی نہیں گذارتے تھے

---

[1] رگ وید کے نویں منڈل میں سوم کی تعریف ہے اس کا رس فرحت بخش تھا اس بوٹی کو شناخت کرنے کی تمام کوششیں اب تک ناکام ہو چکی ہیں۔

وہ کھیل کود اور رنگ رلیوں کے شوقین تھے۔ خوشی کے موقعوں پر ناچ لے گانا ہوتا تھا۔ ناچ میں اکثر سادگی نہیں ہوتی تھی۔ اُن کے آلاتِ موسیقی میں ڈھول (ڈن ڈبھی)، جھانج، ستار (کرٹر گری) اور بانسری شامل تھے یہ لوگ گانے کے بھی شوقین تھے کیونکہ آگے چل کر سامن گیتوں سے ہمیں اس کی آئندہ ترقی کے بارے میں کسی حد تک واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ گھوڑ دوڑ اور رتھوں کو دوڑ بھی ان کی تفریحات میں شامل تھیں لیکن پانسے کے ذریعہ جوا کھیلنا مقبول عام تفریح تھی۔ باوجودیکہ جوے میں لوگ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے تھے اور اُنھیں تباہی و بربادی کا مُنھ دیکھنا پڑتا تھا پھر بھی جوے بازی کے اڈے پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور لوگ جوق جوق اس کی طرف کھنچکر آتے تھے۔

مذہب ٢

اگرچہ رگ وید کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں کا وجود پایا جاتا ہے پھر بھی وہ ایک بہت صاف اور سادہ مذہب ہے۔ یہ بات فطری ہے۔ کیونکہ رِگ وید کی تمام مناجاتیں رشیوں کی طویل عرصے کی کوششوں کا نچوڑ ہیں اور مختلف قبیلوں کے دیوتاؤں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بیشتر چیزیں جن سے وہ عقیدت رکھتے تھے وہ ہیں جو قدرتی طاقتوں کے مادی مجسم ہیں۔ حسب ذیل عنوان سے ان کے دیوتاؤں کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ (۱) ارضی دیوتا، جیسے پرتھوی، سوم، اگنی۔ (۲) فضائی دیوتا، جیسے اندر، وایو، تِرت، پرجنیا، (۳) سماوی دیوتا، جیسے وَرُن، دیاؤس، اشون، سوریہ، سوِتری، متر، پشن، اور وشنو۔ ان میں آخری پانچ سورج کی عظمت کے مختلف روپ ہیں۔ ان سب دیوتاؤں میں وَرُن کا مقام سب سے بلند ہے اور اکثر مناجاتوں میں اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ وہ آسمان کا دیوتا ہے اور اسی کے ساتھ رِیت کا تصور وابستہ ہے، جو نظام کائنات اور ضابطۂ اخلاق کا مظہر ہے۔ اس کے بعد اندر شمار ہوتا ہے۔ آتا ہے جو گرج اور چمک کا دیوتا ہے، جس کے رُعب و جلال کی توصیف شعرا کا دوسرا محبوب موضوع ہے۔ وہ بارش لاتا ہے اور زمین کی خشکی دور کرتا

لہ اس تفریح میں مرد عورت دونوں شریک ہوتے تھے۔ ٢ رگ وید نے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں مثلاً ربھتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے، اس کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب آریہ اُن علاقوں کی طرف بڑھ گئے جہاں بارشیں طوفانی اور موسمی ہوتی ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دیوتاؤں کی کوئی درجہ وار ترتیب وجود میں آرہی تھی۔ مختلف زمانوں میں شعرا نے مختلف دیوتاؤں کو فضیلت دی کیونکہ ان کا مقصد مختلف مالکوں کے منشا اور ضرورتوں کو پورا کرنا تھا۔ رگ وید میں مجرد دیوتاؤں کا بھی ہے؛ جیسے سرَدھا (عقیدہ) اور مَنیُو (اشتعال) اور دیویوں ہیں اُشاس (تڑکے کی دیوی) عمدہ شاعری کی محرک ہے۔ ان دیوتاؤں کو راضی رکھنے کے لیے دعائیں پڑھی جاتیں، قربانیاں کی جاتیں، اور دودھ، گھی، اناج اور گوشت وغیرہ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ آخرالذکر مَد پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا تاکہ پجاریوں کو مسرت اور خوشحالی نصیب ہو۔ رگ وید کی بعض مناجاتوں میں ایک دیوتا کو دوسرے دیوتاؤں سے ممیّز کرنے یا دو دو کے جوڑوں میں (مثلاً ریاوا ترتھوی) پیش کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور آگے چل کر شعرا توحید کے اس عظیم الشان عقیدہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ "دانشوروں نے دیوتاؤں کو الگ الگ پیش کیا ہے، ورنہ سب کے سب دیوتا ایک ہی ذات ہیں"۔[۱]

تاریخ

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ رگ وید کی مناجاتوں کی یا اس تہذیب کی جن کی وہ نمائندگی کرتی ہیں تاریخ کیا ہے۔ جَیکوبی اور تلک علم ہئیت کی مدد سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ رگ وید کی مناجاتیں حضرت عیسیٰؑ سے چار ہزار سال پیشتر تصنیف ہوئی تھیں۔ لیکن اس رائے کو عام طور پر قبول نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف میکس مولر نے بدھ جی کی مشہور تاریخ کی بنیاد پر حساب لگایا ہے۔ بدھ جی کا مذہب برہمن مت کا ردعمل تھا۔

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ کا) (ہوائی بھوت پریت) اور اَپ سراؤں (آبی جانوروں جن کا جسم نصف عورت اور نصف مچھلی جیسا ہوتا ہے) کا ذکر بھی کیا ہے لیکن پیڑ پوجا اور حیوان پرستی کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

۱۔ इन्द्रं मित्रं वरुणमग्निमाहुरथो दिव्यः स सुपर्णो गरुत्मान
एकं सद्विप्रा बहुधा वदन्त्यग्निं यमं मातरिश्वानमाहुः

اس سے ثابت ہے کہ تمام ویدی ادب پہلے سے موجود تھا۔ میکس مولر نے ویدی ادب کو چار عصروں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر عصر کے ارتقا کی مدت ۲۰۰ سال قرار دی ہے۔ سُوتر (۶۰۰ ـ ۲۰۰ ق۔م۔) براہمن، آرنیک اور اُپ نشد (۸۰۰ ـ ۶۰۰ ق۔م) منتر (۱۰۰۰ ـ ۸۰۰ ق۔م۔) اور چھند (۱۲۰۰ ـ ۱۰۰۰ ق۔م۔) اور اس طرح وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ۱۲۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ ق۔م وہ عہد ہے جس میں ویدی نظموں کی تصنیف شروع ہو گئی تھی۔ میکس مولر کی اس دلیل میں خامی یہ ہے کہ انھوں نے ہر عصر کے ارتقا کے لیے ۲۰۰ سال کی مدت قرار دی ہے۔ یہ مدت من مانی ہے۔ بغاز کوئی میں جو حالیہ دریافتیں ہوئی ہیں ان سے استدلال کی ایک نئی راہ نکل آئی ہے۔ یہاں کچھ کتبے دریافت ہوئے ہیں جن میں ہٹیوں اور مِتانی کے راجاؤں کے درمیان عہد ناموں کا ذکر ہے۔ ان کتبوں سے ظاہر ہے کہ ایشیائے کوچک میں ویدی دیوتاؤں کی پرستش کم از کم ۱۴۰۰ ق۔م۔ میں جاری تھی۔[1] واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمیں ذرا مختلف نتائج برآمد کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس سے آریوں کی مشرق کی جانب نقل مکان کی نشان دہی ہوتی ہے۔ دوسرے ماہرین ویدی دیوتاؤں کی خصوصیات کے پیش نظر اس کے قائل ہیں کہ ان کتبوں سے ہندوستانی آریوں کی مغرب کی جانب ہجرت کا سُراغ ملتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، یہ بات طے ہے کہ تل الامرنا میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ بغاز کوئی کے کتبوں کے ہم عصر ہیں۔ ان کتبوں میں بھی سنسکرت کے نام جیسے اُرت تاما، تس رُتا، متانی کے راج کماروں کے لیے آئے ہیں۔ بعض کستی راجہ بھی جو بابل میں ۱۷۴۶ سے ۱۱۸۰ ق۔م تک حکمراں رہے اس قسم کے نام رکھتے تھے جیسے سُوریہ (سنسکرت سوریہ) اور مبری تاس (سنسکرت مُرتس) وغیرہ۔ ان تمام شواہد کے پیش نظر امکانی سہو کی چھوٹ دیتے ہوئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ویدی شاعری اور تہذیب کی ابتدا سولھویں صدی ق م میں ہو چکی تھی۔[2]

---

[1] اندر، وَرُن، ناشیاؤ اور منیر۔ ان دیوتاؤں سے اپنے عہد ناموں کی حفاظت کے لیے دعا کی گئی ہے۔ ان کے نام اس طرح لکھے گئے ہیں سان درا، اورونا، نا ساتی یا، ان ات را۔ [2] شری بی جی تلک کی بہر حال یہ رائے ہے کہ رگ وید کی روایات ثابت کرتی ہیں کہ یہ عہد ۴۰۰۰ ق۔م سے بعد کا نہیں ہو سکتا تھا یہ وہ عہد تھا جس میں بہار کا اعتدال شب و روز منطقۃ البروج میں تھا یا دوسرے الفاظ میں جب شمس اس نقطہ کے قریب تھا جہاں لیل و نہار شروع ہوتا ہے

رگ ویدی اور وادیٔ سندھ کی تہذیبوں کا مقابلہ

اس مقام پر رگ ویدی تہذیب اور وادیٔ سندھ کی تہذیب میں جو فرق ہے اس کی وضاحت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ہندی آریہ اب تک گاؤں میں رہتے تھے اور رہائش کے لیے بانس اور پھوس کی جھونپڑیاں بناتے تھے جن میں غسل خانے اور کنویں ہوتے تھے اور پانی کی نکاسی کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ رگ ویدی آریوں کو سونا، تانبہ، کانسہ، اور غالباً لوہا وغیرہ دھاتیں معلوم تھیں۔ اہلِ سندھ نے لوہے کے کوئی آثار نہیں چھوڑے۔ وہ سونے سے زیادہ چاندی کا استعمال کرتے تھے اور ان کے برتن پتھر کے، جو عہد حجری کی یادگار ہے، نیز تانبے اور کانسے کے بنتے تھے۔ جنگ کے ہتھیار دونوں زمانوں میں یکساں تھے، لیکن دماغ کے لئے خود اور زرہ بکتر رگ ویدی لوگ استعمال کرتے تھے، وادی سندھ کے لوگ اس سے ناآشنا تھے۔ بے شمار مہریں جو موہنجوڈارو سے دریافت ہوئی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ بیل ان کے نزدیک اہم ترین جانور تھا۔ رگ ویدی عہد میں بیل کی جگہ گائے نے لے لی۔ اہل سندھ گھوڑے سے ناواقف تھے۔ جبکہ رگ ویدی عہد میں گھوڑے کو پالتو بنا لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وادیٔ سندھ میں لنگ پرستی رائج تھی۔ رگ وید میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ وادیٔ سندھ کے لوگ لکھنے سے واقف تھے اور ان کا فن کافی ترقی یافتہ تھا۔ لیکن رگ ویدی عہد اس قسم کا کوئی واضح ثبوت بہم پہنچانے سے قاصر ہے کہ آریوں نے اس میدان میں بھی کوئی ترقی کی تھی۔ یہ ما بہ الامتیاز نکات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ان دونوں تہذیبوں میں کس قدر وسیع خلیج حائل تھی۔ یہ بات صرف وقت کا تفاوت ہی ظاہر نہیں کرتی بلکہ دونوں مفروضے۔ کہ ایک مورث تھے یا دوسرے ان کی اولاد، ہمیں مشکل میں ڈالنے والے ہیں۔ رگ ویدی اور سندھی تہذیبوں کی الگ الگ خصوصیات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے بس ایک ہی مفروضہ قرین قیاس ہے، اور وہ یہ کہ آریہ بعد میں آئے اور وہ اہل سندھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اصل جداگانہ تھی اور ان کا تہذیبی ارتقا بالکل علیحدہ اور آزادانہ طور پر ہوا۔ [1]

[1] ملاحظہ ہو سر جان مارشل، موہنجوڈارو جلد اول، باب ہشتم صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۲

چوتھا باب

ویدی عہد کا آخری دور

جغرافیائی وسعت

ویدی عہد کے آخری دور کے لیے جو اندازاً ۶۰۰ق.م. تک پھیلا ہوا ہے، ہمیں مذہبی کتب[1] یعنی مجروید، سام وید، اتھروید، برہمنوں، آرن یکوں اور اُپ نشدوں کے متن بھاؤں کا سہارا لینا ہوگا۔ اس عہد میں آریائی تہذیب رفتہ رفتہ مشرق اور جنوب کی طرف پھیل گئی۔ ہندوستان کا شمالی مغربی علاقہ، جو رِگ ویدی قبیلوں کا مسکن تھا اب غیر اہم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہاں بسنے والوں کے رسم و رواج بھی ناپسند کیے جانے لگتے ہیں۔ تہذیب کا مرکز اب کرُوک شیشتر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مدھیہ دیش یعنی گنگا اور جمنا کا علاقہ، اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔ کوشل (اودھ)، کاشی اور وِدیہا (شمالی بہار)

---

[1] براہمن ویدوں کے ساتھ منسلک ہیں وہ نثر میں دینی رسالے ہیں اور ان میں قربانیوں کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اہم براہمن یہ ہیں۔ ایتریہ، ست پتھ، پنچاونش اور گوپتھ۔ آرن یک براہمنوں کے تتمے ہیں انھیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ چونکہ ان میں تصوف کے مسائل ہیں اس لیے ان کی تعلیم بنوں کی تنہائیوں میں دی جاتی تھی اب تک باقی رہنے والے براہمن یہ ہیں۔ ایتریہ، کوشی تکی اور تیتریہ۔ یہ اسی نام کے براہمنوں کے ضمیمے ہیں۔ اُپ نشد قربانیوں کو مسترد کر دیتے ہیں۔ ان کا موضوع یہ ہے کہ گیان یا نجات کس طرح حاصل کی جائے یعنی فرد کو چاہیے کہ اپنی روح کو عالم کی روح میں ضم کر دے۔ چھاندوگیہ اور برہ دارن یک کے علاوہ دس اور مشہور اُپ نشد ہیں۔ تیتریہ، ایتریہ، کوشیتکی، کٹھ، شویتاش وتر، ایس، کین، پرشن، منڈک، مانڈوکیہ

جانب مشرق میں آریوں کے بڑے بڑے مرکزوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مگدھ (جنوبی بہار) اور آنگ (جنوبی مشرقی بہار) کا ذکر بھی ان کتابوں میں آتا ہے، باوجودیکہ ان علاقوں میں ابھی تک آریائی تہذیب کے اثرات پوری طرح مرتب نہیں ہوئے تھے اور وہاں کے باشندوں کو اب تک اجنبی سمجھا جاتا تھا۔ اب ہم اہل آندھرا اور دوسرے خانہ بدوش قبیلوں مثلاً بنگال کے پنڈراؤں، اڑیسہ اور سی۔ پی کے سبروں اور جنوبی مغربی ہندوستان کے پلنڈوں کا حال پہلی بار سنتے ہیں۔ وِدربھا یا برار کا ذکر ایتریہ اور جیمینہ براہمنوں کی آخری دو عبارتوں میں آتا ہے۔ اس طرح قریب قریب تمام شمالی ہندوستان ہمالیہ پہاڑ سے لے کر وندھیاچل، بلکہ اس سے بھی آگے تک آریوں کے زیر اثر آ گیا تھا۔ [1]

مسکونہ زندگی

یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ بڑے بڑے شہر اب وجود میں آ گئے تھے۔ اور لوگ اب ایک جگہ رہ کر اطمینان و سکون کی زندگی گذارتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم کام پیلیا اور آسندی ونت کا حال سنتے ہیں جو علی الترتیب پنچالوں اور کروؤں کی راجدھانیاں تھیں۔ کوشاہی اور کاشی کے بھی جا بجا حوالے آتے ہیں آخر الذکر آج بھی ایک بڑا شہر ہے۔

قبائلی جتھے

مندرجۂ بالا تبدیلیوں کے علاوہ ہم ایک قابل ذکر تبدیلی مختلف قبیلوں کی نسبتی اہمیت میں پاتے ہیں۔ رگ وید کے بھرتوں کی حیثیت ایک طاقتور سیاسی اکائی کی اب نہیں رہتی۔ اُن کی جگہ اب کرُو اور اُن کے ہمسایہ حلیف، پنچال لے لیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھرت اور پرُو کروؤں میں ضم ہو گئے۔ پنچال بھی ایک مخلوط قبیلہ تھا۔ جیسا کہ اس کے نام پنچ یعنی پانچ سے ظاہر ہے۔ ست پتھ براہمن کی سند سے، پنچال پہلے کری وی کہلاتے تھے جو ہو سکتا ہے ان جرگوں میں شامل ہوں جن پر پورا قبیلہ مشتمل

---

[1] ملاحظہ ہو ایس گھوش: دی آریانائزیشن آف انڈیا، (کلکتہ، ۱۹۲۵ء)؛ وی۔ رنگا چاریہ، پری مسلمان انڈیا (حصّہ اول)، جلد دوم، باب سوم، حاشیہ۔

تھا۔ ان میں شاید سب سے قدیم، انو، دُروہیو اور تُروس تھے جو اب تاریخ میں معدوم ہو گئے ہیں۔ یہ تینوں بھی اس جتھے بندی میں شامل تھے۔ کروؤں اور پنچالوں کو ان کتابوں میں شائستگی اور خوش گفتاری کے لیے مثال میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے راجہ مثالی حکمراں اور ان کے برہمن اپنے علم و فضل کے لیے ممتاز تھے۔ وہ (کُروا اور پنچال مل کر) مناسب موسم میں فوجی مہمیں سر کرتے اور اپنی قربانیاں تمام جزویات کا خیال رکھتے ہوئے بڑی احتیاط سے انجام دیتے تھے۔[۱] ان کے قریب ترین پڑوسی مدھیہ پردیش میں جمنا کے کنارے والے سَتوَ واش شی نر تھے۔ انھوں نے کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا۔ سرِنجیہ ایک اور قبیلہ کے لوگ تھے جو کروؤں میں شامل تھے کیونکہ ایک وقت میں ان دونوں کا پروہت ایک تھا۔ ان مذہبی کتابوں سے ہمیں متسیوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جو موجودہ جے پور اور الور[۲] کے آس پاس بسے ہوئے تھے۔

طاقتور ریاستوں کا عروج

قبیلوں کی آمیزش اور توسیع سلطنت کے لیے لڑائیوں کے نتیجہ میں اس زمانے میں رگ ویدی عہد کے مقابلہ میں زیادہ بڑی بڑی علاقائی اکائیوں کی تشکیل عمل میں آئی۔ "اقتدار اعلیٰ"، یا عالمگیر حکومت" کا مثالی تصور سیاسی میدان میں اُبھر کر سامنے آ گیا؛ اور حکمراں اپنے حوصلہ اور خواہش کے مطابق اپنی فتوحات کے مدارج متعین کرنے کے لیے "واج پیا" "راج سویا" اور "آشومیدھ" جیسی قربانیاں انجام دینے لگے۔ ایتریہ اور ست پتھ براہمنوں میں ایسے راجاؤں کے نام آتے ہیں جنھوں نے "آنند بوجنا بھیشک"، جیسے کوشل کے پار، ستانیک، ساتر جیت، اور پر ونکتس ایکش ورک وغیرہ کے ساتھ "آشومیدھ" یگیہ کیا۔ جیسے جیسے حکمرانوں کے حدود سلطنت میں اضافہ ہوتا گیا، اُن کے القاب بھی بدلتے رہے اس طرح معمولی حکمراں کے لیے راجہ کا لفظ

---

[۱] سورتیھ براہمن، سوم، ۲، ۳، ۱۵۔ ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۱، صفحہ ۱۱۸ تا صفحہ ۱۱۹

[۲] ملاحظہ ہو بی۔ سی۔ لا، اینشنٹ مڈ انڈین کشاتریہ ٹرائبس۔

استعمال ہوتا تھا اور ادھی راج، اج دھیراج، سمراٹ، وراٹ، ایک راٹ اور سار وبھوم وغیرہ اصطلاحیں حکمرانوں کے مختلف مدارج ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔

راجہ

جب بڑی بڑی سلطنیں وجود میں آگئیں تو شاہانہ شان وشوکت میں بھی اضافہ ہوگیا مذہبی کتابوں میں "پرتشٹھا" (نیاز نذر) کی رسم کو جو اہمیت دی گئی ہے اور اس کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں اُس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ اس رسم میں حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار خصوصیت کے ساتھ شرکت کرتے تھے، جیسے پروہت، راجن (امرا) مہیشُ (بڑی ملکہ)، سُوتّ (رتھ بان یا گویا شاعر؟)، سیناپتی سپہ سالار) گرامنی (گاؤں کا مکھیا)، بھاگ دُکھا (ٹیکس وصول کرنے والا) کشتری (حاجب) (خزانچی) اکش ورپ (جوئے کا نگراں) وغیرہ وغیرہ [1]۔

راجہ جس کا عہدہ اب موروثی [2] ہوگیا تھا اب بھی جنگ میں فوج کی سپہ سالاری کرتا تھا لیکن چھوٹی موٹی مہموں کی نگرانی سیناپتی کے سپرد کردی جاتی تھی۔ راجہ بدمعاشوں کو سزائیں دیتا اور قانون اور دھرم کا بول بالا رکھتا۔ تمام زمین اس کی ملکیت تو نہ تھی البتہ اس کے اختیار میں ضرور تھی، اور وہ اپنے اختیار سے کسی بھی شخص کو زمین سے محروم کرسکتا تھا۔ اس اختیار کے استعمال میں ذراسی بھی غلطی عام آدمی کو بڑی مصیبت میں ڈال سکتی تھی۔ عوامی مجلسیں جیسے سبھا اور سمتی [3] ابھی بالکل معدوم تو نہیں ہوئی

---

[1] قدیم کتابوں میں رتنوں کی تعداد اس سے کم ہے۔ [2] مثال کے طور پر سرنجیہ خاندان کی حکومت تین نسلوں تک باقی رہی [3] یہ بات اہم ہے کہ اتھروید (ہفتم، ۱۲) "سبھا" اور "سمتی" کو پرجاپتی کی توام بیٹوں سے منسوب کرتا ہے۔ सभाय मा सांमतिश्चावत प्रजापित र्दोहतरी सविद्धान اپنے عروج کے زمانے میں سبھائیں عوامی معاملات پر سوچ وچار ہوتا تھا اور وہ عدالت کے فرائض بھی انجام دیتی تھی اس کے علاوہ سمتی کے بھی حوالے آتے ہیں۔ کبھی یہ راجہ کو چنتی ہے، کبھی دوبارہ چنتی ہے

अवायते समिति कल्पतीमह (اتھروید، ششم، ۸۸، ۳)؛

तास्मै समिति केलमेत (ایضاً، پنجم ۱۹، ۱۵)

تھیں البتہ ان کا ذکر اس عہد میں بہت کم سننے میں آتا ہے۔ حدود سلطنت میں وسعت کے باعث ان کے جلسے کم منعقد ہوتے ہوں گے اور اس لیے راجہ کی جو روک تھام یا مزاحمت وہ کرتی تھیں ان میں رفتہ رفتہ کمی آگئی ہوگی۔ بہرحال رائے عامہ کبھی کبھی غالب رہتی تھی۔ اس طرح دُشٹارِتو، نامی راجہ کو اس کی غیر مطمئن رعایا نے برطرف کر دیا لیکن بعد میں وہ استھاپتی چکر کے ذریعہ اپنی گدی پر بحال ہوگیا۔

سیاسی تقسیم اور واقعات

بدقسمتی سے براہمنوں کے دور میں آریوں کی سیاسی تقسیم اور حالات کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے۔ پروہتی ادب میں جو اتفاقیہ طور پر لطیفے آگئے ہیں اور رزمیہ نظموں اور پرانوں میں جو مبہم سے اشارے اِدھر اُدھر مل گئے ہیں اُن سے ہم کچھ تاریخی معلومات اخذ کر سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ کرُو اب سب سے اہم قبیلہ تھا اور پنچال اُن سے بہت قریبی وابستگی رکھتے تھے۔ کروؤں کا پہلا راجہ جس کا ذکر اتھروید میں کیا گیا ہے پریکشت نامی تھا اس کے عہد حکومت میں رعایا سُکھ چین کی زندگی گذارتی تھی اور اس کی ریاست میں "دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں"۔ اندازاً یہ ریاست جدید تھانیسرو اور شمالی دوآبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی راجدھانی آسندی وست تھی جو بعد میں ہستنا پور کہلائی۔ دوسرا مشہور راجہ جنَ مے جے تھا جو براہمنوں کی سند سے ایک بڑا فاتح تھا اور اس کی ریاست شمال میں ٹیکسلا تک پھیل گئی تھی۔ مہابھارت شہادت دیتی ہے کہ وہ کبھی کبھی وہیں دربار کیا کرتا تھا اور دیشمپاین سے کرُو اور پانڈو کی باہمی رقابت کا حال سنا کرتا تھا۔ اس نے ایک سَرپ ستر (سانپ کی قربانی) اور دو گھوڑے کی قربانیاں (آشو میدھ یگیہ) انجام دیں۔ آگے چل کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنَ مے جے کا برہمنوں سے کچھ منافشہ ہوگیا اور اس کے تینوں بھائیوں بھیم سین اگر سین اور سرت سین کو برہمنوں کو مار ڈالنے کے کفارہ کے طور پر آشو میدھ یگیہ کرنا پڑا۔ جن مے جے کے جانشینوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ بس اتنا معلوم ہے کہ حکومت کو بعض آفات ارضی و سماوی کا مقابلہ کرنا پڑا جیسے ژالہ باری، ٹڈیوں کا حملہ وغیرہ اور آخر کار بنچکَ شوُ نے گنگا میں سیلاب آنے کی وجہ سے ہستنا پور کو

چھوڑ کر کوشامبی کو راجدھانی بنالیا۔

پنچال کے بارے میں ہماری معلومات اس سے بھی کم ہے۔ اس کے بعض راجاؤں نے ضرور اہم فتوحات حاصل کیں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آشومیدھ یگیہ کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی سیاسی طاقت بڑھ گئی تھی۔ اُپ نشدوں میں پرواہن جے ومی کا ذکر آتا ہے جو عوام کا سرپرست تھا اور اپنے دربار میں علمی اور عقلی مقابلے کرانے کا شوقین تھا ان علمی مجلسوں (پری شدوں) میں مباحثہ اور مذاکرہ کے اصول پر عمل ہوتا تھا اور معاملہ کے ہر پہلو پر غور و فکر کے بعد حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس قسم کے اجتماع لوگوں کو غور و فکر پر مجبور کرتے تھے اور علم و دانش کی توسیع و ترقی میں مدد دیتے تھے۔ پنچال کی راجدھانی کام پلمیہ تھی اور ان کی ریاست اندازاً موجودہ ضلع فرخ آباد اور روہیلکھنڈ کے بعض حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

کروؤں کے زوال کے بعد ودیہہ کی اہمیت بڑھ گئی۔ ودیہہ موجودہ ترہت سے مطابقت رکھتی تھی۔ اس کی راجدھانی متھیلا کا کوئی ذکر ویدی ادب میں تو بالکل نہیں ہے، البتہ بعد کے ادب میں وہ ایک مشہور و معروف شہر نظر آتا ہے اس علاقہ نے ویدی تہذیب کی روشنی کوشل کے بعد حاصل کی جیسا کہ ست پتھ براہمن میں ودیگھ ماتھو کے قصہ سے ظاہر ہے۔ ودیہہ کا مشہور راجہ جنک[2] تھا جسے اُپ نشدوں میں عالم و فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس نے کروؤں کی راجدھانی کی تباہی کے تھوڑے عرصے بعد عروج حاصل کیا۔ اکبر کی طرح وہ فلسفیانہ مباحثوں کی ہمت افزائی کرتا تھا اور یاگیہ ولکیہ[3] جیسے نامور عالم و دانشور اس کے دربار کی زینت بنے

---

[1] کہتے ہیں کہ ودیگھ ماتھو اپنے پروہت گوتم راگھوگن کے ساتھ سرسوتی کے علاقہ سے سدانیرا (گنڈک) کو پار کرنے کے بعد جو کوشل کی مشرقی سرحد تھی، ودیہہ چلا گیا۔ دریا کے اس پار اگنی وش وانر نے علاقہ کو جلایا نہیں، مطلب یہ کہ علاقہ اس وقت آریائی تہذیب کے زیر اثر نہیں آیا۔ [2] موجودہ شہر جنک پور اسی راجہ کی یادگار کے طور پر آج تک موجود ہے۔ [3] اس دور کے دوسرے عالموں میں اُدالک آرونی، شویت کیتو، ارونیہ، ستیہ کام جبالی وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

ہوتے تھے۔ جنک کو سمراٹ کہا جاتا تھا اور اس کی طاقت اور شہرت کاشی کے اجاٹ شترو کے لیے باعث حسد بن گئی تھی۔

آخر الذکر راجہ برہم دت سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ برہم خاندان سے پہلے کاشی پر دہ خاندان حکومت کرتا تھا جس کا نسبی تعلق پرُورَو سے تھا جو بھرتوں کا مورث تھا۔

دوسری مشرقی ریاست کوشل لہ تھی جو غالباً موجودہ اودھ سے مطابقت رکھتی تھی اور آئیس واکر خاندان کے زیر نگیں تھی۔ ایک طویل عرصے تک آریائی تہذیب کی مشرقی سرحدی ریاست رہی، سدا نیرا (گنڈک) کو اس کے بعد یار کیا گیا۔ اس کی قدیم راجدھانی اجودھیا تھا جو رزمیہ نظم کے ہیرو رآم کا بھی صدر مقام تھا۔

دوسری ہم عصر طاقتیں جن کا ذکر براہمنوں اور اُپ نشدوں میں آتا ہے۔ حسب ذیل تھیں: گندھارا، جو دریائے سندھ کے دونوں جانب پھیلی ہوئی تھی اس کے خاص خاص شہر ٹکسیلا (ضلع راولپنڈی) اور پُشکراونی (موجودہ چارسدہ، پشاور) تھے۔ کیکیا، یعنی گندھارا اور دریائے بیاس کا درمیانی علاقہ، مدرا خاندان، جن کا علاقہ وسط پنجاب میں موجودہ سیالکوٹ اور اس سے متصل علاقہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ متسیہ، جو الور کے کچھ قصبے اور جے پور اور بھرت پور پر مشتمل تھا اُسی نُرُوں کا علاقہ جو مدھیہ دیس میں واقع تھا۔ ان ریاستوں میں انتظام حکومت اچھا تھا۔ رعایا خوشحال تھی، اور آزادی کے ساتھ امن کے زمانے کے کاروبار اور فنون میں مصروف تھی اسی کے ساتھ، اس قسم کے لغو مبالغوں کو بھی اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ رشوپتی نے دعویٰ کیا جیسا کہ چھاندیوگ اُپ نشد میں درج ہے کہ اس نے تمام چوروں، شرابیوں، بدمعاشوں اور اَن پڑھوں کو اپنی ریاست سے نکال باہر کر دیا تھا۔ مگدھ اور انگ پر اب تک حقارت کی نظر پڑتی تھی۔ اتھر وید کی ایک

لہ جل جانو، کرنیا کو آخری دور کی ایک عبارت میں ددیہہ۔ کاشی اور کوشل خاندانوں کے پروہت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بادشاہتیں کبھی ایک دوسرے سے متحد تھیں؟

ٹہ न मे स्तेनो जनपदे न कदर्यो न मद्यपः : नानाहिताग्निर्नाविद्वान् न स्वैरी स्वैरिणी कुतः ॥

عبارت میں اس علاقہ کے لوگوں کو بخار کی بددعا دی گئی ہے۔ اہل مگدھ کو نفرت کے ساتھ وراتیہ کہا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو برہمنوں کے قدیم عقیدہ کے دائرہ سے باہر تھے اور عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی زبان بولتے تھے۔

معاشرتی تبدیلیاں

سماج اس عہد میں ہونے والی تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس میں شک نہیں کہ چار طبقوں میں تقسیم کا ذکر رگ وید کے آخری دور کی ایک نظم میں کیا گیا ہے لہ لیکن یہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے کہ یہ اشارہ آریہ اور داسیو کے واضح فرق کے علاوہ ذات پات کی باقاعدہ گروہ بندی سے کوئی مماثلت رکھتا ہے یا نہیں۔ اب یہ گروہ بندی زیادہ واضح ہو گئی اور ذات پات کی تقسیم کا باقاعدہ تصور نکھر کر سامنے آنے لگا۔ بدقسمتی سے اس تبدیلی کے اسباب تاریکی میں ہیں۔ ان امتیازات کی ابتدا دراصل گورے آریوں اور کالے داسیوں کے "رنگ کے فرق" سے ہوئی۔ لیکن آریوں کی مسلسل لڑائیوں، سیاسی ماحول اور زندگی کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں اور مختلف پیشوں میں مخصوص مہارت حاصل کرنے کے رجحان کے نتیجہ میں پیشہ ور گروہ رفتہ رفتہ موروثی ہوتے چلے گئے۔ اس طرح وہ لوگ مقدس کتابوں کا علم رکھتے، قربانیوں (یگیوں) میں پروہت کے فرائض انجام دیتے تھے اور تحفے تحائف قبول کرتے تھے، برہمن کہلانے لگے۔ جو لوگ جنگ کرتے، زمینوں پر قبضہ رکھتے اور سیاسی طاقت کا استعمال کرتے، انھیں چھتری (کشاتریہ) کہا گیا۔ عوام۔ تجارت پیشہ لوگ، زراعت کرنے والوں اور کاریگروں کو ویش کا نام دیا گیا۔ شودروں سے نیچ کام متعلق کر دیے گئے تھے مفتوح و محکوم داسیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس

لہ پرش سوکت (دہم، ۹۰، ۱۲) جس میں آیا ہے کہ برہمن، کشاتریہ، ویشیہ اور شودر علی الترتیب خالق کے منہ بانہوں، ٹانگوں اور پیروں سے پیدا ہوئے:

ब्राह्मणोऽस्य मुखमासीद् बाहू राजन्यः
कृतः । उरू तदस्य यद्वैश्यः — (رگ وید، دہم، ۹۰، ۱۲
पद्भ्यां शूद्रो अजायत ॥ — یجروید، ۳۱، ۱۰ وغیرہ)

عہد میں ذاتوں میں غیر فطری قسم کا کٹرپن نہیں پیدا ہوا تھا جو بعد میں آنے والے دور میں پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چیاوَن ایک برہمن رشی نے ایک چھتری ہیرپات کی لڑکی شکنیا سے شادی کی۔ چھتری حکمرانوں مثلاً ودیتہ کے جنک، کاشی کے اجات شترو اور پنچال کے پرواہین جیئولی نے برہمنوں کے علم میں امتیاز حاصل کیا، اور راجکمار دیوآپی نے اپنے بھائی سانَ تنو کے لیے یگیہ کی رسم ادا کی [1] جیسے جیسے برہمنوں کی مقامی تفریق پسندی اور اثرات بڑھتے گئے ذات پات میں جو لچک پائی جاتی تھی اس میں کمی آنے لگی اور پیشہ میں تبدیلی یا پیشہ کے معاملے میں تلون مزاجی کو ناپسند کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ مختلف ذاتوں میں ہونے والی شادیوں کی اولاد نے جسے ذلیل سمجھا جاتا تھا، علیحدہ گروہوں کی شکل اختیار کر لی [2] یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح کہ جو لوگ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر کوئی نیا ذریعہ معاش یا پیشہ اختیار کر لیتے وہ بھی ایک علیحدہ گروہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سماج الگ تھلگ ذاتوں کا ایک ایسا عجیب و غریب مجموعہ بن گیا جو از روئے قانون نہ آپس میں شادیاں کر سکتی تھیں نہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھا پی سکتی تھیں۔

شودروں اور عورتوں کا درجہ

شودروں کی حیثیت آخری دَور کے ویدی ادب میں بہت واضح دکھائی دیتی ہے لیکن اُنھیں ناپاک سمجھا جاتا تھا اور قربانیوں میں ان کی شرکت یا مقدس کتابوں کی تلاوت ان کے لیے قطعاً ممنوع تھی۔ آریہ شودروں سے شادی یا ناجائز تعلقات کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شودر اپنے نام سے کسی جائداد کے

---

[1] برہمنوں اور چھتریوں کی ان مثالوں سے قطع نظر یہ بات قابل غور ہے کہ ویدی ادب میں کہیں ایسی مثال نہیں کہ کوئی ویش کسی اونچے سماجی درجہ پہ پہنچ گیا ہو۔

[2] منو نے ایک ذات چھوڑ کر دوسری ذات میں شادی کرنے والوں کے لیے انوموما اور پرتی لوما کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔

مالک نہیں ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ کہ ایتریہ براہمن میں ایک مقام پر شودروں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے وہ کسی کا ملازم ہے جسے جب جی چاہے نکال دو اور جب جی چاہے مار ڈالو۔"

عورتوں کا درجہ بھی سماج میں ہر حیثیت سے اونچا نہیں تھا۔ گارگی واچک نوی اور میتری کی مثالیں بے شک ثابت کرتی ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور اُن میں سے بعض علم و دانش کی بلند ترین منزلوں تک پہنچ گئی تھیں، لیکن عورت نہ باپ کی جائداد کی وارث ہو سکتی تھی، نہ اپنی کسی ذاتی جائداد کی مالک بن سکتی تھی۔ اگر وہ تھوڑا بہت کچھ کماتی تو وہ باپ یا شوہر کے حق میں واگذاشت ہو جاتا تھا۔ لڑکی کی "ولادت بدنصیبی کی علامت" سمجھی جاتی تھی۔ راجہ اور امرا کئی کئی شادیاں کرتے تھے جو یقیناً کنبے کے لیے کافی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہوں گی۔

پیشے

اس عہد میں زراعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ ہل (سیرا) کی شکل وصورت اور جسامت میں اصلاح کی گئی[1] اور پیداوار بڑھانے کے لیے کھاد کی اہمیت کو لوگ اچھی طرح سمجھنے لگے۔ جَو (یو) کے علاوہ کئی قسم کے اور اناج مثلاً چاول (وِری ہی) گیہوں (گودھوم) سیم، باجرا، لوبیہ اور تِل (تِلا) وغیرہ کی کاشت مقررہ موسموں میں ہونے لگی۔ شمالی ہند کے زرخیز میدانوں نے آریوں کی مادی خوشحالی میں اضافہ کر دیا۔ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی بھی بڑھ گئیں جنھیں پورا کرنے کے لیے نئے نئے پیشے وجود میں آ گئے۔ مثلاً رتھ بان، شکاری، گڈریئے، مچھیرے، آتشباز، مالی، رتھ ساز، رنگریز، جولاہے، قصاب، باورچی، کمہار، سُنار، لوہار، نٹ گویّے، فیل بان وغیرہ وغیرہ۔

جوتشیوں اور حجّاموں کے پیشوں نے اہمیت حاصل کر لی۔ طبیب مریضوں کا علاج کرتے تھے لیکن اس پیشہ کو نہ جانے کیوں گھٹیا سمجھا جاتا تھا۔ عورتیں رنگائی، زردوزی اور ٹوکریاں وغیرہ بنانے کے کام میں مصروف رہتی تھیں۔

---

[1] بعض ہل اتنے بھاری بھرکم ہوتے تھے کہ انھیں ۲۴ بیل مل کر کھینچ سکتے تھے۔

دیگر خصوصیات

تہذیب کی مزید ترقی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کئی اور دھاتیں دریافت کر لی گئیں۔ رگ وید میں سونے اور ایس (تانبا) کی اہمیت کچھ زیادہ واضح طور پر نہیں بیان کی گئی۔ لیکن اس عہد میں لوگ سیسہ (سیسا) ٹین (ترپو) چاندی (رجت) سونا (ہرنیہ) سرخ (لوہت) ایس (تانبا) اور کالا (سیام) ایس (لوہا) وغیرہ دھاتوں سے واقف دکھائی دیتے ہیں۔ زیورات پیالے اور ظروف زیادہ تر سونے اور چاندی کے بنتے تھے۔ سونا دریاؤں کی تہ سے یا زمین کے اندر سے یا کچی دھات کو پگھلا کر برآمد کیا جاتا تھا۔

باقاعدہ سکہ کا استعمال ابھی شروع نہیں ہوا تھا، حالانکہ شمان سے جو کرشنلا یا گنجہ (گوندنی) کی برابر تھا سکہ کی ابتدا ہو چکی تھی وہ اب گائے کی جگہ لیتا جا رہا تھا جسے قیمت کی اکائی کے طور پر اب تک استعمال کیا جا رہا تھا۔

لباس، تفریحات اور غذا قریب قریب وہی رہیں جو رگ وید کے زمانے میں تھیں۔ اتھروید کی ایک مناجات میں گوشت کھانے اور سورا پینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے اہنسا کے اصول کی وجہ سے ہو جس نے اب جنم لینا شروع کر دیا تھا۔

ویدی دور کا آخری زمانہ فنِ تحریر سے واقفیت کے لیے بھی اہم ہے۔ بیوہلر اور دوسرے عالموں کی رائے ہے کہ ہندوستان میں لکھنے کی ابتدا سامی ملکوں کے تاجروں نے نویں صدی ق.م میں کی۔ اس کے برخلاف بعض عالم[1] سختی سے اس کے قائل ہیں کہ لکھنے کی ابتدا یہیں ہندوستان میں ہوئی جس کے لیے وہ اس سے پہلے کی تاریخ متعین کرتے ہیں۔ عالموں کے درمیان اس مسئلہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کا مناسب حل ان کی ذہانت کو اس وقت تک دعوت فکر دیتا رہے گا، جب تک کہ ہم کوئی نئی دریافت نہ کریں یا موہن جوڈارو

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو (قلمی)، جی۔ ایچ۔ اوجھا۔ پراچین لپی، تمہید،

کی مہروں کا مطلب سمجھنے کے بعد اُن سے کوئی غیر متوقع روشنی نہ حاصل کریں۔

مذہب اور فلسفہ

ویدی ادب کے آخری دَور کی دینیات قدیم مناجاتوں کی دینیات سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے۔ رگ وید کے دیوتا از سرِ نو اُبھر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت بدل جاتی ہے۔ پرجاپتی "مخلوق کا مالک" جو برہمنوں کے غور و فکر کا خاص موضوع ہے، بہر حال، مقبول عام دیوتا کی حیثیت اختیار نہ کرسکا۔ دو دیوتا جن کی تعظیم و تکریم عام ہو گئی وہ رُودَر اور وشنو تھے جو ہندو دھرم پر آج بھی چھائے ہوئے ہیں۔ رگ وید نے وشنو کو سورج دیوتا ہی کے ایک روپ میں پیش کیا ہے۔ وشنو کی پرستش کو اس دور میں بھی کوئی ترجیح نہیں دی گئی۔ یہی کیفیت رُودر کی رہی۔ رودر نے ویدی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ مقام حاصل کرلیا۔ رودر کو شیو کے لقب سے تو پہلے ہی یاد کیا جاتا تھا اور آج تک "بخت آور" سمجھا جاتا ہے۔ اس عہد میں رُودر "عظیم دیوتا" مانے جانے لگے۔ اس فضیلت کا سبب کیا تھا؟ کیا تہذیبوں کی آمیزش اس کی ذمہ دار تھی؟ بہرنجہ، موہنجوڈارو سے ایک مُہر دریافت ہوئی ہے جس پر ایک دیوتا کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ سرجان مارشل کی رائے ہے کہ یہ "روایتی شیو کا ابتدائی نمونہ" ہے۔ یہ مُہر اس نظریے کے بارے میں ہمارے مفروضہ کو قوی کر دیتی ہے۔

حالانکہ مذہب میں کثرتِ اصنام کا عقیدہ رائج رہا، پھر بھی مذہبی مزاج میں نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی۔ قدیم مناجاتوں کو لوگ بھول گئے۔ اب ان کا سمجھنے والا کوئی نہ رہا۔ مظاہر قدرت کا احساس بچاری شاعروں میں روحانی تاثیر پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہو گیا اس طرح مذہب ایک رسم اور ایک ضابطۂ محض بن کر رہ گیا اور برہمنوں نے ایسی بالادستی اختیار کر لی کہ انھیں "زمین پر دیوتا" سمجھا جانے لگا۔ انھوں نے سختی کے ساتھ رسموں کی پابندی پر زور دیا اور رسمیں ادا کرنے کا ایک بہت ہی پیچیدہ طریقہ کار وضع کیا۔[1] قربانیوں کو باطنی اہمیت دی جانے لگی۔ قربانی

[1] اب ستر قربانیاں وجود میں آگئیں جن کا سلسلہ کئی کئی دن سے لے کر پورے سال یا کئی سال تک جاری رہتا تھا۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے۔)

سے متعلق ہر شے گویا ساحرانہ قوتوں کی حامل ہوتی تھی۔ واقعاً یہ خیال کیا جاتا تھا کہ قربانی کرنے والے کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اُسے بہت احتیاط سے انجام دے۔ اگر قربانی کے پیچیدہ جزویات سے کوئی معمولی سا انحراف بھی کرتا تو اس کے نتائج اس کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔ المختصر، براہمنوں میں قربانی نے اس قدر اہمیت حاصل کر لی کہ وہ مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں رہی۔ بلکہ بجائے خود مقصد بن گئی۔

بہرحال، یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ یہ ایک ذہنی ہیجان کا دور تھا، ایک طرف پجاری اپنی قربانی کی رسموں کے ذریعہ اپنی طاقت بڑھا رہے تھے، تو دوسری طرف برہمن اور چھتری دونوں ذاتوں کے بہترین دماغ ان سے منحرف ہوتے جا رہے تھے[1] اور حقیقی علم (گیان) کے ذریعہ سکون اور نجات کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ اُن کے بے باک فلسفیانہ نظریات اُپ نشدوں میں محفوظ ہیں، جیسے چھاندوگیہ اور برہ دارن یک، جنھوں نے آگے چل کر ہندو فلسفہ کے خاص خاص مدرسوں (درشنوں) کو جنم دیا، یعنی سانکھیہ یوگہ، نیائی، وشیشکا پورمی مانسہ اور اُتری مانسہ کائنات کا معمہ حل کرنے اور "ذات" (خودی) کی ماہیئت سمجھنے کی جی توڑ کوشش میں آریائی دماغ نے ایک عظیم عقیدہ پیش کیا۔ وہ یہ کہ حقیقت اولیٰ ایک ہے یعنی برہمن (برہما) ذات کی آتمن (آتما روح) کو عالم کی آتمن میں ضم کرنے سے حقیقی آگہی نصیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان لامتناہی روحانی مسرت حاصل کر سکتا ہے[2] اس عقیدہ کا بدیہی نتیجہ تناسخ کا نظریہ تھا۔ اسی کے

(بقیہ حاشیہ) رسموں میں اضافہ کے ساتھ پروہتوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ہوتری، ادگاتری، آدھ وریو، اور برہمن ان میں ہر ایک اپنے کئی کئی نائب رکھتا تھا۔

[1] مثال کے طور پر منڈک اُپ نشد ان لوگوں کو جو محض رسمیں ادا کرتے تھے طنز سے بیوقوف کا لقب دیتا ہے۔ اسی طرح برہ دارنیک دیوتاؤں کے حضور قربانی دینے والے کا مقابلہ اس جانور سے کرتا ہے۔ جو اپنے مالک کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے اور اسے ہر قسم کا آرام و آسائش بہم پہنچاتا ہے۔

[2] تت توم اسی "تو ہی تو ہے" کے پُر معنی الفاظ بڑی خوبصورتی سے ویدانت فلسفہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ذاتی روح اور عالم کی روح یکساں ہے

ساتھ یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جب تک گیان کے ذریعہ نجات حاصل نہ کر لی جائے اس وقت تک روح بار بار پیدا ہونے اور مرنے کے جنجال میں پھنسی رہتی ہے۔ اس کا دارومدار انسان کے اپنے عمل پر ہے اور اُسی سے کرم کے نظریے کی ابتدا ہوئی ہے یعنی یہ کہ انسان کا کوئی عمل، نیک یا بد، کبھی رائگاں نہیں جاتا اور اس کی مناسب جزا یا سزا عالمِ وجود ہی میں مل جاتی ہے۔

علم کی ترقی

اس ذہنی جوش و خروش نے دوسرے میدانوں میں علم کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔ ویدوں کے باقاعدہ اور گہرے مطالعے اور مذہب کی عملی ضروریات نے نئے نئے علوم کو جنم دیا جیسے ویاکرن (نحو)، شکشا (صوتیات)، کلپ (مذہبی رسوم)، نرکت (صرف) چھند (عروض) جیوتش (نجوم) ان ویدانگوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کی مدد سے لوگ مقدس کتابوں کا مطلب سمجھ لیں انھیں محفوظ کر لیں اور ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کریں۔[1] ان کتابوں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ہیں جو قربانیوں، صوتیات اشتقاق، اور صرف و نحو سے بحث کرتی ہیں اس مقام پر یاسک کی نرکت کا ذکر مناسب ہے جس کی اہمیت تفسیر اور صرف و نحو کے لحاظ سے تو ہے ہی لیکن اس جہت سے وہ اور بھی زیادہ اہم ہے کہ یہ کلاسکی انداز کی سنسکرت نثر کا قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ پنجاب کی قدیم ویدی زبان سے جو بولیاں پیدا ہوئیں ان میں جو مدھیہ دیش میں رائج تھی اس نے امتیاز حاصل کر لیا اور اظہارِ خیال کا معیاری ذریعہ بن گئی۔ مقامی بولیوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے جنھیں پراکرت کہا جاتا تھا اسے سنسکرت کا نام دیا گیا، "یعنی صیقل کی ہوئی" اس کی ظاہری صورت ماہرینِ قواعد، خاص کر پانینی[2] کی کوششوں سے

---

[1] میکڈانل، انڈیاز پاسٹ، ص۵۹

[2] پانینی کی تاریخ پر اکثر بحث ہوتی رہی ہے۔ کیتھ نے کہا ہے کہ پانینی ۳۰۰ ق م سے بعد کی شخصیت نہیں ہے۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، ص۱۱۳۔ اتریہ آرنٹریک ص۲۱ـ۵ ۲ میکڈانل کا خیال ہے کہ پانینی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

مرتب ہوئی، لیکن رفتہ رفتہ سنسکرت طبقۂ علما میں محدود ہو گئی۔ اس کے بعد دیوتاؤں کنبے، سماج اور ریاست کے ساتھ فرد کے برتاؤ کے اصول مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اسی سے قانونِ دیوانی کی ابتدا ہوئی۔ نئے صحیفوں میں کوئی ادبی خوبی نہیں تھی انھیں نہایت عجیب انداز سے مختصر کرکے بڑے بھونڈے پن کے ساتھ اس مقصد سے تصنیف کیا گیا تھا کہ لوگوں کو انھیں حفظ کرنے میں آسانی ہو حقیقتاً سُوتروں میں اختصار پر اس قدر زور دیا گیا کہ ایک ایک رکنِ تہجی کی بچت اتنی ہی اہم سمجھی گئی جتنی فرزند کی ولادت۔

(بقیہ حاشیہ) ..ہ ق.م سے فوراً بعد کی شخصیت ہے (انڈیا از پاسٹ ص۱۲۶) دوسری طرف سر راما کرشنا بھنڈارکر نے استدلال کیا ہے کہ پانینی ساتویں صدی ق.م کے اوائل میں پورے عروج پر تھا۔

پانچواں باب

سُوتروں، رزمیہ نظموں اور دھرم شاستروں سے استنباط

فصل (۱)

سُوتر

سُوتروں کی ترتیب

سوتروں کی تصنیف وقت کی اہم ضرورت پورا کرنے کے لیے عمل میں آئی تھی۔ چونکہ مقدس ادب مواد اور ضخامت دونوں میں بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا اس لیے اب اس سب کو حفظ یاد کرنا نہایت درجہ دشوار ہو گیا تھا، پھر سینہ بہ سینہ ایک سے دوسرے تک زبانی منتقل کرنے میں اصل عبارتوں میں تبدیلیاں ہو جانے کا امکان تھا۔ اس تبدیلی سے بھی اسے محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے نثر میں ایک نیا اسلوبِ نگارش وضع کیا گیا جو خشک تو ضرور تھا البتہ حفظ یاد کرنے کے نقطۂ نظر سے بہت کارآمد تھا۔ اس لیے کچھ رسالے ایسے تصنیف کیے گئے جن میں تمام قاعدے ایک لڑی میں پرو دیے گئے تھے۔ (سُوتر بمعنی دھاگا)۔ ان میں خوبی یہ تھی کہ الفاظ کم سے کم استعمال کیے گئے تھے۔

عہد

"خیال کیا جاتا ہے کہ سوتروں کا عہد چھٹی یا ساتویں صدی ق.م سے لے کر

دوسری صدی ق.م تک پھیلا ہوا ہے[1] آخرالذکر کے متعلق کوئی کچھ بھی کہے، قدیم ترین سُوتر، بہرحال اس وقت کی تصنیف ہیں جب بدھ مت جود میں آچکا تھا[2]

پانینی اور اس کی عظیم قواعد

ہم گذشتہ صفحات میں ایک حاشیہ میں پانینی کے عہد کے بارے میں اختلافِ رائے کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یاسک اس سے پہلے کی شخصیت ہے۔ پانینی شمال و مغرب میں سَلاتُر نامی مقام کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنی قواعد اشٹ آدھیائی کے لیے مشہور ہے جو ایک یادگار تصنیف ہے۔ یہ ہر جہت سے مکمل ہے اور اس میں الجبرا جیسا اختصار پایا جاتا ہے۔ بہرحال بالکل اتفاقیہ طور پر پانینی ہمیں معلومات کے ایسے گوشے دے دیتا ہے جو تاریخی نقطۂ نظر سے بہت کارآمد ہیں[3] اس عہد میں غالباً آریہ دکھن سے ناآشنا تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پانینی کے یہاں مغرب میں کچّاد (کچھ) کا، مشرق میں کلِنگ کا اور جنوب میں اوَن تی کا ذکر تو آتا ہے، لیکن اس کی قواعد میں وِندھیاچل سے آگے کے کسی مقام کا نام کہیں نہیں آتا۔ جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں (جَن پد) اس وقت پائی جاتی تھیں پانینی نے ان میں سے بائیس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا نام ان میں بسنے والوں کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جیسے گندھاری، مدارا، بودھیا، کوشل، ورجی وغیرہ۔ اس نے کہیں کہیں علاقائی اکائیوں کے ناموں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ مثلاً وِشیہ (صوبہ یا علاقہ) نگر (شہر) گرام (گاؤں) ہر ریاست میں شخصی حکومت پائی جاتی تھی۔ لیکن کہیں کہیں گنوں اور سنگھوں کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔ راجہ تمام معاملات میں بااختیار ہوتا تھا اور جیسا کہ ڈاکٹر آر۔ کے مکرجی[4] نے لکھا ہے، پاری شدیہ، یعنی پرِیشت (کونسل) کے اراکین، اَدھیکش (افسر محکمہ)، وَیاؤ دھیارک (افسر قانون) او پائیک (لغوی اعتبار سے وہ

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۲۲۷ [2] انڈیاز پاسٹ، ص۵۷ [3] ڈاکٹر آر۔ کے مکرجی، ہندو سویلائزیشن باب ششم، ص۱۲۰، حاشیہ اس کتاب سے بڑی کارآمد معلومات بہم پہنچی ہے [4] ایضاً، ص۱۲۱ تا ص۱۲۷

شخص جو طریقے اور ذرائع سوچتا ہے کیا وہ مالیات بھی نگراں تھا؟) ٹیکت (عام افسر) اور حکومت کے دوسرے عہدہ دار، یہ سب راجہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی اقتصادی زندگی کے بارے میں بھی ہمیں کچھ تفصیلات بہم پہنچتی ہیں۔ پانینی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا ذریعۂ معاش خاص کر زراعت، نوکری (جان پدی ورتی) اور دیگر فوجی اور مزدوری کے پیشے تھے۔ تجارت اور کاروبار (کریا وِکریا) پورے عروج پر تھا اور سود پر قرضے دیے جاتے تھے۔ دست کاریوں میں پانینی نے کپڑا بننے، رنگنے، چمڑے کے کام، شکار، بڑھئی کے کام اور برتن بنانے کے کام کا ذکر کیا ہے۔ اس نے مختلف دستکاروں کی جماعتوں یا ہم پیشہ لوگوں کی برادریوں یا انجمنوں (سنگھوں) کے وجود کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کی تنظیموں نے پیشوں میں خاص مہارت حاصل کرنے، اور نظم وضبط کا شعور اور قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کرنے میں ضرور مدد دی ہوگی۔

اصلی سُوتر: سَرُوتا سُوتر

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، چھ ویدانگوں میں سے ایک کُلپ ہے جو مذہب سے تعلق رکھنے والے تمام سوتروں کا مجموعہ ہے۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سَرُوتا سُوتر کوئی اہم تاریخی معلومات بہم نہیں پہنچاتے۔ اصلاً یہ ویدی قربانیوں ہوی (نیاز نذر) اور سوم اور دوسرے مذہبی مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ براہمنوں میں مذہبی رسموں کا جو حصہ ہے یہ دراصل اس کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ لیکن انھیں کسی نے الہامی یا مقدس نہیں مانا۔

گرہیہ سوتر

سَرُوتا سوتروں سے غالباً بعد کے گرہیہ سُوتر ہیں جن میں گھر کے اندر ادا کی جانے والی مذہبی رسموں کا بیان ہے۔ مختلف رسمیں انجام دینے کے تمام معمولی اور جزوی قاعدے بھی ان میں شامل ہیں۔ انسان کی زندگی میں عہد سے لے کر لحد تک جو اہم واقعات گذرتے ہیں انھیں بھی نظر میں رکھا گیا ہے۔ باطنی تعلیمات (سنسکار) کے سب سے دلچسپ پہلو یہ تھے پُنسُ وَن (استقرار حمل سے متعلق رسم)، جاتْ کرم (رسم ولادت)، نام کرترن (نام رکھنے کی رسم)، چُوڑکرم (مونڈن کی رسم)، اُپ نین (برہمچاری کی حیثیت سے تعلیم کے آغاز کی رسم)، سَماوَرتن (گھر واپسی کی رسم)؛ وِواہ (شادی کی

رسم): جس کی کم سے کم آٹھ قسمیں اُس وقت رائج تھیں لہ ہر گھروالا روزانہ بلا ناغہ قربانی کی پانچ بڑی رسمیں (پنچ مہا یگیہ) ادا کرتا تھا اس کے علاوہ چاند رات اور پورن ماشی کے موقعوں پر دوسری نذریں پیش کی جاتی تھیں اور آخر میں انیتشٹھی (تجہیز و تکفین) کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک رسالہ یعنی کوشک سُوتر میں بیماری اور بلائیں رد کرنے کے لیے دواؤں کے نسخے اور اور جادو اُتارنے کے منتر درج ہیں۔ اس طرح گریہہ سُوتر ہمیں قدیم ہندوستان کی گھریلو زندگی سے وابستہ تمام رسوم اور توہم پرستی کے بارے میں بہترین معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

دھرم شاستر

سُوتروں کی دوسری قسم دھرم سُوتر ہیں۔ جو گھریلو زندگی سے کم اور سماج سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ روزمرہ زندگی کے سماجی دستور اور رسم و رواج سے بحث کرتے ہیں۔ ان میں قانونِ فوجداری ابتدائی منزل میں دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قانون کا مذہبی رُخ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش کرتے اور دنیوی پہلو پر محض سرسری انداز سے روشنی ڈالتے ہیں۔ دھرم سوتر لکھنے والے مصنفین میں سرفہرست گوتم ہے جو کسی طرح ۵۰۰ ق.م سے بعد کی شخصیت نہیں ہے"[2] اس کے بعد بودھاین ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ جنوبی ہندستان سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر آتا ہے آپستمب جس کے عہد کی تاریخ بیوہلر نے ۴۰۰ ق.م متعین کی ہے اور وشِشٹھ جس کے عروج کا زمانہ یقیناً گوتم کے بعد کا عہد ہے آپستمب جنوب، غالباً آندھرا دیس سے تعلق رکھتا تھا لیکن وشِشٹھ بلاشبہ شمالی ہند کی شخصیت تھا۔ آخر میں ہم مانو دھرم سوتر کا ذکر

لہ وہ یہ تھیں۔ براہما، دیوا، آرش، پراجاپتیہ، آشور، گاندھرو، راکشش، پیشاچ : ब्रह्मो दैवस्तथैवार्षः प्राजापत्यस्तथासुरः गान्धर्वो राक्षसश्चैव पैशाचश्चाष्टमोऽधमः (منو سمرتی سوم۔ ۲۱)، یاگیہ ولکیہ سمرتی، اول ۵۸۔ ۶۱)۔ ملاحظہ ہو جرنل آف بنارس ہندو یونیورسٹی جلد ششم نمبر۔ ۱ صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۲

[2] ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر صفحہ ۲۶۔ گوتم کے کتابچہ میں کلیتاً نثر میں حکیمانہ گُر بھرے ہوئے ہیں۔

کر سکتے ہیں جواب معدوم ہو گیا ہے، لیکن اس کی بنیاد پر لکھی گئی عروض کی کتاب مانو دھرم شاستر اب تک موجود ہے، اور اسے قانون اور زندگی میں انسان کے برتاؤ پر مستند کتاب تسلیم کیا جاتا ہے

سماجی طبقات

سوتروں کی سند سے وَرَنترسرم دھرم ؎ سماج کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی۔ ان میں "دویج" ذاتوں۔ برہمن، چھتری اور ویش، نیز شودروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا بیان ہے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "دوبار پیدا ہونے والی" (دویج) ذاتوں کے لیے زندگی میں چار منزلوں (آشرموں) سے گذرنا ضروری تھا، یعنی۔ برہم چریہ (طالب علمی کا زمانہ) گراہست (ازدواجی یا گھریلو زندگی کا دور)، وان پرستھ (گوشہ نشینی کی حالت) اور سنیاس (راہبانہ زندگی) آخری دو منزلوں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انسان تارک الدنیا ہو کر دنیاوی الجھنوں سے دور عبادت و ریاضت کی زندگی گذارتا تھا۔ ان سماجی طبقات (ورنٹر) کی پاکیزگی پر اب نہایت شدت کے ساتھ زور دیا جانے لگا۔ پاکیزگی کا معیار یہ تھا کہ شادی بیاہ اور ایک دوسرے کے ساتھ کھانے پینے کے اصول کی بہت سختی اور احتیاط کے ساتھ پابندی کی جائے۔ خراب اور بگڑے ہوئے کھانے اور ہر اس چیز سے جو ناپاک اور گندی ہو پرہیز کیا جائے۔ ان معاملات میں بڑے سخت تاکیدی احکامات موجود تھے۔ گو بعض مسائل میں مصنفین کے درمیان اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے۔ درحقیقت پُرانے مصنفین اپنے خیالات میں نسبتاً نرم دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر گوتم "دویج" کے اور ضرورت میں شودر کے دیے ہوئے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ شادی کے معاملہ میں بھی، ایک اچھی لڑکی کو چاہے وہ نیچ ہو، برہمن قبول کر لیتا ہے، لیکن اس صورت میں یہ بات طے تھی کہ اس کی حیثیت پست رہتی تھی اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کو مخلوط سمجھا جاتا تھا۔ ایک ہی گوتر میں اور ماں کی طرف چھ پشتوں تک، شادی ممنوع تھی۔ لیکن اس کے برخلاف راکشنا تیہ یا جنوب والوں میں یہ عجیب و غریب رواج تھا کہ وہ ماموں کی لڑکی سے شادی

؎ مزید تفصیلات آگے ملاحظہ کریں۔

کر لیتے تھے۔ اس طرح دھرم سوتروں میں جو اختلاف پایا جاتا تھا اس میں مقامی حالات اور مقامی رسم و رواج کو دخل تھا۔ بہرحال، ان کے نظریات میں عام طور پر تنگ نظری پائی جاتی تھی۔ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بحری سفر اور "بربروں" یعنی غیر ملکیوں کی زبان سیکھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

شاہی اختیارات

دھرم سُوتر راجہ کے فرائض پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ راجہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی رعایا کو تمام خطرات اور ہر قسم کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھے۔ مجرموں کو سزا دے، برہمن عالموں، طالب علموں اور ناکارہ اور اپاہج لوگ جو کسی کام کے قابل نہ ہوں، ان کے لیے ذریعۂ معاش فراہم کرے، انصاف کرے، نیکیوں پر انعام دے، میدان جنگ میں فوج کی سپہ سالاری کرے اور یقین محکم کے ساتھ مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کرے۔ راجہ عالیشان محل (ویشمَن) میں رہتا تھا جو شہر (پور) کے اندر واقع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مہمانوں کی ضیافت کے لیے بڑے بڑے ہال ہوتے تھے جن میں سبھا کے جلسے منعقد کیے جاتے تھے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے لوگوں کی حفاظت کے لیے شہروں (نگر) اور گاؤں (گرام) میں ایماندار اور وفادار لوگ مقرر کیے جاتے تھے۔ اگر مجرم کا سراغ نہ ملتا اور مسروقہ مال برآمد نہ ہو سکتا تو ان محافظوں کو نقصان کی تلافی کرنی ہوتی تھی۔

محصول

ریاست کے قیام و بقا اور حکومت کے انتظام و انصرام کے مقصد سے رعایا محصول ادا کرتی تھی۔ یہ محصول جداگانہ شرح سے پیداوار کے چھٹے سے لے کر دسویں حصہ تک وصول کیا جاتا تھا۔ گوتم کی سند سے راجہ کاریگروں سے ہر مہینہ ایک دن کا کام، تاجروں سے تجارتی مال کا بیسواں حصہ، جانوروں اور سونے پر پچاسواں حصہ، جڑی بوٹی پھل پھلار، پھول، شہد، گوشت، گھاس، اور سوختہ پر چھٹا حصہ بطور محصول وصول کر سکتا تھا۔

قانون

قانون کا سرچشمہ راجہ نہیں تھا، بلکہ مقدس کتابوں - یعنی ویدوں، ان کی مقدس روایات، اور ویدوں سے واقف کار لوگوں کے عمل کو سند مانا جاتا تھا۔[1] مزید برآں مقدس ادب میں یہ بھی آیا ہے کہ انصاف پر عمل درآمد ویدوں، مقدس روایات، ویدانگوں، پرانوں اور ملک، ذات اور کنبے کے مخصوص قوانین کے مطابق ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ مقدس کتابوں کے خلاف نہ ہوں۔ نیز انصاف کے معاملہ میں کاشتکاروں، تاجروں، گڈریوں، ساہوکاروں اور کاریگروں کے دستور کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح راجہ مختلف گروہوں (وڑگوں) اور پیشہ وروں کی انجمنوں (سیرنیٹوں) کے رسم و رواج کا احترام کرتا تھا۔

دھرم سوتر قانونِ وراثت اور عورتوں کے درجہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جو بذاتِ خود نہ قربانیوں کی رسم ادا کرسکتی تھیں اور نہ باپ کے مال کی وارث ہوسکتی تھیں۔ ایک اور معیوب بات یہ تھی کہ سوتروں میں مساوات کا تصور پوری طرح نہیں ابھرا تھا۔ اور قانون کے نزدیک سب برابر نہیں تھے۔ سزائیں تجویز کرنے میں ذات پات اور افراد کی حیثیت اور مرتبہ کو بڑا دخل تھا، اور ایک ہی جرم پر شودر زیادہ سے زیادہ جرمانہ کا مستوجب ہوتا جبکہ برہمن کے ساتھ اسی جرم پر نرمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔

فصل (۲)

رزمیہ نظمیں

رزمیہ شاعری کی ابتدا

ہندوستان میں رزمیہ شاعری کی ابتدا آکھیانوں، گاتھاؤں، ناراشنسیوں

---

[1] گوتم، دھرم سوتر۔ یازدہم، ۱۹۔ ۲۱

میں تلاش کی جا سکتی ہے جن کا ذکر براہمنوں اور دوسری ویدی کتابوں میں کیا گیا ہے[1] پیشہ ور رجز خواں بعض رسموں کے دوران انھیں اس خیال سے پڑھا کرتے تھے کہ دیوتا انھیں سن کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا " انسانوں کی تعریف کے یہ گیت" طویل رزمیہ نظموں میں تبدیل ہو گئے لیکن سنسکرت زبان میں ان میں سے صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ رامائن اور مہابھارت میں رواں دواں داستانوں اور شاعرانہ مدح وثنا کا ایک طویل سلسلہ شامل ہے جس میں قدیم دیوناروں اور دیوناریوں کی جنگ اور محبت میں کامیابیوں اور ناکامیوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

رامائن، اس کی اصل کہانی

رامائن چونکہ حکایتی نظم کی پہلی مثال ہے جسے شلوک کی بحر میں شاعری کے اصول کے مطابق تصنیف کیا گیا ہے، اس لیے اسے آدی کاویہ کہا گیا ہے۔ اس میں ۲۴۰۰۰ شعر ہیں۔ قدیم روایت کے مطابق اسے والمیکی رشی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی کہانی مختصراً یہ ہے۔ اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے کوشلیہ نامی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رام تھا۔ نوجوان راجکمار کی شادی جب ودیہہ کے راجہ جنک کی لڑکی سیتا سے ہو گئی تو باپ نے راجکمار کو یووراج یا ولی عہد بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس اعلان پر عام مسرت کا اظہار کیا گیا، لیکن بہت جلد یہ مسرت غم میں بدل گئی۔ راجکمار کی سوتیلی ماں کیکئی نے کبھی پہلے راجہ سے دو وعدے لے رکھے تھے جنھیں اس نے اس وقت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ اس نے راجہ کو ایفائے وعدہ پر مجبور کیا اور راجہ نے بیٹے کو چودہ سال کا بن باس دے دیا اور اس کی جگہ کیکئی کا لڑکا بھرت ولی عہد بنا دیا گیا۔ چنانچہ رام، ان کی بیوی وفادار سیتا اور ان کے تیسرے بھائی لکشمن جنگل میں جا کر رہنے لگے۔ جلاوطنی کے زمانے میں جو واقعات پیش آئے، کس طرح سیتا کو لنکا کا خبیث راجہ زبردستی اڑا لے گیا۔ رام نے کس طرح انھیں تلاش کیا اور رشک ریو سے

---

[1] اتھروید نے ان کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے علاوہ اتہاس (کہانی) اور پران (داستان) کا بھی، اس جہت سے انھیں رزمیہ نظموں کا ادبی پیش رو سمجھنا چاہیے۔

مدد لے کر راون کے خلاف جنگ کی، کس طرح وہ سیتا جی کو لے کر اجودھیا واپس آئے اور گدی نشین ہوئے ان تمام باتوں کی عکاسی بڑے پُر اثر انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ کی گئی ہے۔ رامائن اسلوب اور مواد کے لحاظ سے بلند ترین مقام رکھتی ہے، اور اس میں ایسے مثالی کردار پیش کیے گئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں۔

رامائن کا عہد

دورِ حاضر کے نقادوں کی رائے ہے کہ رامائن کسی ایک آدمی کی تخلیق نہیں ہے۔ ان کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ دوسرے حصوں میں معمولی اضافوں سے قطع نظر، پہلی اور ساتویں فصلیں یقینی طور پر بعد میں بڑھائی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسے بیانات آ گئے ہیں جو بعد کی فصلوں کے بیانات سے متضاد ہیں۔ ان میں رام عالمگیر دیوتا وشنو کے اوتار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ اصل نظم میں (دوم و چہارم) وہ محض ایک انسانی ہیرو کی حیثیت رکھتے ہیں دیوتا قرار دینے کے اس عمل کو ضرور کچھ وقت لگا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اصلی اور نقلی حصوں میں صدیوں کا تفاوت ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اصل نظم کو کس عہد سے متعلق سمجھا جائے؟ مہابھارت کی تیسری فصل راموپاکھیان کا جو اضافہ کیا گیا ہے اس سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ والمیکی کی نظم، مہابھارت کے مربوط شکل اختیار کرنے سے پہلے ایک قدیم کتاب کی حیثیت سے عام طور پر معروف ہو چکی تھی اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ رامائن میں پاٹلی پتر کا کوئی ذکر نہیں ہے جسے اُدائن نے بسایا تھا۔ کوشل کی راجدھانی آج بھی اجودھیا کہلاتی ہے نہ کہ ساکیت۔ بدھ مذہب کی کتابوں اور دوسری بعد کی کتابوں میں ساکیت کا نام ہے۔ بدھ جی کا نام صرف ایک جگہ آیا ہے اور وہ بھی غالباً ایک اضافی شعر میں سیاسی حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ موروثی ہوتا تھا اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر حکومت کرتا تھا۔ ان تمام باتوں، نیز دوسرے دلائل کے پیش نظر ڈاکٹر میکڈانل نے یہ رائے قائم کی کہ اصل رامائن ۵۰۰ ق۔م سے پہلے تصنیف ہوئی۔ اور اس کے تازہ تر اجزا کا اضافہ دوسری صدی ق۔م یا اس سے بعد تک نہیں ہوسکا۔

کیا رامائن تاریخی ہے

رامائن کے عہد کا جو تخمیناً اندازہ لگایا گیا ہے وہ بہرحال اس کے ویروں کی سلسلہ وار تاریخ کے تعین میں ہماری مشکل کو حل نہیں کرتا۔ یہ مسئلہ واقعاً عام ہندو کے لیے پریشان کن نہیں ہے۔ وہ رام کو آسمانی شخصیت سمجھتا ہے جن کا وجود "کسی زمانے میں" پایا جاتا تھا۔ اُن کے کارناموں کا بیان خالص تاریخی حقائق کی کان ہے، نیز روحانی فیضان کا بہترین ذریعہ۔ لیکن مورخ کے تنقیدی استدلال کو اس عقیدہ سے کوئی خاص تقویت نہیں پہنچتی۔ دراصل بعض عالموں کا خیال ہے کہ اس تمام داستان میں کوئی تاریخ سرے سے ہے ہی نہیں۔ مثال کے طور پر، لاسن اور ویبر کے نزدیک رامائن غیر آریائی جنوب کو فتح کرنے اور وہاں اپنی تہذیب پھیلانے کے لیے آریوں کی پہلی کوشش کی مجازی تمثیل پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف میکڈانل اور جیکوبی کی رائے ہے کہ ہندوستانی دیو مالا کی بنیاد پر یہ ایک بالکل تخیلی تخلیق ہے۔ اس نظریے کے مطابق سیتا کو زراعت کی دیوی کے مجازی روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ رام اندر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور راون کے ساتھ ان کی لڑائی رگ ویدی اندر و ورتر کے خیالی قصہ کی ایک جھلک ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث کے بغیر یہ بات واضح ہے کہ رامائن کی داستان قیاس آرائی کے لیے ایک زرخیز میدان فراہم کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں دیو مالا کی کہانیوں کا گہرا امتزاج پایا جاتا ہے۔ لیکن رام کی تاریخی اہمیت کو کلیتاً مسترد کرنا بھی ایک بڑا کمزور مفروضہ ہے۔ بدھوں کی دشرتھ جاتک میں ان کا ذکر موجود ہے اور اس میں وہ الٰہی صفات سے معرا دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوشل، آریوں کے مشرق کی جانب پھیلنے سے پہلے، مدھیہ دیش کی ایک اہم ریاست تھی۔ بہرطور، بنیادی حقیقت یہ ہے کہ رام ایک جیتی جاگتی شخصیت تھے۔ ان کا تعلق اجودھیا کے اکش واکو خاندان سے تھا اور رامن وجنگ میں ان کے کارناموں نے عوام کے ذہن و دماغ پر بڑا گہرا اثر چھوڑا۔ رام کے عمدہ انتظام حکومت کی تاریخ بھی اتنی ہی غیر یقینی ہے جتنی ہم عصر عہد میں شمالی یا جنوبی ہندوستان کی سیاسی حالت۔

مہابھارت: اس کا عہد

مہابھارت کو جو موجودہ حالت میں ایک لاکھ اشعار (शतसाहस्री संहिता) پر مشتمل ہے تاریخ ادب کی سب سے زیادہ ضخیم رزمیہ نظم ہونے کا شرف حاصل ہے جو مشتبہ ہے۔ یہ ۱۸ فصلوں (پُروَنوں) میں منقسم ہے جن کا حجم غیر مساوی ہے۔ ہرِ وَنش اس کا ضمیمہ ہے۔ ایک قدیم روایت کے مطابق اس عظیم الشان کتاب کے مصنف دُوپے پاین دیاس تھے، لیکن اس کی زبان اسلوب اور بیان میں عدم یکسانی صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ کسی ایک دماغ یا کسی ایک دور کی تصنیف نہیں ہے۔ اس کی موجودہ صورت اصل نظم میں[1] وقتاً فوقتاً اضافوں کا نتیجہ ہے۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ اس میں کافی تبدیلیاں کی گئیں، اضافے ہوتے رہے اور برہمنوں نے اسے فلسفیانہ، مذہبی ناصحانہ اور علم الاصنام کے عظیم الشان مواد سے مالا مال کر دیا۔[2] آشوا ینَ گرِی میہ سُوتر شاہد ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں مہابھارت کا وجود عہد قدیم میں پایا جاتا تھا۔ ۵۰۰ء کے ایک عطیۂ جاگیر میں وضاحت کے ساتھ اسے "سو ہزار اشعار کا مجموعہ" کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تاریخ تک یا اس سے ایک صدی پہلے تک یہ اپنی حالیہ صورت میں موجود تھی، چنانچہ اس زبردست تصنیف[3] کی ابتدا، ارتقا، تصحیح، اور اضافوں کی تاریخ کا تعین انداز اً ۵۰۰ ق.م سے لے کر ۴۰۰ عیسوی کے درمیانی دور میں کیا جا سکتا ہے۔

مختصر کہانی

مہابھارت میں دھرتُ راشٹر کے سَو بیٹوں کورَوں، اور پانڈُو کے پانچ بیٹوں، پانڈَوں کے درمیان عظیم الشان مجادلہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ دراصل

---

[1] میکڈانل کا خیال ہے کہ مہابھارت کی ابتدائی اصل ....۲ اشلوکوں یا شعروں پر مشتمل ہے (اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر، ص ۲۸۳)۔ انھوں نے اس کے ارتقا کی تین منزلیں تسلیم کی ہیں۔ [2] لمبے لمبے قصے اور اور پوری کتابیں جیسے بھگود گیتا اخلاقی تعلیم کے لیے اس میں شامل کی گئی ہیں۔ [3] چاند بردوئی کی پرتھوی راج راسو نے بھی بالمعاوضہ اسی طرح متعدد ہاتھوں میں اضافوں کی منزلوں سے گذر کر موجودہ ضخامت حاصل کی ہے۔

اُن کی طویل عرصے کی رقابت کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی :۔

* کورُو حکمراں، وچِتر ویریا کے انتقال کے بعد ان کا چھوٹا لڑکا پانڈو گدی نشین ہوا، کیونکہ سب سے بڑا لڑکا وِجرتُ راشٹر پیدائشی نابینا تھا۔ لیکن پانڈو کی ناگہانی موت کے باعث زمام حکومت بہت جلد دھرتُ راشٹر کو خود اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ وہ اپنے بھتیجے یُدھشٹر سے بہت مانوس تھا۔ جو بڑی خوبیوں کا انسان تھا۔ دھرتَ راشٹر نے اسے اپنا ولی عہد نامزد کر دیا۔ اس عمل سے اس کے بڑے لڑکے دَریودھن کے سینہ میں حسد کی آگ سلگنے لگی اور اس نے اپنی ریشہ دوانیوں سے پانڈوؤں کو راجدھانی سے جان بچا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ پانڈو اپنی سیاحتوں کے دوران پنچال پہنچے جہاں ارجن نے ایک سویم ور میں راجہ کی بیٹی دروپدی کو اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے جیت لیا۔ اس رشتہ سے پانڈووں کی قسمت کا ستارہ بدل گیا۔ پانڈوؤں کو راضی رکھنے کے خیال سے دھرتَ راشٹر نے اپنی ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ یعنی ہستنا پور اُس نے اپنے بیٹوں کے حق میں بحال رکھا، اور وہ علاقہ جس کی راجدھانی اِندر پرستھ تھا اپنے بھتیجوں کو دے دیا۔ پانڈوؤں کو یہاں بھی چین سے حکومت کا موقع نہ ملا۔ دُرجُودھن نے یُدھشٹر کو بہلا پھسلا کر جوا کھیلنے پر مجبور کیا۔ بازی میں یُدھشٹر اپنا سب کچھ ہار گیا۔ اپنا راج، اپنی بیوی، اور اپنی عزت۔ اور بارہ سال کے لیے بن باس جانے پر مجبور ہو گیا۔ اس مدت کے اختتام پر اس نے اپنا کھویا ہوا راج واپس لینے کی کوشش کی، لیکن دریودھن نے یدھشٹر کی شرائط رد کر دیں۔ اس کے نتیجہ میں جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اٹھارہ دن تک کُرُکشیتر کے میدان میں گھمسان کی لڑائی رہی اور بڑا کشت و خون ہوا۔ آخر کار یُدھشٹر کی فتح ہوئی جس نے کچھ دنوں شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی اور بعد ازاں تخت و تاج پریکشِت کے سپرد کر کے اپنے بھائیوں سمیت ہمالیہ کی طرف نکل گیا۔

اس کی تاریخی اہمیت

مہابھارت کی اصل کہانی تاریخی حقائق پر مبنی ہے۔ ہستنا پور اور اندر پرستھ اصلی

شہر تھے اور اگرچہ دستبردِ زمانہ سے وہ دونوں تباہ و برباد ہو گئے، لیکن ان کے نام آج تک باقی ہیں۔ ہستنا پور میرٹھ کے ضلع میں دریائے گنگا پر اور اِندر پرستھ نئی دلی کے قریب دریائے جمنا پر چھوٹے چھوٹے گاؤں کی صورت میں آج تک موجود ہیں۔ ان دونوں راجاؤں کے درمیان اس معرکے کی روایتی تاریخ، یعنی ۳۱۰۲ ق۔م [1] تنقید کی کسوٹی پر مشکل سے پوری اُتر سکے گی، لیکن ایک دوسری تاریخ ۱۰۰۰ق۔م بھی متعین کی گئی ہے۔ اور اس میں کچھ معقولیت ہے [2] دلیل یہ ہے کہ ست پتھ براہمن میں مہا بھارت کے ویروں اور جن مے جے کا ایک بہت قریب کے زمانے کی شخصیت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی طے بات ہے کہ ویدی دَور میں کورُو ایک اہم قبیلہ کی حیثیت رکھتے تھے، جبکہ پانڈوؤں کا ذکر نہ کہیں براہمنوں میں آتا ہے نہ سوتروں میں پہلی بار وہ بدھ مذہب کے آخری دور کے ادب میں ایک پہاڑی قبیلہ کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیساکہ بعض عالموں نے قیاس کیا ہے کہ وہ کہیں باہر سے آئے ہوئے لوگ تھے اور کوروؤں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا؟ بہرنہج، ان کے غیر مہذب اور بدسلیقہ اطوار سے، ان کے رواج چند شَی سے اور ان کے "پانڈو" نام سے جس کے معنی "پیلا" کے ہوتے ہیں، اس نظریے کو ایک حد تک تقویت پہنچتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً منگول نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر اس دلیل میں کوئی وزن ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مہا بھارت کا موجودہ نسخہ جنگ آزما فریقین کی اصل اور ان کے باہمی تعلقات کی بالکل ایک مسخ صورت پیش کرتا ہے۔ علی ہذا، حلیفوں کے بارے میں بھی اس کی شہادت کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر ہم سنتے ہیں کہ کوروؤں کے لشکر میں پراگ جیوتش (آسام)، اونتی اور دکشنا پتھ، چینی، کرات کمبوجہ

---

[1] شری جے۔ راؤ کا خیال ہے کہ جنگ ۳۱۳۹ ق۔م میں واقع ہوئی۔ کیونکہ ایک روایت کے مطابق کرشن جی کی وفات مہابھارت کی جنگ کے ۳۶ سال گذرنے کے بعد کلی یگ کے آغاز کے وقت ہوئی (دا ایج آف دی مہا بھارت ص۵ وغیرہ) [2] ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۲۷۶، ص۳۰۶ تا ص۳۰۷۔ ایک دوسری مجوزہ تاریخ جنگ مہابھارت کی ۱۴۰۰ ق۔م ہے۔ (د ہندو سویلائزیشن، ص۱۵۱ تا ص۱۵۴، پروسیڈنگز آف دی انڈین ہسٹری کانگریس، تیسرا اجلاس کلکتہ، ۱۳۳۹ء ص۳۳ تا ص۴۱)

اس حقیقت سے قطع نظر کو وہ سب کے سب معاصر نہیں تھے، یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ اتنی دور و دراز کی طاقتیں مدھیہ دیش کے اس ہنگامی معرکے سے جو مقامی اہمیت رکھتا تھا۔ واقعی دلچسپی لے رہی تھیں۔ یقیناً انھیں ماتحت حلیف کی حیثیت سے جنگ کی دعوت ہرگز نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ کوروؤ اور پانڈووں کی راجدھانیاں ایک دوسرے سے بہت نزدیک تھیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حدود سلطنت زیادہ وسیع نہیں تھے۔ المختصر، مہابھارت میں تاریخ سے یقیناً انحراف پایا جاتا ہے، لیکن جہاں تک مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ ضرور معتبر و مستند ہے اور اس کے کردار جن کے کارناموں کو قصہ گوؤں اور مغنی شاعروں نے عوام میں پھیلایا، ہرگز تخیلی نہیں ہیں۔

رزمیہ نظموں سے استنباط

دونوں رزمیہ نظموں میں نہ صرف بہت سے فقرے اور محاورے مشترک ہیں بلکہ جس ماحول کی ان میں تصویر کشی کی گئی ہے وہ بھی بڑی حد تک یکساں ہے۔ اس لیے راجا اور پرجا کی زندگی کی تصویر دیکھنے کے لیے ہمیں دونوں ہی نظموں سے استفادہ کرنا ہوگا۔ بہرحال یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تمام معلومات جو ہمیں ان سے بہم پہنچتی ہے وہ کسی مخصوص دور کی نہیں ہے کیونکہ نظمیں تدریجی ترقی کا نتیجہ ہیں اور ان میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کے پیش آنے کے صدیوں بعد انھیں قلم بند کیا گیا ہے۔

(۱) راجا

رزمیہ نظم کا راجا کلیتاً مطلق العنان حکمراں نہیں تھا اور ہمیشہ اپنی من مانی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنے بھائیوں، درباریوں اور رعایا کو جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔ اسے مختلف گروہوں۔ کل (کنبہ)، جاتی (ذات)، سرینی (پیشہ ور انجمنیں) اور پوگوں (فرقوں)، کے قوانین کو تسلیم کرنا اور ان کا احترام کرنا پڑتا تھا۔ ظالم اور بدکار راجا کو گدی سے اتار دیا جاتا تھا' یا "پاگل کتے کی طرح اسے مار ڈالا جاتا تھا"۔ اس کے جائز

وارث میں اگر جسمانی عیب ہوتا تو اسے بھی گدی پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ راجا کی تاجپوشی کی رسم باقاعدہ ادا کی جاتی تھی۔ راجا "ملکی معاملات میں بھی اور میدان جنگ میں بھی رعایا کی قیادت کرتا تھا۔ وزیروں کے مشورہ پر اور پروہت کی دعائیں لے کر اُسے مہموں پر نکلنا ہوتا تھا۔ لیکن عملاً وہ اپنے حلیفوں کی صلاح سے اس قسم کے معاملات خود طے کرتا تھا۔ سبھا کی حیثیت صرف نجی معاملات میں ایک مجلس مشاورت کی رہ گئی تھی۔ راجا شان و شوکت کی زندگی گذارتا تھا اور ناچنے والی لڑکیاں اور معمولی کردار کی عورتیں اس کے ملازمین اور خدمت گاروں میں شامل ہوتی تھیں۔ اس کی تفریح کا خاص ذریعہ موسیقی، جوا، شکار، جانوروں کی لڑائیاں اور پہلوانوں کی کشتیاں وغیرہ تھیں۔ اپنے محل کے قریب ہال میں اس کی کچہری لگتی تھی، جس میں وہ انصاف کرتا تھا اور جب راجا بوڑھا ہو جاتا تو اپنے بڑے بیٹے کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ راجدھانی کی حفاظت کے لیے دیوار ہوتی جس میں پھاٹک اور مینار ہوتے اور اس کے چاروں طرف خندق ہوتی تھی۔ اہل شہر کے لیے تمام ضروریاتِ زندگی فراہم کی جاتی تھیں۔ راجہ اور اس کے اُمرا کی تفریح کے لیے گانے بجانے کے ہال، باغ، خوبصورت چوک، عالی شان عمارتیں اور دُکانیں ہوتی تھیں۔ عام راستوں پر روشنیاں ہوتی تھیں اور گرد دبانے کے لیے راستوں پر چھڑکاؤ کیا جاتا تھا۔

(۲) انتظام

راجہ ایک منتری پریشد (مجلس وزرا) کی مدد سے انتظام سلطنت کرتا تھا جس میں مہا بھارت[1] کی سند کے مطابق، چار برہمن، آٹھ چھتری، اکیس ویش، تین شودر اور ایک سرت ہوتے تھے۔ وزیر اعظم اور دوسرے وزرا دیانت دار، ذکی اور بلند کردار لوگ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے افسر راجا کو انتظام میں مدد دیتے تھے۔ مثلاً ماتحت حکمراں (سامنت) یُوُوراج (ولی عہد)، امرا۔

---

[1] شانتی پرو، ۸۵، ۷-۱۱

نیز دیگر افسران جیسے پروہت (پجاری)، چموپتی (سپہ سالار) دوار پال (حاجب) پردیشٹا (چیف جسٹس) دھرما دھیکش (نگراں انصاف) ڈنڈپال (فوجداری اور پولیس کا افسر)، نگرادھیکش (شہر کا نگراں)، کاریہ نرمانکنٹرٹ (عمارتوں کا نگراں)، کاراگار ادھیکاری (جیل کا نگراں)، دُرگ پال (قلعدار)، وغیرہ

گاؤں یا گرام، جو انتظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی تھی اپنے مکھیا (گرامنڑی) کی نگرانی میں، کافی حد تک خود مختار ہوتا تھا۔ انتظام میں اس سے اوپر کی سیڑھیوں پر دس گاؤں کا افسر (دش گرامی) بیس گاؤں کا افسر (ونش تپ)، سو گاؤں کا افسر (ست گرامی) اور ہزار گاؤں کا افسر (ادھی پتی) ہوتے تھے۔ یہ تمام افسر مال گذاری وصول کرتے، جرائم کا انسداد کرتے، اور اپنے اپنے حلقۂ اختیار میں امن قائم رکھتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سے اوپر والے افسر کو جوابدہ ہوتا اور سب کے سب نتیجہ میں راجہ کو جوابدہ ہوتے تھے۔

(۳) فوج

راجا کی فوج میں آریوں کے تمام خواص و عوام شامل ہوتے تھے اور مختلف فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ اُن میں تیر انداز، گو پیے، پتھر پھینکنے والے، سوار، رتھ بان، فیل بان، وغیرہ سب شامل تھے۔ یہ دعویٰ کہ آتشیں ہتھیار، یعنی توپ اور بارود استعمال ہوتی تھی تنقید کی کسوٹی پر مشکل ہی سے پورا اتر سکے گا۔ بس اتنی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس زمانے میں کچھ "طلسمی چمک" والے ہتھیار مثلاً چکر اور تیر بھی استعمال ہوتے تھے۔ سپاہی لڑتے ہوئے جان دینے کو باعث افتخار کہتا تھا۔ چھتری اپنی شہرت اور نیک نامی کے لیے یا اپنے سردار کے لیے جنگ کرتا تھا۔ راجا جنگ میں کام آنے والوں کی بیواؤں کے لیے وظیفہ مقرر کردیتا تھا۔ جنگ کے قیدیوں کو فاتح کم از کم ایک سال کے لیے غلام بنا لیتا تھا۔ بعض قیدیوں کو شرائط کے ساتھ آزاد کردیا جاتا تھا۔ یہ بات ضمناً دلچسپ ہے کہ گھاس کھانے کو اطاعت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

(۴) گَن مہابھارت کا سانتی پروں (باب ۱۰۷، اشلوک ۶-۳۲) گن راج

یعنی بہت سے لوگوں کی حکومت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ گن کی طاقت اور خوشحالی کا دارومدار اس پر تھا کہ اندرونی نا اتفاقی کو دور کرے، مشوروں کو صیغۂ راز میں رکھے، رہنماؤں کی اطاعت کرے اور مقررہ رسم ورواج کا احترام کرے۔ بعض اوقات کئی گن ملا کر ایک قسم کے مشترکہ اتحاد (سنگھ) میں شریک ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر سانتی پروَن کا باب ۸۱ کرشن کو اندھک ورِشی سبھا کے پردھان (افسرِ اعلیٰ) کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

(۵) عوام

ذات پات کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ سماج میں سب سے اونچا درجہ امرا اور برہمنوں کا تھا۔ اس کے برعکس، غیر آریائی "شودر" دبے ہوئے تھے اور غلاموں کی حیثیت رکھتے تھے اور سب کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ نہ اُن کے کوئی حقوق تھے، نہ کوئی املاک۔ عورتوں کی حیثیت بھی ویدی عہد کے مقابلے میں انحطاط پذیر تھی۔ رسم ستی کا ذکر جا بجا ملتا ہے اور چند زوجیت رائج دکھائی دیتی ہے۔ نقاب ڈال کر باہر نکلنے کے بھی کہیں کہیں حوالے ملتے ہیں۔ لیکن یہ شاید درباری طریقہ تھا۔ سوئم ور یعنی دلہن کا دولہا کو خود چُننے کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔

زیادہ تر آبادی مٹی کے قلعوں (دُرگ) کے چاروں طرف گاؤوں میں رہتی تھی اور لوگ جانور پالتے اور کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لڑائی جھگڑے، مویشیوں کی چوری یا خطرہ کے وقت لوگ ان کچے قلعوں میں پناہ لیتے تھے۔ معمولی معاملات میں گاؤں خود مختار ہوتا تھا، لیکن راجہ سردار کی حیثیت سے انصاف کرتا اور محصول وصول کرتا تھا جس کی شرح حسب ضرورت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور جنس میں وصول کی جاتی تھی۔ بیوپاری اور دوسرے لوگ شہروں میں رہتے تھے۔ بیوپاری تجارت کو سامان دور دور سے لاتے تھے اور اس پر محصول دیتے تھے۔ شہر میں رہنے والے جرمانے اور محصول نقدی میں ادا کرتے تھے۔ چھوٹے باٹوں کے استعمال نے جن کی طرف کہیں کہیں اشارے ملتے ہیں، حکومت کو باقاعدہ بازار کی نگرانی پر مجبور کیا ہوگا۔ بیوپاریوں اور کاریگروں کی انجمنیں کافی با اثر تھیں اور پروہتوں کے بعد ان کے

سربراہوں (مہاجن) کا سب سے زیادہ پاس و لحاظ کرتا تھا۔

عام لوگ گوشت کھانے اور نشہ آور مشروبات استعمال کرنے کے عادی تھے لیکن عہد قدیم کے بہترین دماغ اہنسا پر زور دے رہے تھے اور سبزی خوری رفتہ رفتہ رواج پا رہی تھی ؎

(۶) مذہب

مظاہر قدرت کی پرستش اب ایک فرسودہ تصور ہو گئی تھی۔ ویدی دیوتاؤں پر اب ہندو تثلیث کے دیوتاؤں، برہما، وشنو اور شیو کو ترجیح دی جانے لگی تھی۔ نئے دیوتا اور دیویاں جیسے سوریہ (سورج) گنیش اور درگا ابھر آئی تھیں اور اب یہ عقیدہ عام ہو گیا تھا کہ وشنو روئے زمین پر نیکی، پارسائی اور راست بازی کا انسانی روپ ہیں۔ اسی کے ساتھ تناسخ کا عقیدہ بھی کافی مقبول ہو گیا تھا۔ اس طرح رزمیہ نظمیں ظاہر کرتی ہیں کہ جدید عقائد کی بنیادیں دراصل اسی وقت استوار ہو گئی تھیں۔

فصل (۳)

دھرم شاستر

دھرم شاستر

دھرم شاستروں میں دھرم سے متعلق بعض برہمنی عقائد کی تعلیمات یا مذہبی اور دیوانی کا قانون شامل ہیں۔ ان میں شلوک کی بحریں استعمال کی گئی ہیں۔ ہندو قانون پر یہ ہمارا اہم ترین ماخذ ہے۔ قدیم برہمنی اداروں اور طرز معاشرت پر بھی وہ کافی کارآمد روشنی ڈالتے ہیں۔ قانون کی ان کتابوں میں سب سے اہم

؎ موازنہ کریں۔ چھاندیوگ اُپ نشد، سوم، ۱۷، ۴ سے

مانو دھرم شاستر ہے جسے "عیسوی سنہ کا یا اس سے پہلے کا، نہ کہ اس سے بعد کا مانا گیا ہے۔[1] وشنو دھرم شاستر جو حالانکہ سوتر کی شکل میں ہے منو سے بعد کا ہے اور منو سمرتی پر مبنی ہے۔ یاگیہ ولکیہ سمرتی چوتھی صدی عیسوی میں متھلا میں تصنیف ہوئی۔ نارد سمرتی پانچویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ معمولی سمرتیاں اور بعد کے بھنڈہ اور تفسیریں ہیں، مثلاً کشرا۔ رفتہ رفتہ ان سب کو بھی سند مانا جانے لگا۔

سماج: وَرَن

دھرم سوتروں کی طرح دھرم شاستروں میں بھی سماج ذات پات کے "چوکھٹے" میں بند دکھائی دیتا ہے۔ اس کا ہر عضو اپنے علاحدہ علاحدہ حقوق و فرائض رکھتا تھا۔ چنانچہ منو کے نزدیک برہمن کا فرض تھا کہ وہ پڑھے اور پڑھائے، یگیہ کرے اور دوسروں کو اس میں مدد دے۔ خیرات کرے اور تحفے تحائف قبول کرے۔ چھتری کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ انتظام کرے اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے، علم کی ترویج و ترقی اور حق کی اشاعت کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرے، یگیہ کرے، مقدس کتابوں کا مطالعہ کرے اور سب سے بڑھکر جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرے۔ ویش کو چاہیے مویشی پالے، یگیہ کرے، سود پر روپے کا لین دین کرے اور تجارت و زراعت کرے۔ شودر تمام قوم کو جسمانی آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کرے اور پست خدمات انجام دے۔ قانون کی کتابوں میں مخلوط ذاتوں کا بھی ذکر ہے جو مخلوط شادیوں یا ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں وجود میں آتی تھیں۔ اس کے بعد غیر آریائی لوگ تھے۔ ملیچھ، چنڈال اور سوپاک وغیرہ۔ ان کا درجہ شودروں سے بھی پست تھا اور انھیں سماج سے تقریباً باہر سمجھا جاتا تھا۔

زندگی کی منزلیں

دھرم شاستروں میں زندگی کی چار منزلوں (آشرم) کے اصول بھی مندرج

---

[1] ہاپ کنس، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، صفحہ ۲۷۹

ہیں جو دوبج (دوبارہ پیدا ہونے والی) ذاتوں کے لیے مرتب کیے گئے تھے۔ پہلی منزل برہم چریہٗ یعنی طالب علمی کا زمانہ تھا جس کی ابتدا اُپ نین کی رسم سے ہوتی تھی اس کے لیے کوئی عمر مقرر نہیں تھی اور خاص حالات، بچے کی صلاحیتوں، اور اس کی ذات کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی ممکن تھی۔ اپنے استادوں اور آچاریہ کی مشفقانہ تربیت میں وہ وید دوسری مقدس کتابیں یا ویدانگ اور وُرشن وغیرہ یاد کرتا تھا۔ برہم چاریہ کی منزل نظم وضبط اور مستقل حرکت وعمل کی زندگی تھی۔ طالب علم کو اپنے کام میں بڑی محنت کرنی ہوتی تھی، روزانہ پوجا پاٹ کے علاوہ وہ اگنی ہوتر کی رسم ادا کرتا تھا۔ اپنے استاد یا گرو کے لیے بھیک مانگتا، جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتا، اور پانی بھرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آجکل کے طالب علم اپنے قدیم ہم جماعتوں سے سبق حاصل کریں۔ تعلیم کے اختتام پر برہم چاریہ گرہست آشرم میں داخل ہو جاتا تھا یعنی اس کی شادی ہو جاتی اور وہ گھر گرہستی میں پڑ جاتا تھا۔ گرہستی سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ فیاضی کے ساتھ خیرات دے اور دیوتاؤں، رشیوں اور باپ دادا کے تین قرضے جو اس پر واجب تھے انھیں علی الترتیب یگیہ، حصول علم اور پرہیزگاری کے ذریعہ ادا کرے۔ تیسری منزل یعنی وان پرستھ میں انسان کو زندگی کی تمام اچھی چیزیں ترک کر کے بن کی تنہائیوں میں چلا جانا ہوتا تھا، جہاں وسادہ غذا، جڑی بوٹیاں اور پھل پھلار کھا کر سکون کے ساتھ غور وفکر میں زندگی بسر کرتا تھا۔ آخری منزل سنیاس کی تھی جس میں انسان کو دنیا سے تمام تعلقات منقطع کر کے اسرار زندگی اور وجود حقیقی کی تلاش کی غرض سے جسم کو سخت سے سخت تکلیف میں مبتلا کرنا ہوتا تھا سنّیاسی کو جو کچھ بھیک سے ملتا بس اُسی پر وہ بسر اوقات کرتا اور اپنی زندگی حق وحقانیت کی نشر واشاعت کے لیے کلیتاً وقف کر دیتا تھا۔ یہ تھا وہ نظامِ زندگی جو قانون بنانے والوں نے تین اونچی ذاتوں پر عائد کیا تھا۔ یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ قانون کے احکامات کی پابندی عملی زندگی میں کہاں تک ہوتی تھی بہر طور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنّیاس کی منزل عام طور پر برہمنوں کے لیے مخصوص تھی اور صرف وہی اسے اختیار کرتے تھے۔

عورت کا درجہ

دھرم شاستروں سے سماج میں عورتوں کے درجہ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک مقام پر منو کہتے ہیں۔ جہاں عورتوں کی پرستش (عزت) کی جاتی ہے وہاں دیوتاؤں کی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں لیکن جہاں ان کی عزت نہیں کی جاتی وہاں تمام کام بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے ہیں[1] لیکن تعجب کی بات ہے کہ ایک دوسرے شعر میں منو کہتے ہیں کہ عورتیں مردوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ ہیں[2] ان کا خیال یہ بھی ہے کہ عورت کبھی آزاد اور خود مختار زندگی نہیں گذار سکتی۔ اسے تو زندگی بھر کسی نہ کسی کی نگرانی اور سرپرستی میں رہنا ہوتا ہے بچپن میں باپ کی، جوانی میں شوہر کی، اور بڑھاپے میں بیٹوں کی[3] اس کے علاوہ منو کے قانون کے مطابق عورتیں چونکہ تلون مزاج ہوتی ہیں اس لیے انھیں گواہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔[4] وہ بارہ سال یا آٹھ سال کی عمر میں لڑکی کی شادی کو جائز قرار دیتے ہیں۔[5] لیکن بیٹی کے فروخت کرنے کے بارے میں انھوں نے متضاد رایوں کا اظہار کیا ہے[6] اگر عورت بانجھ ہوتی، یا صرف لڑکیاں پیدا کرتی یا شوہر کے ساتھ بے وفائی کا برتاؤ کرتی تو شوہر اُسے طلاق دے سکتا تھا۔ منو عقد بیوگان اور نیوگ (صلۂ رحم کی شادی) کے خلاف ہیں[7] اس کے برخلاف نارد دونوں کی اجازت دیتے ہیں۔ استری دھن سے قطع نظر، منو نے صاف صاف نہیں بتایا کہ بیوہ اپنے شوہر کے مال میں سے حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں[8] نارد نے عورت کو یہ حق نہیں دیا ہے۔

---

[1] اس سے موازنہ کریں۔ यत्र नार्यस्तु पूज्यन्ते रमन्ते तत्र देवता।
यत्रैतास्तु न पूज्यन्ते सर्वास्तत्राफला: क्रिया॥ (منو سمرتی، سوم، ۵۶)

[2] اس سے موازنہ کریں۔ स्वभाव एष नारीणां नराणामिह दूषणम् (ایضاً، دوم ۲۱۳)

पिता रक्षति कौमारे भर्ता रक्षति यौवने

[3] اس سے موازنہ کریں۔ रक्षन्ति स्थविरे पुत्रा न स्त्री स्वातन्त्र्यमर्हति (ایضاً، نہم، ۳)

[4] ایضاً، ہشتم، ۷۷، [5] ایضاً نہم، ۹۴ [6] ملاحظہ ہو منوسمرتی، ہشتم، ۲۰۴، سوم، ۵۱، نہم ۹۸، [7] ایضاً، نہم، ۶۵۔

[8] وہ اپنے لاولد بیٹے کے مال کی وارث ہو سکتی تھی (ایضاً، نہم، ۲۱۷)

اس کے برخلاف یا گیہ ولکیہ شوہر کی جائداد میں وارث کی حیثیت سے بیوہ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ ستی کی رسم کا جواز کافی عرصے تک تسلیم نہیں کیا گیا، لیکن عورتوں کو چونکہ مقدس رسموں میں شرکت کی اجازت نہیں تھی اس لیے عورتوں کی زندگی واقعی خوشگوار نہیں رہی ہوگی۔ پردہ کا کوئی ذکر سمرتیوں میں نہیں ہے اور منو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ زبردستی عورت کی حفاظت کرے۔

ریاست

سمرتیوں نے شخصی حکومت کو معیاری طرز حکومت قرار دیا ہے۔ منو راجہ کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر راجا نہ ہو تو چاروں طرف انتشار پھیل جائے گا (ہفتم، ۳) راجا زمین پر خدا کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ منو کا مقولہ ہے۔ "راجہ اگر بچہ بھی ہو تو اسے حقارت سے نہ دیکھو، محض اس لیے کہ وہ انسان ہے۔ نہیں دراصل وہ انسانی شکل میں عظیم دیوتا ہے"[2] آگے چل کر منو کہتے ہیں۔ طاقت (پربھاؤ) کے اعتبار سے وہ اگنی (آگ) ہے، وایو (ہوا) ہے، ارک (سورج) ہے، سوم (چاند) ہے، دھرم راٹ (یاما) ہے، کبیرا، ورن اور اندر ہے۔[3] لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ راجہ کو اگرچہ صفات الٰہی کا حامل مانا گیا ہے، پھر بھی اس کی حیثیت کلیتاً مطلق العنان حکمراں کی نہیں تھی۔ وہ اپنی ذاتی عظمت کے لیے شدت اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ صرف دھرم کو قائم رکھنے اور اس پر عمل درآمد کرانے کے لیے ڈنڈ دیتا تھا۔ وہ قانون سے بالاتر ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ واقعی یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ قانون ایسے راجہ کو جو آرام طلب، شہوت پرست، ظالم اور غیر عادل ہو اسے تباہ کرسکتا ہے[4] منو کے نزدیک دھرم کے چار ماخذ ہیں۔ (۱) وید

---

[1] ایضاً، نہم ۱۷

[2] اس سے موازنہ کریں۔
बालोऽपि नावमन्तव्यो मनुष्य इति भूमिपः।
महती देवता ह्येषा नररूपेण तिष्ठति॥ (منوسمرتی، ہفتم ۸)

[3] ایضاً، ہفتم، ۷ [4] ایضاً، ہفتم، ۱۷، ۲۸

(۲) سمرتیاں (۳) آچاریہ یعنی رشیوں کے نیک اعمال کی مثالیں، اور (۴) اطمینان نفس۔[1] ان میں یاگیہ ولکیہ نے کئی ثانوی ماخذ کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً غور و فکر، پری شَد یا برہمن عالموں کا فیصلہ، عارضی ضروریات، جو فرائض سے نہ ٹکراتی ہوں، شاہی فرامین، پیشہ ور انجمنوں کی روایات اور مقامی رسم و رواج وغیرہ۔ منو نے علاقائی قانون (دیش دھرم) ذاتوں کے قانون (جاتی دھرم)، کنبوں کے قانون (کُل دھرم) اور لامذہب لوگوں کے قانون (پاشنڈ) اور اجتماعی جماعتوں کے قانون (گَن) کے بھی حوالے دیے ہیں۔[2]

اگرچہ دھرم شاستروں نے راجہ کا عہدہ صرف چھتری کے لیے تسلیم کیا ہے، لیکن تاریخ میں ایسے راجاؤں کی مثالیں بھی موجود ہیں جو دوسری ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ راجہ اپنی سلطنت اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے ایک منظم اور بے حد مصروف زندگی گذارتا تھا۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ ایک مجلس وزرا کے مشورے پر عمل کرتا تھا جس کے سات یا آٹھ رُکن ہوتے تھے۔ راجا جو احکامات صادر کرتا وہ لکھ لیے جاتے یا سہائے (سکریٹری) کو دے دیے جاتے تھے۔ سبھا میں بیٹھکر وہ مقدمات کی سماعت کرتا جو محل کے قریب ہال میں منعقد ہوتی تھی۔ وہ مجرموں کو سزائیں دیتا، مذہبی کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرتا، یا جرم کی نوعیت اور متعلقہ فریقین کی حیثیت کے مطابق دوسری سزائیں تجویز کرتا تھا۔ ان وزرا (اماتیہ، یا منتری) کے علاوہ دوسرے چھوٹے بڑے افسران بھی راجا کو اس کے فرائض انجام دینے میں مدد دیتے تھے، جیسے مہا ماترا اور یُکت جنھیں جاسوس اور دوسرے افسر مدد دیتے تھے۔ حکومت کے خاص خاص محکمے یہ تھے۔ (۱) جاسوسی، جو ہر جگہ ہر شخص کی بڑی سخت نگرانی رکھتا تھا۔ (۲) مال، جس کا تعلق آمد و خرچ سے تھا۔ یہ محکمہ غالباً گوداموں اور کانوں وغیرہ کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ (۳) فوج، اس کا کام یہ تھا کہ ملک میں امن و امان قائم رکھے اور بیرونی حملوں کی روک تھام کرے۔ (۴) پولس، کے ذمّہ یہ تھا کہ مجرموں

---

[1] اس سے موازنہ کریں۔ वेदोऽखिलो धर्ममूलं स्मृतिशीले च तद्विदाम् । आचारश्चैव साधूनामात्मनस्तुष्टिरेव च ॥

[2] ایضاً دوم، ۱

کو گرفتار کرے اور ملک میں نظم وضبط قائم کرنے کی کوشش کرے۔ (۵) عدالت، یہ محکمہ مقدمات طے کرتا اور انصاف کرتا تھا۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی تقسیم اور مقامی انتظام حکومت کے بارے میں کچھ کہا جائے۔ سلطنت (راشٹر) دیشوں یا جن پدوں (علاقوں یا صوبوں) میں منقسم تھی۔ ہر دیش اس سے چھوٹی اکائیوں (وشیوں) میں بٹا ہوا تھا جن میں نگر اور پُور (شہر) اور گرام (گاؤں) ہوتے تھے۔ نگر یا شہر کا انتظام ایسے افسر کے سپرد کیا جاتا تھا جو رعب و دبدبہ رکھتا تھا اور عوام بھی اس پر اعتماد کرتے تھے۔ شہری زندگی سے متعلق تمام معاملات میں وہ پوری طرح با اختیار تھا۔ (سردار یا ادھپتا) گاؤں کا انتظام گرامک کرتا تھا جسے حق الخدمت کے طور پر گاؤں کے لوگ ضرورت کا تمام کھانے پینے کا سامان اور ایندھن وغیرہ بہم پہنچاتے تھے۔ اس کے اوپر اور افسر ہوتے تھے مثلاً دس گاؤں کا افسر (دشی) جسے ایک کُل زمین (جسے بیلوں کی چھ جوڑ جوت سکتے تھے۔) ملتی تھی، بیس گاؤں کا افسر (ونشن تیش یا ونشی) ہوتا تھا، جسے پانچ کُل تفویض کیے جاتے تھے، سَو گاؤں کا افسر (ستس یا شتا دھیکش) ہوتا تھا۔ اس کے تصرف میں اخراجات کے لیے پورا گاؤں دے دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایک ہزار گاؤں کا افسر (سہسر پتی) کہلاتا تھا۔ اس کی تنخواہ شہر کے محصول سے ادا کی جاتی تھی۔ [1]

انصاف

سمرتیوں میں نزاع کے عام طور پر اٹھارہ عنوان مندرج ہیں، مثلاً قرضے، بیع بغیر حق ملکیت، حد بندی، بٹوارہ، مزدوری کی عدم ادائیگی، عہد نامہ کی خلاف ورزی، زنا، تشدد، ہتک عزت، چوری، رہزنی وغیرہ۔ چنانچہ دیوانی [2] اور فوجداری، دونوں قسم کے مقدمات ہوتے تھے۔ جن لوگوں پر چوری کا الزام یا

---

[1] ایضاً، ہفتم ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۱۹۔ وشنو نے بیس گاؤں کے مالک کا ذکر نہیں کیا۔

[2] دیوانی کے مقدمات اکثر اوقات عدالت میں نہیں بلکہ ثالثی کے ذریعہ طے کر دیے جاتے تھے۔

شبہ ہوتا تھا انھیں قسم کھا کر یا جسمانی اذیت کے ذریعہ جھوٹ سچ کا امتحان دے کر اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہوتی تھی۔ بعض اوقات ان پر یہ دونوں صورتیں عائد کردی جاتی تھیں۔ منو نے صرف دو قسم کی آزمائشوں کا ذکر کیا ہے۔ آگ اور پانی (ہشتم۔ ۱۱۴) لیکن یاگیہ ولکیہ اور نارد نے اس فہرست میں تین مدوں کا اور اضافہ کیا ہے (ناپ تول، ہل پھل اور زہر دینے کے قضئے)۔ برہسپتی سمرتی میں یہ فہرست نو اقسام تک پہنچ جاتی ہے۔ سزائیں جو تجویز کی گئی ہیں وہ بھی بہت سخت ہیں۔ مثال کے طور پر گائے چرانے والے کی سزا یہ تھی کہ اس کی ناک کاٹ دی جاتی تھی، اور جو دس "کمبھ" سے زیادہ ناج، سونا یا چاندی چراتا تو اُسے موت کی سزا دی جاتی تھی (ہشتم ۳۲۰، ۳۲۱) باغیانہ عمل کا مجرم بھی موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا تھا۔ اگر جرم کا مرتکب برہمن ہوتا تو اُسے ذات باہر کر دیا جاتا اور وراثت کے تمام حقوق سے وہ محروم ہو جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ منو نے اپنے قانون میں یہی رکھا ہے کہ برہمن سے جو بھی جرم سرزد ہو اُسے موت کی سزا ہرگز نہ دی جائے بلکہ صرف دیش نکالا دے دیا جائے (ہشتم، ۳۸۰) اسی کے ساتھ بہرحال یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسی قسم کے جرم کے لئے منو نے عام آدمی کے لیے ایک کارشاپن اور راجہ کے لیے ایک ہزار کارشاپن کا جرمانہ تجویز کیا ہے۔ (ہشتم ۳۳۶) یہ غالباً اس اصول کے تحت رکھا گیا ہے کہ جتنا نمایاں واقف کار اور بااثر آدمی ہو اتنی ہی زیادہ اس کی سزا ہونی چاہیے۔

جہاں تک قانونِ دیوانی کا تعلق ہے، صرف بعد کی سمرتیاں "معاہدوں اور کاروبار میں ساجھوں سے بحث کرتی ہیں۔ یہ تصور دوسری قدیم کتابوں اور سوتروں کے لئے بالکل اجنبی ہے۔ منو نے صرف مذہبی ساجھوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اگر کئی برہمن کوئی رسم ادا کرنے میں ایک ساتھ شریک ہوں تو وہ نذر (دکشنا) آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ لیکن یاگیہ ولکیہ نے تجارت اور زراعت میں بھی ساجھوں کا ذکر کیا ہے (دوم، ۲۶۵) اور اسی طرح نارد اور برہسپتی نے ساجھوں کا ذکر بھی کیا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ شرکا آپس میں حصے کس طرح تقسیم کریں۔ قانون کی کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ پیسہ قرض دیا جاتا تھا اور شرح سود پندرہ سے لے کر ساٹھ فیصدی تک وصول کی جاتی تھی جو مقروض کی "ذات" کے مطابق گھٹائی بڑھائی جاتی تھی۔ حد سے زیادہ سود خوری کو معیوب سمجھا جاتا تھا برہمن سے خاص طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ حد سے زیادہ سود وصول نہ کرے۔[1] اگر

[1] نارد نے برہمنوں کو سود پر روپیہ دینے کی قطعاً ممانعت کی ہے (نارد سمرتی، اول، سوئم)

قرض ادا نہ ہو سکتا تو شودر اس کے عوض مزدوری کر کے قرضہ ادا کر دیتا تھا۔ قرضہ کی وصولی کے لیے بعض اوقات یہ تدبیر بھی اختیار کی جاتی تھی کہ قرضہ دینے والا مقروض کے گھر کے آگے دھرنا دے کر بیٹھ جاتا اور مرن برت رکھ لیتا تھا۔

محصول

محصول اصولاً نرم اور مساوی رکھے گئے تھے۔ راجا کو مشورہ دیا گیا ہے کہ رعایا پر زیادہ بوجھ نہ ڈالے اور غیر معتدل اور حریصانہ طریقے استعمال نہ کرے۔ مثال کے طور پر مہابھارت میں ہدایت کی گئی ہے کہ راجا کو چاہیے رعایا سے محصول اس طرح وصول کرے جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے رس چوستی ہے یا بچھڑا گائے کے تھنوں سے دودھ کھینچتا ہے[1] عظیم مقنن منو نے تاجروں کو مویشیوں اور سونے کی تجارت میں منافع کا پچاسواں حصہ اور چاول وغیرہ کی پیداوار پر چھٹا حصہ، آٹھواں حصہ اور بارھواں حصہ وصول کرنے کی اجازت دی ہے (ہفتم ۱۳۰) اسی طرح گھی، شہد، عطریات، ترکاریوں، پھلوں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی تجارت میں منافع کے چھٹے حصے کی اجازت دی گئی ہے۔ کاریگر، لوہار، سنار اور مزدور مہینہ میں ایک دن بطور محصول مزدوری کرتے تھے (ہفتم ۱۳۸) شروتریوں کے لیے بہرحال محصول معاف تھے (ہفتم ۱۳۳) اس کے علاوہ جن لوگوں پر محصول معاف تھے وہ اندھے بہرے لنگڑے، بوڑھے اور وہ لوگ تھے جو شروتریوں کی مدد کرتے تھے (ہفتم، ۳۹۴) آخر میں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ سرکاری آمدنی کے اور بھی ذرائع تھے مثلاً ملکی مصنوعات پر چنگی، اشیائے درآمد پر محصول اور کشتیوں پر ٹیکس وغیرہ۔

پیشے اور تجارت

سمرتیوں میں جن پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن سے عوام کی مادی ترقی کا

---

[1] سانتی پرون، باب ۸۸، ۴-۸

بھی کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم لوہاروں، سناروں، تیلیوں، رنگ ریزوں، درزیوں، دھوبیوں، کمہاروں، جولاہوں، چمڑے کا کام کرنے والوں، شراب سازوں، تیر کمان بنانے والوں، بڑھیوں اور دھات کا کام کرنے والوں کا ذکر سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ مستری اور کاریگر لوگ تھے جو خصوصیت کے ساتھ سماج کے کارآمد رکن کی حیثیت رکھتے تھے۔ زراعت آبادی کی اکثریت کا سب سے بڑا سہارا تھی لیکن تجارت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ تجارت مبادلہ کے ذریعہ بھی ہوتی تھی اور سکہ کے ذریعہ بھی۔ سکے یہ تھے۔ سونے کا سُوَرن، چاندی کا روپیہ ماشک، دھرن اور سمان، اور تانبے کا کارشاپن (ہشتم، ۱۳۵-۱۳۷)۔ چیزوں کی قیمت سرکار مقرر کرتی تھی۔ کوئی شخص ملاوٹ کرتا یا جھوٹے پیمانوں اور باٹوں سے ناپ تول کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ قحط سالی کے موقع پر ناج یا ان اشیا کی برآمد جو سرکاری اجارہ داری میں تھیں، ممنوع تھی۔ تجارت کا سامان لانے لے جانے کے لیے مشہور و معروف سڑکیں بھی تھیں لیکن وہ غیر محفوظ تھیں۔ دریاؤں کا سفر کشتیوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا اور خشکی پر گاڑیوں میں یا جانوروں کی پیٹھ پر سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لایا لے جایا جاتا تھا۔

حصہ دوم

چھٹا باب

۱۔ گوتم بدھ کا عہد

فصل (۱)

ہندستان بدھ مذہب کے عروج سے پہلے

بدھ اور جین مذہب کی مقدس کتابوں کا بنیادی مقصد مذہب کی تعلیم و اشاعت تھا، نہ کہ سیاسی حالات پر روشنی ڈالنا۔ لیکن ان کتابوں میں جو روایتیں اور حکائتیں محفوظ ہیں اُن سے ہمیں تاریخی روشنی کی جھلک کہیں کہیں دکھائی دے جاتی ہے۔ چنانچہ ہمیں سولہ بڑی حکومتوں (سولَش مہاجن پدوں) کا حال بالکل ضمنی طور پر معلوم ہوجاتا ہے یہ حکومتیں (جن پد) ساتویں صدی ق۔م یا چھٹی صدی ق۔م کے اوائل میں ضرور موجود تھیں۔ کیونکہ بدھ مذہب کی قدیم ترین تحریروں میں ان کا ذکر آیا ہے [۱] اور خود بدھ (یا مروجہ تلفظ بدّھا) کے زمانے میں جو حالات تھے اُن سے یہ فہرست بالکل مطابقت نہیں کرتی۔ وہ ریاستیں حسب ذیل تھیں۔

(۱) کاشی جس کی راجدھانی کا نام بھی یہی تھا۔ اُسے وارانسی بھی کہا گیا ہے۔ برہم

---

[۱] ملاحظہ ہو انگتر نکائے (اول ۲۱۳، چہارم ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۰) بدھ مذہب کی سنسکرت کتاب مہاوستو میں یہ فہرست اس سے ذرا مختلف ہے۔ جین مذہب کی کتاب بھگوتی سوتر میں بھی نام مختلف ہیں۔

دت خاندان کے دورِ حکومت میں یہ ریاست سب سے زیادہ خوش حال تھی۔ تیرتھنکر پارشوا کے باپ آشوسین کاشی کے قدیم ترین راجاؤں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

(۲) کوشل: بدھی دور میں اس کا دارالسلطنت ضلع گونڈا میں ساوتھی (شراوستی) یامہیٹ مہیٹھ تھا۔ اس سے پہلے ساکیت اور اجودھیا اس کے دارالسلطنت تھے۔ کاشی اور کوشل کے راجہ اکثر نبرد آزما رہتے تھے۔ کوشل کا کنس نامی راجہ جسے پالی ادب میں تواتر کے ساتھ "باران سگ گاہو" کہا گیا ہے، آخرکار کاشی کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہرنہج اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پسے ندی کا باپ مہا کوشل کاشی پر پورا پورا اقتدار رکھتا تھا۔

(۳) انگ: یہ مگدھ کے مشرق میں واقع تھی اور بھاگلپور کے قریب چمپا اس کی راجدھانی تھی۔ معلوم ہوتا ہے بعض انگ راجاؤں نے مگدھ کے معاصر راجاؤں کو شکستیں دیں، لیکن آخر میں مگدھ کو بہرحال فتح نصیب ہوئی۔

(۴) مگدھ: اس میں موجودہ پٹنہ اور گیا کے ضلع شامل تھے اور گریوراج اس کی راجدھانی تھی۔ بدھا سے پہلے مگدھ کے حکمرانوں میں برہ درتھ اور اسکا ٹرکا جراسندھ قابلِ ذکر ہیں۔

(۵) وجی: یہ آٹھ قبیلوں کی متحدہ ریاستوں کا ایک طاقتور جتھا تھا اور ان میں سے ہرایک پر اس کا نام رکھا گیا تھا۔ دوسرے اہم قبیلے جو اس میں شامل تھے وہ یہ تھے۔ لچھوی، ودیہہ، اور گیا ترک۔ بدھی ادب میں اس کا محلِ وقوع ویشالی بتایا گیا ہے اور یہی متحدہ ریاستوں کا صدر مقام بھی تھا۔

(۶) ملاّ: ان کا علاقہ پہاڑ کے نشیب میں غالباً وجیان کی متحدہ ریاستوں کے شمال میں واقع تھا۔ ان کی دو شاخیں تھیں جن کی راجدھانیاں کشی نارا اور پاوا تھیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ملاؤں کی ریاست بدھی دور سے پہلے ایک شخصی حکومت تھی۔

(۷) چیٹی یا چیدی: چیٹیوں کا علاقہ جسے قدیم دستاویزات میں چیدی کہا گیا ہے

جمنا کے قریب تقریباً وہاں واقع تھا جہاں آج بندیلکھنڈ اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ واقع ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر شکتی متی یا سوتھتی نگر تھا۔

(۸) ونش یا وتس: وچھوں کا ملک جمنا کے کنارے اونتی کے شمال ومشرق میں واقع تھا اور کوشامبی یا کوسمبی (الہ آباد سے تیس میل دور موجودہ کوسم) اس کی راجدھانی تھی جس راجا نے ہستناپور کی تباہی کے بعد یہاں پہلی بار سکونت اختیار کی وہ نی چک شو تھا۔ بدھا کے معاصر اُدین کا باپ پرنتپ اسی بھرت خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

(۹) کورو: کوروؤں کی مملکت دلی سے متصل تھی۔ اس کے شہروں میں اندپتہ (اندرپرستھ) اور ہستی پور (ہستناپور) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ کوروؤں نے اپنی سیاسی طاقت اب کھو دی تھی۔

(۱۰) پنچال: یہ علاقہ اندازاً موجودہ روہلکھنڈ اور وسطی دوآب کے کچھ حصہ سے مطابقت رکھتا تھا اس کے دو حصے تھے۔ شمالی اور جنوبی۔ گنگا ان دونوں کی حدِ فاصل تھی۔ ان دونوں کی راجدھانیاں، علی الترتیب اُہچ چھترا اور کام پلیہ تھیں۔ پنچال کا ایک قدیم راجا دُم نکھ (دُرمکھ) ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی کے لیے ممتاز ہے۔

(۱۱) مچھ یا متسیہ: متسیہ خاندان جمنا کے مغرب اور کوروؤں کی ریاست کے جنوب میں حکومت کرتا تھا۔ وِراٹ نگران کی راجدھانی تھی (موجودہ بیراٹ، ریاست جے پور)۔

(۱۲) شورسین: شورسین اس ریاست کے مالک تھے جس کی راجدھانی متھرا تھی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں یادو گھرانے نے بڑی قابلیت سے حکومت کی۔

(۱۳) اس سک: بدھا کے زمانے میں اُس سک خاندان کے لوگ دریائے گوداوری پر سکونت پذیر تھے۔ اور ان کا خاص شہر پوتلی یا پوتن تھا، لیکن جب فہرست مرتب کی گئی تو معلوم ہوا ان کا علاقہ اونتی اور متھرا کے درمیان میں پھیلا ہوا تھا۔

(۱۴) اونتی یا مغربی مالوہ: اس کا دارالسلطنت اجین تھا۔ اس کے جنوبی حصہ

کا بڑا شہر ماہیتّی یا ماہشمتی (موجودہ مان دھاتا) تھا جہاں قدیم زمانے میں ہے ہیۃ خاندان حکومت کرتا تھا۔

(۱۵) گندھار یعنی موجودہ مشرقی افغانستان؛ اس کا دارالسلطنت تکشیلا تھا (موجودہ ٹیکسیلا ضلع راولپنڈی) اس ریاست میں غالباً کشمیر بھی شامل تھا۔

(۱۶) کمبوج: یہ خاندان شمال مغرب میں بھی اقتدار رکھتا تھا۔ لوجی دستاویزات اور ادب میں انھیں گندھارا سے متعلق ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم راج پور اور دوارکا کا حال بھی سنتے ہیں جو اس کے اہم شہر تھے[۱]

یہ فہرست کئی جہتوں سے بہت عجیب ہے۔ اس میں انگ اور کاشی کا ذکر خود مختار ریاستوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور اُڑیسہ، بنگال یا اونتی سے جنوب کے کسی ایک مقام کا اس میں ذکر تک نہیں کیا گیا ہے۔

فصل (۲)

ہندستان بُدھا کے زمانے میں

(۱) جمہوری یا خود مختار قبیلے

پالی ادب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بدھا کے زمانے میں شخصی حکومتوں کے علاوہ بہت سی جمہوری یا خود مختار ریاستیں بھی پائی جاتی تھیں جن میں سے بعض معمولی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن بعض کافی طاقت ور تھیں۔[۲] ان قبیلوں میں سے حسب ذیل کا حال ہمیں معلوم ہے۔

(۱) کپل وستو، یا کپلُ وستو کے شاکیہ قبیلے کے لوگ یہ قبیلہ نیپال اور برطانوی

---

[۱] ملاحظہ ہو رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۸۱ تا ص۱۲۹، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول ص۱۷۲، ص۱۷۲، رھیس ڈیوڈس، بدھسٹ انڈیا، ص۲۳ ۔ ص۲۹

[۲] ملاحظہ ہو بی۔ سی۔ لا، کشاتریہ کلانس ان بدھسٹ انڈیا (۱۹۲۲ء)؛ بدھسٹ انڈیا ص۲۳، ص۲۹

علاقہ (اب آزاد ہندستان) کی سرحد پر آباد تھا۔ اُن کی راجدھانی کو موجودہ تلورا کوٹ کے مماثل بتایا گیا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب سورج ونشی نسل کے اِکشِ واکو سے ملاتے تھے۔

(۲) سُن سوگری کے بھگ: یہ ایک قدیم قبیلہ تھا جو ائیتریہ براہمن کے بُھرگ قبیلہ کے مماثل تھا۔ ڈاکٹر جیسوال کی رائے ہے کہ ان کا صدر مقام مرزا پور کے ضلع میں کہیں واقع تھا۔ [1]

(۳) اَلاّکپُّ کے بُلی: ان کے متعلق ہمیں زیادہ معلوم نہیں۔ یہ ویتھ دیپ کی ریاست کے قرب وجوار میں، غالباً موجودہ شاہ آباد اور مظفر پور کے درمیانی علاقہ میں آباد تھے۔

(۴) کیس پُتّ کے کالم: ان کی راجدھانی کا تعین مشتبہ ہے۔ کیا ان کا تعلق کیشنوں سے ہے، جن کا ذکر ست پتھ براہمن میں پنچالوں کے ذیل میں کیا گیا ہے؟ بدھا کے عظیم استاد آلرا سی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(۵) رام گام کے کولیہ: یہ شاکیوں سے مشرق میں آباد تھے اور دریائے روہنی ان دونوں علاقوں کی حدِ فاصل تھی۔ ان کے باہمی تعلقات عام طور پر خوش گوار رہتے تھے، لیکن ایک مرتبہ روہنی کے پانی پر اُن میں آپس میں جھگڑا ہوگیا۔

(۶) پاوا کے مَلاّ: کننگھم نے انھیں گورکھ پور کے ضلع میں پڈرَونا کے مماثل قرار دیا ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ فاضل پور قدیم پاوا کی جگہ آباد ہوا ہے۔

(۷) کُشی نارا کے مَلاّ: یہ موجودہ کسیا کے مماثل تھے۔ جہاں ایک چھوٹا سا مندر دریافت کیا گیا ہے۔ اس میں بدھا کا ایک عظیم الجثہ مجسمہ ہے جس میں انھیں پری بنان (پری نروان) آسن میں پیش کیا گیا ہے۔

(۸) پپ پھلی بَن کے موریہ: ان کی راجدھانی کا تعین مشتبہ ہے۔ انھیں شاکیوں ہی کی ایک شاخ بتایا جاتا ہے یہ نام ان کا اس لیے پڑا کہ یہ مقام ہمیشہ موروں (مور) کی آواز سے گونجتا تھا۔

---

[1] ہندو پالیٹی، ص۴۹۔

(۹) متھِلا (نیپال کی سرحد کے اندر موجودہ جنک پور) کے ودیہہ : ودیہہ میں کبھی مشہور و معروف راجا جنک حکومت کیا کرتا تھا جس کا ذکر اپنشدوں میں آیا ہے۔ لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اب اس میں شخصی حکومت نہیں رہی تھی۔

(۱۰) وَیشالی یا ضلع مظفر پور میں موجودہ بَساڑ کے لچھوی: اس وقت یہ ایک اہم قبیلہ تھا۔ یہ چھتری تھے اور اسی نسبت سے انھیں بدھا کے تبرکات کا حصہ ملا۔ انھوں نے مہاویرا اور بدھا دونوں سے رابطہ قائم کیا اور اُن کے خطبوں اور تعلیمات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا۔ اس کی شہادت بھی ملتی ہے کہ لچھوی ریاست کی حکمراں مجلس میں ۷۷۰۷ راجا شامل تھے۔ لچھوی قبیلہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کی اس حکمراں مجلس کی نشستیں اکثر ہوتی تھیں اور حاضری مکمل ہوتی تھی۔ ان مجلسوں میں بحث و مباحثہ ہوتا تھا، مگر ہمیشہ اتحاد و اتفاق کا ماحول طاری رہتا تھا۔

شاکیوں کی تفصیلات

چونکہ بدھا خود شاکیہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے بدھ مذہب کی کتابوں میں ظاہر ہے شاکیوں کی تفصیلات زیادہ ملتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے ارباب حل وعقد میں سب سے اہم صدر ہوتا تھا، جو راجا کہلاتا تھا۔ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ وہ شرفا کے کسی مخصوص خاندان سے چنا جاتا تھا یا کسی خاص مدت کے لیے اس کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ چنانچہ بدھا کے باپ سدودھن راجا تھے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اُن کے چچیرے بھائی بھدیہ بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔ قبیلہ کا سارا کام کھلی سبھا میں ہوتا تھا جو سنتھاگار (یا ہال) میں منعقد ہوتی تھی۔ اس میں جوان بوڑھے، امیر، غریب سب شریک ہوتے تھے۔ بدھ مذہب کی کتابوں سے ہمیں یہ اندازہ بھی پوری طرح ہو جاتا ہے کہ سبھا میں جو بدھ سنگھ کے نمونے پر تشکیل کی گئی تھی معاملات پر کس طرح غور کیا جاتا تھا[۱] ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ

[۱] ملاحظہ ہو جیسوال، ہندو پالٹی، ص ۱۰۳ تا ۱۱۷؛ جرنل آف یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی، نومبر ۱۹۳۴ء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

سبھا کے جلسے پابندی سے ہوتے تھے اور ان میں نشست کا انتظام بہت باقاعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ کام ایک خاص افسر آسن پنّاپک یا آسن پرگیاپک کے سپرد تھا۔ ہر جلسہ میں مقررہ تعداد کی حاضری ضروری تھی، لیکن سبھا کے صدر (ونے دھر) کا شمار کورم کے لیے نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک خاص افسر (وُتھپ" یاگن پورک) کا فرض تھا کہ وہ کورم پورا کرنے کے لیے اراکین مجلس کی حاضری کا بندوبست کرے۔ سبھا کی کارروائی کی تجویز (نتی یا گیاپتی) کی پیشی (استھاپنا) سے شروع ہوتی تھی جس کے فوراً بعد اعلان (انستاونم) کردیا جاتا تھا۔ بحث و مباحثہ صرف زیرغور تجویز تک محدود رہتا تھا۔ بے مطلب باتوں سے پرہیز کیا جاتا تھا اور کوشش یہ کی جاتی تھی کہ کوئی جھگڑا درمیان میں نہ ہو۔ منظور شدہ تجویز (پرتگیہ) ایک بار (گیاپتی دوتیہ کم) اور بعض اوقات تین بار (گیاپتی چتتھ کم) پڑھکر سنائی جاتی تھی۔ تجویز پر اراکین کی خاموشی منظوری کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جب اختلاف رائے پایا جاتا تھا تو اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ مثلاً معاملہ غور و خوص کے لیے کسی چھوٹی سی کمیٹی کے سپرد کردیا جاتا تھا تاکہ تجویز بہ اتفاق آرا منظور ہو۔ اگر اتفاق آرا ممکن نہ ہوتا تو رائیں (چھند) کرلی جاتی تھیں۔ رائے شماری ٹکڑوں (سلاکار) کے ذریعہ ہوتی تھی۔ عام طور پر مختلف رنگ کی لکڑی کی پیٹیاں مختلف رائیں ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ رائے شماری کرنے والے افسر کو سلاکا گاھاپک کہتے تھے۔ اُس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کسی قسم کے تعصب، عناد، یا خوف کا مظاہرہ نہ کرے۔ رائے دیتے میں ہر شخص کلیتاً آزادی رکھتا تھا اور کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اکثریت کی رائے (یلے بھیہ سکم) فیصلہ کن مانی جاتی تھی کسی مسئلہ میں جب ایک بار فیصلہ ہوجاتا تو اسے دوبارہ نہیں چھیڑا جا سکتا

بقیہ حاشیہ) جلد ہفتم، حصہ دوم، ص۵۹ تا ص۹۱، بی۔سی۔ لاکشا تریہ کلانس اِن بدھسٹ انڈیا، ص۱۰۱ تا ص۱۱۹

تھا منشی یا کلرک تمام کارروائی کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ اس طرح تمام طریقۂ کار صحیح معنوں میں جمہوری طرز کا تھا۔ کئی جہتوں سے اسے جدید پارلیمانی طریقۂ کار کا ابتدائی نمونہ کہہ سکتے ہیں۔

قبیلہ کی گذر بسر کا دارومدار چاول کی پیداوار پر تھا۔ ان کے مویشی گاؤں کی مشترکہ زمینوں یا بنوں میں چرتے تھے۔ کئی کئی گاؤں مل کر ایک جتھا بنا لیتے تھے گاؤں میں زیادہ تر ایک ہی پیشہ کرنے والے آباد ہو جاتے تھے۔ مثال کے طور پر کمہار، لہار، سنار، بڑھئی یا پوجا پاٹ کرنے والے سب اپنی اپنی جداگانہ بستیاں بسا لیتے تھے۔ شاکیہ قبیلے کے لوگ عام طور پر پُرامن تھے اور چوری یا دیگر جرائم ان کے علاقہ میں کمیاب تھے۔ غالباً ان کے یہاں کولیوں کی طرح پولس کا باقاعدہ انتظام تھا ان کے پولس کے افسر ایک خاص قسم کی ٹوپی سے پہچانے جاتے تھے اور اپنے جبر و تشدد کے لیے بدنام تھے۔ مجرم جب گرفتار کر لیا جاتا تھا تو اسے عدالت میں پیش کیا جاتا جہاں بڑی احتیاط کے ساتھ اس پر مقدمہ چلایا جاتا تھا۔ بدھ گھوش نے مہا پری نبان سوُت کی جو تفسیر "اٹھ کتھا" لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجی قبیلہ کے لوگ عدالت کا ایک بہت پیچیدہ نظام رکھتے تھے۔ وہ سزائیں اپنی کتاب "نظائر" (پونیو پوتھک) کے مطابق دیتے تھے جب کئی عدالتیں مثلاً جج (وِنِچھ مہامات) وکلا (دھارک) قانون کے پنڈت (سوتر دھر)، آٹھ اراکین پر مشتمل مجلس (آٹھ کُل)، سپہ سالار (سینا پتی)، نائب کارپرداز (اُپ راجہ)، اور کارپرداز (راجہ)، سب یکے بعد دیگرے اور پے در پے کسی شخص کو مجرم قرار دیتے تب اسے سزا دی جاتی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی عدالت اگر ملزم کو بے گناہ پاتی تو اسے بری کر سکتی تھی۔ ؎

شخصی حکومتیں

بدھا کی زندگی میں ملک کی سیاسیات میں جو اہم ترین واقعہ

؎ رہس ڈیوڈس، بدھسٹ انڈیا، صفحہ ۲ تا ۲۳؛ بی۔ سی۔ لا۔ کشاتریہ کلانس ان بدھسٹ انڈیا، صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱

رونما ہوا وہ تھا کوشامبی (وتس)، اونتی، کوشل اور مگدھ [1] وغیرہ ریاستوں کا عروج۔ اُن پر اب طاقتور حکمراں حکومت کر رہے تھے۔ جنھوں نے توسیع سلطنت اور پڑوسی ریاستوں کو ضم کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں آپس میں اختلافات ونزاعات پیدا ہو گئے اور آخر میں وہ سب کے سب ایک زبردست سلطنت میں ضم ہو گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) وتس: اس ریاست کی راجدھانی کوشامبی یا کوسمبی الہ آباد کے جنوب میں جمنا کے کنارے واقع تھی۔ اس علاقہ کا حکمراں بھرت خاندان کے ستانیک پرنتپ کا لڑکا اُدین یا اُدین بدھا کا معاصر تھا۔ روایت میں اس کی محبت اور جنگ کے کارناموں کی بے شمار داستانیں محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر اُدین وتھو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ اونتی کے راجا پجوت (پردیوت) نے اسے غالباً جنگ میں گرفتار کر لیا [2]، لیکن اس نے بڑی چالاکی سے اپنے حریف کی لڑکی واسل دتا یا واسودتا کو اغوا کر لیا اور اپنی راجدھانی میں لاکر اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اسی طرح دوسری داستانوں میں اُدین کی رانیوں کا ذکر آتا ہے جن میں سے ایک دھردھ ورمن کی لڑکی تھی جسے اس نے انگ کی راج گدی دلوائی اور دوسری مگدھ کے راجا درشک کی بہن پدماوتی تھی۔ اس کے علاوہ سنسکرت کی بعد کی کتابوں۔ کتھا سرت ساگر اور پریہ درشکا سے ہمیں اس کی دگ وجے اور دور دراز کلنگ میں فتوحات کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روایتوں کے ان مضمرات پر اعتماد کرنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ اُدین ایک طاقتور حکمراں تھا اور وہ اپنے معاصرین سے برسرپیکار رہتا تھا، نیز اس نے اونتی مگدھ اور انگ کی ریاستوں سے ازدواجی رشتے قائم کیے۔

ہم نہیں جانتے کہ اس کے بعد اس کا لڑکا بودھی کمار [3] گدی نشین ہوا

---

[1] ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر: کارمائیکل لکچرس آن واھسٹری آف انڈیا، ۱۹۱۹ء [2] روایت میں ہے کہ اُدین جو بانسری بجانے میں بڑا ماہر تھا ایک مرتبہ اس جال میں پھنس گیا جو پردیوت نے چالاکی سے اس کے لیے بچھایا تھا۔ ملاحظہ ہو اے۔ کے۔ دیت۔ ادین وتس راج (کلکتہ ۱۹۱۹ء) [3] مجھم نکائے کا ایک سوتانت بودھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

یا نہیں، البتہ کتھا سرت ساگر ہمیں پتہ دیتی ہے کہ پَردیوت کے لڑکے پالک نے کوسمبی کی ریاست کو اونتی میں شامل کر لیا۔

آخر میں بدھا کے زمانے سے کوسمبی بدھوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اُدین شروع شروع میں نئی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوا، لیکن بعد میں پنڈول نامی بدھ بھکشو کی گفتگو سے وہ مطمئن ہو گیا۔

(۲) اونتی: اس عہد میں اونتی پر چنڈ پَجوت (پَردیوت) حکومت کرتا تھا۔ اُجّینی اس کی راجدھانی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اس نے کوشامبی کے راجہ اُدین اور شاید متھرا کے شورسین راجہ سے جو رونتی پُتّو، بھی کہلاتا تھا، ازدواجی رشتے قائم کیے۔ پَجوت فطرتاً ظالم اور ہوس پرست آدمی تھا[1] پُران شاہد ہیں کہ اُس نے "پڑوسی راجاؤں کو اپنا مطیع بنا لیا" ہم نے متذکرہ بالا سطور میں اُدین سے اُس کی جنگ کا حال بھی پڑھا۔ اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اجات شترو کو اپنی راجدھانی میں پَجوت (پَردیوت) کے حملہ سے تحفظ کے لیے قلعے بندی کرنی پڑی۔ اس کے جانشین سب کمزور تھے۔ تاریخ میں ان کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ البتہ ان میں سے پالک نامی راجہ نے کوسمبی کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا، لیکن گوپال کے لڑکے اَجسک یا آرْیک نے جو اپنے بھائی پالک کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا تھا اسے شکست دے دی۔ اس کے برخلاف پُرانوں میں ان دونوں کے درمیان ایک اور نام وِشاکھ یوپ کا ملتا ہے[2] اور اس کے بعد اونتی وردھن کا نام آتا ہے۔

اونتی بدھ مت کا دوسرا اہم مرکز تھا۔ بدھا کے کئی معتقدین مثلاً مہا کچھان،

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) کمار سے منسوب ہے۔ ولی عہد کی حیثیت سے غالباً وہ سنسُمگری کے علاقہ میں حکومت کرتا تھا جہاں اس نے اپنے لیے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا۔

[1] پردیوت کو اس کی بڑی فوج کی نسبت سے مہاسین بھی کہتے ہیں (دیکھو　तस्य
बलपरिमाणानिर्वृत्तनाम चय महासेन इति)　(سوپنا واس دتا
پنجم/۲۰) [2] بہرحال یہ کوئی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

ستون، اچھے کمار، وغیرہ کا یہ مسکن تھا۔ رہس ڈیے وڈس کا یہ خیال واقعی درست ہے کہ بدھ مت نے مگدھ میں جنم لیا اور اونتی میں لباس پہنا، یعنی پالی کی شرع اُس زبان میں تصنیف ہوئی جو اس وقت وہاں رائج تھی۔

(۳) کوشل: شمالی ہند کے وسط میں کوشل کا عروج چھٹی صدی ق.م کے سیاسی ماحول کی اہم خصوصیت تھی۔ راجہ کنس، بدھا کے کوشلی معاصر، پسنے ندی (پرسینن جت) کے مورثوں میں سے تھا۔ اس کے زمانے میں کوشل اور کاشی کی پرانی دشمنی ختم ہو گئی تھی۔ اور کاشی کی ریاست کوشل میں ضم کر لی گئی تھی، پالی ادب میں ایسے حوالے بھی ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاکیوں نے کوشل کی قیادت تسلیم کر لی تھی۔ پسنے ندی کو اکثر مقامات پر "پانچ راجاؤں کے جتھے کا سردار" ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مگدھ کے راجا بمبسار سے اس کی بہن کی شادی نے اُس کی طاقت کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ لیکن یہی شادی کے بعد میں اختلافات اور نتیجہ میں جنگ کا باعث ثابت ہوئی کیونکہ جیسا کہ ہم مندرجۂ ذیل سطور میں دیکھیں گے جب بمبسار کو اس کے بیٹے اجات شترو نے بھوکا مار دیا تو بمبسار کی بیوی کوشل دیوی بھی اس غم میں مر گئی۔ اس کے بعد پسنے ندی نے شہر کاشی کو ضبط کر لیا جو کوشل دیوی کو "پاندان کے خرچ" (نہان چُنا مول) کے بطور دیا گیا تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ کوشل اور مگدھ میں جنگ چھڑ گئی جو کچھ عرصے بڑے پیمانہ انداز میں جاری رہی۔ اس میں کبھی فتح ایک کی ہوتی کبھی دوسرے کی۔ آخر کار فریقین صلح پر مجبور ہو گئے۔ صلحنامہ کی رو سے پسنے ندی نے اپنی لڑکی وجِرا کی شادی اجات شترو کے ساتھ کر دی اور کاشی کی مالگذاری جس پر نزاع تھا اس کے حق میں واگذاشت کر دی۔

پسنے ندی کی تعلیم ٹکشیلا میں ہوئی تھی۔ وہ ایک وسیع القلب حکمراں تھا۔ اس نے برہمنوں کو جاگیریں دیں اور بدھ بھکشوؤں کو باغات سے نوازا اور ان کے لیے خانقاہیں بنوائیں۔ بدھا سے اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور وہ اُن سے اکثر ملاقات کرتا اور مشکلات میں اُن سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ پسنے ندی نے ایک دفعہ اس پر اظہار تعجب کیا کہ یہ عظیم مصلح اپنے سنگھ

(جماعت) میں اس قدر اتفاق و اتحاد کس طرح قائم رکھتا ہے جبکہ وہ خود انگلی مالا جیسے ڈاکوؤں کی لوٹ مار اور اپنے اہل خاندان اور وزرا کی ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ پسے ندی کے وزیر ڈِنٹھ چاراین نے اس کے بیٹے وِڈوڈابھ (وِرودھک) [1] کو اکسا دیا اور اس نے باپ کے خلاف بغاوت کردی۔ جس کے نتیجہ میں پسے ندی سے راج گدی چھن گئی۔ پسے ندی نے اجات شترو سے مدد مانگی، لیکن راج گرہ پہنچنے سے پہلے کوشل کے راجا نے تھکن اور فکر و پریشانی سے تنگ آکر کوشل کے شہر پناہ پر پہنچ کر دم توڑ دیا۔ اجات شترو نے اس کا جنازہ شاہانہ شان و شوکت سے نکالا اور بڑی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے وِڈوڈابھ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

وڈوڈابھ

وڈوڈابھ نے شاکیوں پر جو مظالم کیے ان کی وجہ سے اس کا دورِ حکومت بدنام رہا [2] بظاہر اس کا سبب یہ تھا کہ شاکیوں نے ایک غلام لڑکی واسبھ کھتیا کی شادی دھوکے سے اس کے باپ کے ساتھ کرادی تھی۔ اس دھوکے بازی کا بدلہ لینے کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ شاکیہ ریاست پر اس کے حملہ کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ اُن کی آزادی کو مکمل طور پر ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہم وڈوڈابھ اور اس کے جانشینوں کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے [3] پردہ جب پھر اُٹھتا ہے تو کوشل مگدھ کے جزو کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

---

[1] وِرودھک اور کشودِرک اسی نام کی دوسری شکلیں ہیں

[2] وڈوڈابھ یا ودھک نے شاکیوں پر حملہ کیا اور اُن میں سے سینکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ بدھا کے انتقال سے کچھ ہی پہلے پیش آیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ شاکیہ اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [3] ان کے نام یہ ہیں کُلک، سُرتھ، اور سُمیتر۔ دیکھیے۔

शुद्धात कलनो भावय : कुलनात सुरथ : स्मृत : ।
सुमित्र : सुरथस्यापि अन्तेऽयस्य भविता नृप : ।।

مگدھ

ویدی ادب میں مگدھ کے علاقہ سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کی سیاسی اہمیت اس خاندان کے وقت سے شروع ہوئی جس کا بانی برہ درتھ تھا۔ اس کا لڑکا جراسندھ جو بہت سی مبالغہ آمیز داستانوں کا ہیرو ہے، معلوم ہوتا ہے طاقتور حکمراں تھا۔ چھٹی صدی ق۔م میں اس خاندان کا زوال ہوگیا، کیونکہ جب بدھا حیات تھے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے، اس وقت مگدھ پر بمبسار حکومت کر رہا تھا۔ اس کا تعلق ہریانک کل (ہریانک خاندان) سے تھا۔ وہ ایک معمولی سردار بھٹیہ کا لڑکا تھا۔ اسے سینیا یا سینیکا بھی کہتے تھے۔ شروع شروع میں اس کا دربار گریوراج میں لگتا تھا، لیکن بعد میں اس کی راجدھانی اس کے محل کے اردگرد ایک دوسرے مقام پر بن گئی جس کا نام بجا طور پر لوگوں نے راج گریہہ[1] رکھ دیا۔

شروع شروع میں بمبسار نے ازدواجی تعلقات کے ذریعے اپنے اثرات بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کی خاص خاص رانیاں یہ تھیں۔ پسینے ندی کی بہن کوشل دیوی، مچھوی راجکمار چیٹک کی لڑکی چیلنا، اور وسطی پنجاب کی راجکماری کشیماندر۔ ان شادیوں سے نہ صرف بمبسار کی بزرگی و برتری معاصرین میں ظاہر ہوتی ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادیاں ہی مگدھ کے عروج کا سبب بن گئیں۔ مثال کے طور پر تنہا کوشل دیوی اپنے ساتھ کاشی جہیز میں لائی جس کی مال گذاری ایک لاکھ تھی۔

بمبسار نے فوجی قابلیت سے بھی اپنی ریاست میں توسیع کی۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ برہم دت کو شکست دینے کے بعد اس نے بڑی دلیری سے انگ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا جو موجودہ منگھر اور بھاگلپور کے ضلعوں سے مطابقت رکھتی تھی۔ پالی زبان میں بدھ گھوش کی تفسیر سے مگدھ کے حدود کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے اور یہ

---

[1] ہم نے پالی روایات کا سہارا لیا ہے۔ اس کے برعکس پران بمبسار کو شیشوناگ کا وارث ظاہر کرتے ہیں دیکھیے مندرجہ ذیل[2] یہ وہی ہے جو موجودہ راج گیر ہے۔ قدیم راجدھانی کی حفاظتی دیواریں ہندوستان کی سب سے اہم اور ممتاز دریافتوں میں سے ہیں۔ راج گریہہ گریوراج کے بیرونی حدود جنوبی حصہ

بات صاف ہو جاتی ہے کہ بمبسار کے عہدِ حکومت میں کئی دوسرے علاقے مگدھ میں ضم کر لیے گئے تھے۔ بدھ گھوش کہتا ہے کہ بدھا کے زمانے سے بمبسار کے جانشین تک کے درمیانی وقفہ میں مگدھ کے حدودِ سلطنت تقریباً دوگنے ہو گئے تھے۔ حکومت بہت منظم تھی اور مملکت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کے کام کی جنھیں مہاماتّہ (مہاماترُ) کہتے تھے سختی کے ساتھ نگرانی اور جانچ کی جاتی تھی قانون فوجداری کا نفاذ بھی بہت سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

بمبسار نے دُور دراز کی ریاستوں سے بھی تعلقات قائم کیے، کیونکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دربار میں گندھار کے پکوساتی نامی راجا نے سفارت بھیجی۔ ضمنی طور پر اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گندھار تقریباً ۵۱۶ ق۔م میں آکمینی فتح سے قبل ایک خودمختار ریاست کی حیثیت رکھتا تھا۔ حقیقت سے تقریباً نزدیک پہنچنے کے لیے ہم ایک اور طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ لنکا کی تاریخیں شہادت دیتی ہیں کہ بمبسار کا دَورِ حکومت ۵۲ سال رہا[1] اور بدھا کی وفات کے وقت اجات شترو ۸ سال حکومت کر چکا تھا۔ گیگر اور دوسرے عالموں نے بدھا کی وفات ۴۸۳ ق۔م قرار دی ہے اس میں ساٹھ سال جمع کر دیے جائیں (۵۲ + ۸) تو ہمیں بمبسار کی تخت نشینی کی تاریخ یعنی ۵۴۳ (نفی) ۵۴۴ دستیاب ہو جائے گی[2] بمبسار بدھا کا شروع ہی سے مربی و محسن تھا اور اس نے بانسوں کے مشہور و معروف باغ (کرندویوان) بدھا کی طیبِ خاطر کے لیے اُن کی نذر کیا۔ وہ بھکشوؤں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس نے بھکشوؤں کو کرائے اور کشتیوں کے محصول سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ لیکن بمبسار نے دوسرے فرقوں کو بھی عطیات سے نوازا اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس راستہ پر کہاں تک کامیابی کے ساتھ چل سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتراج ہینُ (اترادھینُ) سوترا اور دوسری جین مذہب کی کتابیں بمبسار کو مہاویر کا معتقد اور جین دھرم کا پیرو ظاہر کرتی ہیں۔

اجات شترو

بمبسار کے بعد تقریباً ۴۹۱ ق۔م میں اجات شترو کو جسے کُنِکُ بھی کہتے ہیں

---

[1] پرانوں کی سند سے بمبسار کا دَورِ حکومت ۲۸ سال رہا۔

[2] ملاحظہ ہو پولٹیکل ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۱۸۵ تا صفحہ ۱۸۶

مگدھ کی راج گدی ملی۔ باپ کی زندگی میں اجات شترو انگ کی راجدھانی چمپا کا وائسرائے تھا جہاں اس نے فن حکمرانی میں مہارت حاصل کی۔ روایت میں ہے کہ اجات شترو نے بدھا کے چچازاد بھائی دیودت کے اکسانے سے جو سنگھ کی قیادت کا امیدوار تھا اپنے باپ کو قید کر دیا اور بھوکا مار ڈالا[1] اس داستان کو حرف بہ حرف تسلیم کرنا مشکل ہے، البتہ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بمبسار کا انجام المناک ہوا اور اس میں مکر و فریب کو بھی شاید کافی دخل رہا۔[2] اس کے بعد سامن پھل سوتا اجات شترو کو بدھا کے سامنے اس بہیمانہ جرم پر اظہار تاسف کرتے ہوئے ظاہر کرتا ہے اور یہ عظیم مصلح اس کی توبہ قبول کر کے اسے گھر" جانے اور آئندہ پاپ نہ کرنے" کی ہدایت کر دیتا ہے بھاڑوت کی سنگ تراشی کا ایک نمونہ جو دوسری صدی ق۔م کی یادگار ہے اجات شترو کی بدھا سے ملاقات کی تصویر پیش کرتا ہے:

شوہر کی اس طرح دردناک موت سے کوشل دیوی کو صدمہ عظیم پہنچا اور فرط غم سے وہ بھی مرگئی۔ پسے ندی نے کاشی کی مالگذاری جو اس کے حق میں "پاندان کے خرچ" کے بطور واگذاشت کی گئی تھی، ضبط کرلی۔ یہ واقعہ اجات شترو اور پسے ندی کی باہمی دشمنی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دونوں میں ایک طویل عرصے تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا، جس میں پلہ کبھی ایک کا بھاری رہتا کبھی دوسرے کا۔ آخر کار دونوں میں صلح ہوگئی۔ صلحنامہ کی رو سے مگدھ کے راجا کو نہ صرف متنازعہ کاشی حاصل ہوا بلکہ پسے ندی کی لڑکی وجرا سے اس کی شادی بھی ہوگئی اور اس کے بعد کاشی مستقل طور سے مگدھ کی سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔

اجات شترو کے دور حکومت کا اگلا اہم واقعہ یہ ہے کہ اُس کے اور مجھوی خاندان کے درمیان مجادلہ ہوا۔ اس مجادلہ کے اسباب کیا تھے، اس پر روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا سبب یہ ہو کہ چیٹک نے اجات شترو

---

[1] اجات شترو پر یہ الزام ہے کہ جب بمبسار کو چھرے سے قتل کرنے کی سازش ناکام ہوگئی تو بمبسار اس کے حق میں گدی سے دست بردار ہوگیا۔

[2] جین روایت اجات شترو کو بہرحال پدرکشی کا مرتکب نہیں ٹھہراتی۔

کے سوتیلے بھائیوں کو جو اپنی بعض بیش قیمت اشیاء کے ساتھ ویشالی میں پناہ گزیں تھے، اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ لچھویوں نے ہیرے جواہرات کی ایک کان کے سلسلہ میں اسے فریب دیا تھا[1] لیکن اصل سبب اس کا یہ تھا کہ وہ ہمسایہ لچھوی ریاست کو جس میں چند سردار مل کر حکومت کرتے تھے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اجات شترو جیسے جاہ پرست راجا کی نظروں میں ایک عرصے سے یہ ریاست کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ اس نے یقینی طور پر فتح حاصل کرنے کے لیے تمام ضروری پیش بندیاں کر لیں۔ اس نے اپنے دو معتمد وزیروں۔ سُنیدھ اور وسا کر کو لچھوی سرداروں کے پاس گفت وشنید کے لیے بھیجا۔ بڑی احتیاط سے اس نے اپنی فوج کی تنظیم کی اور طاقتور اور مہلک ہتھیاروں سے اُسے آراستہ کیا۔ جنگ اگرچہ طوفانی اور خوں آشام تھی لیکن اجات شترو کے حق میں فیصلہ کن ثابت ہوئی اور لچھوی علاقہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ غالباً وشالی کی فتح کے بعد وہ فتوحات کرتا ہوا شمال میں آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پہاڑ کے دامن میں تمام علاقوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ چنانچہ انگ، کاشی، ویشالی اور دیگر اِرد گِرد کے علاقوں کے شامل ہو جانے سے مگدھ شمالی ہند کی سب سے طاقتور سلطنت بن گئی۔ ظاہر ہے اُس سے اونتی کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی، اور حالانکہ پردیوتیہ کے حملہ سے تحفظ کے لیے اجات شترو نے اپنی راجدھانی میں قلع بندی کی، لیکن روایات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اُسے اس مہم میں کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ پالی کتب میں اس کے عہدِ حکومت کی مدت ۳۲ سال مندرج ہے۔ لیکن پرانوں میں یہ مدت ۲۷ سال ظاہر کی گئی ہے۔ جین مذہب کی کتابوں میں اجات شترو کو جین مت کا پیرو بتایا گیا ہے، لیکن بدھ مذہب کی کتابیں ہمیں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اجات شترو آخر عمر میں بدھا کے عظمت و جلال کا قائل ہو گیا تھا اور بدھا کی اخلاقی تعلیم ہی نے اسے دائمی سکون بخشا۔ اسی بنیاد پر اجات شترو بدھا کے تبرکات میں حصہ کا دعوے دار ہوا ایک استوپ میں ان تبرکات کو اس نے محفوظ کر دیا۔

---

[1] پولیٹکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن صفحہ ۱۷۱

فصل (۳)

مذہبی تحریکیں

چھٹی صدی ق۔م بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک عصر آفریں دَور تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جو ایک دوسرے سے کافی دُوری پر واقع تھے اس زمانے میں غیر معمولی ذہنی اور روحانی ہیجان پایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر فارس میں زرتشت اور چین میں کنفیوشس اسی زمانے میں اپنی تعلیمات کی اشاعت کر رہے تھے۔ جوشیلی طبیعتیں ہندستان میں بھی تلاشِ حق میں سرگرم عمل تھیں اور اس تمام جوش و خروش کا مرکز مگدھ تھا جہاں برہمنی اثرات کبھی اتنے گہرے ہوئے تھے نہ قوی۔ اُپ نشدوں نے بے تکی رسموں اور خونی قربانیوں کے خلاف پہلے ہی سے بغاوت شروع کر دی تھی۔ برہمنوں کی ریاکاری اور تفریق پسندی نے جو عام لوگوں کے لیے عذاب جان بنی ہوئی تھی نئے نئے نظریات کے لیے پہلے ہی سے میدان تیار کر رکھا تھا۔ کافی تعداد میں معلمین ملک میں گھوم رہے تھے اور آتما اور پرتما سے متعلق دقیق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ سمجھا رہے تھے کہ علم و آگہی یا نفس کشی کے ذریعہ پیدائش اور موت کی لامتناہی تکلیف سے کس طرح چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بے شمار اصلاحی مکاتبِ فکر[1] اُبھرے جن میں سے بعض بہت جلد معدوم ہو گئے اور بعض کچھ دنوں کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھے۔ بہرحال ان میں دو۔ یعنی جین مت اور بدھ مت، اتنے توانا ثابت ہوئے کہ زندہ رہ گئے اور آج بھی بنی نوع انسان کے فکر و عمل پر بڑی حد تک اثر انداز ہیں۔

مہاویر کی زندگی

جینیوں کا کہنا ہے کہ ان کا مذہب بعید ترین ماضی میں وجود میں آیا۔ اُن کا عقیدہ

---

[1] پالی روایات میں آیا ہے کہ جب بدھا نے تبلیغ شروع کی تو اس وقت ۶۲ سے زیادہ مذہبی فرقوں کا وجود پایا جاتا تھا (جینیوں کی کتابوں میں تعداد ۳۶۳ ظاہر کی گئی ہے) ان فرقوں میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔ آجیوک، جٹی لک، منڈ ساوک، پریو راجک، ماگن ڈِک، گوتمک، تیدن دک وغیرہ۔ بدھا کے علاوہ اس وقت کے دیگر معلمین کے نام یہ ہیں۔ پُران کسپا، مکھلی گوشال، نگنتھ ناث پُتّ، اجیت کیش کمبل، پکدھ کچایَن، سنجے بلٹھ پُتّ۔

ہے کہ ان کے آخری تیرتھنکر مہاویر تھے۔ لیکن ان سے پہلے ان کے ۲۳ تیرتھنکر اور گذرے ہیں۔ ان سے پہلے ان کے آخری تیرتھنکر مہاویر تھے۔ ان کے پہلے کے تیرتھنکروں میں پارشوناتھ تاریخی شخصیت معلوم ہوتے ہیں لیکن باقی سب ہستیاں دھندلی اور دیومالا کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں۔ پارشوناتھ بنارس کے راجا آشوسین کے لڑکے تھے، لیکن پارشوناتھ نے راج پاٹ چھوڑ کر روحانی زندگی اختیار کرلی۔ ان کی ہدایات یہ تھیں۔ (۱) کسی کو گزند مت پہنچاؤ۔ (۲) جھوٹ مت بولو۔ (۳) چوری مت کرو (۴) کسی چیز کے مالک مت بنو۔ ہمیں نہیں معلوم وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ لیکن اگلے تیرتھنکر، مہاویر نے، جو پارشوناتھ کے ۲۵۰ سال بعد پیدا ہوئے اس مذہب کو یقیناً چار چاند لگا دیے۔ بچپن میں مہاویر کو ان کے گھر والے وردھمان کہتے تھے۔ ویشالی کے قریب کنڈ گرام نامی گانو میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کے باپ سدھارتھ چھتریوں کے گیا منترک نامی گروہ کے سردار تھے۔ ان کی ماں کا نام تریشلا تھا۔ وہ پھوی سردار چیٹک کی بہن تھیں، وہی چیٹک جس کی بیٹی کی شادی بمبسار سے ہوئی تھی۔ اس طرح وردھمان ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی امارت نے ضرور انھیں تبلیغی کام میں سہارا دیا ہوگا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیس سال کی عمر تک گرہستی کی زندگی گذارنے کے بعد وہ گھر سے نکل گئے اور تارک الدنیا ہو گئے۔ انھوں نے بارہ سال غور و فکر میں گذارے اور سخت تپ کیا۔ آخرکار انھیں معرفت حاصل ہوگئی (کیولیہ) اور انھیں "نرگرنتھ" (آزاد)، یا "جن" (فاتح) کا لقب دیا گیا اور اسی پر ان کے پیروؤں کا نام بھی پڑا۔ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک، جبکہ ان کی عمر بہتر۲ سال تھی گویا تیس سال انھوں نے مگدھ، انگ، متھلا، اور کوشل میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ پارشو کی بتائی ہوئی چار نیکیوں میں انھوں نے ایک نیکی کا اضافہ کیا، یعنی۔ پاکبازی۔ انھوں نے لباس ترک کر دیا۔ اور برہنہ رہنے لگے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ جین دھرم کی سوتام براوڈگم بر فرقوں میں تقسیم کی ابتدا مہاویر کے اسی عمل سے ہوئی لیکن یہ رائے قرین عقل نہیں ہے کیونکہ بھدر با کے زمانے میں قحط پڑا اور جینی جنوبی ہندستان چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر یہ فرقہ بندی عمل میں آئی۔ مہاویر کی وفات تقریباً ۵۲۷ ق۔م [1] میں پاوا پڑی

[1] مہاویر کی وفات کی دوسری تاریخ ۴۶۸ ق۔م بھی بتائی جاتی ہے۔

کے مقام پر (ضلع پٹنہ میں) ہوئی اس تاریخ سے بعض عالم بہر حال متفق نہیں ہیں۔

جین مت کے خاص عقائد

جین مذہب والے ویدوں کو الہامی نہیں مانتے [1] اور نہ قربانی کی رسموں کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ کائنات کے چھوٹے چھوٹے ذرہ میں بھی روح (جیو) ہوتی ہے۔ جس میں قدرت نے شعور بھی ودیعت کیا ہے۔ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جینیوں نے اہنسا یا تمام جانداروں پر رحم کرنے کے اُصول کی پابندی انتہائی احتیاط سے کی۔ جب اس پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا تو عجیب متضاد صورتیں رونما ہوئیں۔ یعنی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جین راجا نے جانوروں کے جان سے مار ڈالنے والوں کو پھانسی کی سزا دے دی۔ جینی کسی عالمگیر روح یا قدرت مطلقہ کے قائل نہیں جو دنیا کی خالق ہو جس کے وجود کے باعث نظام کائنات قائم و برقرار ہو۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ "انسان کی روح میں جو طاقتیں مخفی ہیں پرماتما ان کا بہترین، بلند ترین، اور مکمل ترین مظہر ہے [2] جینیوں کے نزدیک زندگی کی منزل مقصود یہ ہے کہ انسان مادی وجود کے بندھن توڑ کر نجات حاصل کرے۔ روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ جسم میں "کرم" (عمل) کا مادہ موجود ہے، اس لیے اگر جین کرم سے چھٹکارا حاصل کرے جو اُسے گذشتہ زندگیوں سے ورثہ میں ملا اور جب بھی حاصل کرے، تو اسے "موکش" (نجات) مل جائے گا اور نئی زندگی نہیں ملے گی۔ اس منزل تک پہنچنا تین ہیروں (تری رتن) پر منحصر ہے۔ راسخ اعتقاد، حقیقی علم اور نیک چلن۔ جینی تپ، یوگی مشقوں اور فاقہ پر بہت زور دیتے ہیں یہاں تک کہ جان بھی چلی جائے تو پروا نہیں کرتے۔ خیال یہ ہے کہ زندگی میں نظم و ضبط روح کو طاقت پہنچاتا ہے اور مادۂ اسفل کو تسخیر کر لیتا ہے [3]

---

[1] جین اپنی علیحدہ شریعت رکھتے ہیں۔ [2] سر ایس۔ رادھاکرشنن، انڈین فلاسوفی، جلد اول ص۳۳۱ [3] ملاحظہ ہو مسز ایس۔ اسٹی ونسن، دا ہارٹ آف جینیزم جگ مندر لال جینی، آؤٹ لائنس آف جینیزم (کیمبرج، ۱۹۱۶ء)؛ بڑودیہ ہسٹری اینڈ لٹریچر آف جینیزم بمبئی ۱۹۰۹ء؛ رادھاکرشنن، انڈین فلاسوفی، جلد اول، باب ششم، ص۲۸۶ تا ص۳۴۰ سی۔ ایل۔ شاہ جینزم ان نادرن انڈیا۔

بدھا کی زندگی

جین مت کی طرح، بدھ مت کے بانی بھی ایک ممتاز چھتری تھے ان کا گھریلو نام گوتم تھا۔ لیکن زیادہ تر انھیں ان کے روحانی لقب "بدھا" سے یاد کیا جاتا ہے وہ کپل وستو کے قریب لمبنی کے باغ (موجودہ رُمندی یا رُوپن دہی) میں ماما کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کے باپ سدھودن ایک مشہور معروف شاکیہ قبیلے کے "راجا" تھے بیٹے کی مفکرانہ طبیعت سے گھبراکر انھوں نے کم سنی ہی میں ان کی شادی گوپا، یا یشودھرا کے ساتھ کر دی اور ہر قسم کا سامانِ عیش و عشرت ان کے لیے فراہم کر دیا۔ لیکن بیماری اور تکلیف سے بھری دنیا میں غور و فکر میں محو رہنے والے گوتم کو ان رنگینیوں سے تسکین نہ ہوئی۔ چنانچہ جب وہ عمر کے انتیسویں سال میں تھے تو ایک رات کو اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے راہلا کو سوتا ہوا چھوڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی میں سکون تلاش کرنے وہ محل سے نکل کھڑے ہوئے۔ اوّل انھوں نے اس زمانے کے دو ممتاز استادوں آلار کالام اور اُدیک رام پت سے تعلیم حاصل کی۔ لیکن جب یہاں بھی انھیں دماغی سکون میسر نہ آیا تو گوتم موجودہ بودھ گیا کے قریب اُرویلا کے جنگل کی تنہائیوں میں جاکر جسم کو سخت سے سخت تکلیف پہنچانے کی مشقیں کرنے لگے۔ انھوں نے ایسی زبردست ریاضت کی کہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی منزل سے ابھی کوسوں دور تھے اس لیے انھوں نے تزکیۂ نفس کے اس تکلیف دہ طریقہ کو جو بہت عام مگر عبث تھا، ترک کر دیا اور سلجاتا کے کہنے سے جو پیڑ پوجا کے لیے گئے ہوئے تھے دودھ پینا شروع کر دیا۔ آخرکار ایک دن، رات کے وقت جب وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے گھاس کی گدی پر بیٹھے ہوئے تھے تو انھیں نور نظر آیا اور وہ "بدھا" ہو گئے یعنی مکمل طور پر "عارف"۔ اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔ انھیں شک تھا کہ آیا لوگ ان کے پیغام کی رمزیت کو سمجھ سکیں گے یا نہیں۔ اس لیے قدرے تامل کے بعد انھوں نے سب سے پہلے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام موجودہ سارناتھ میں شروع کیا۔ سب سے پہلے جنھوں نے ان کا مذہب قبول کیا وہ وہی پانچ بھکشو تھے جنھوں نے اُرویلا کے جنگلوں میں یہ سمجھ کر اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ شرامن بدھا لذاتِ دنیا کی خاطر ریاضت و نفس کشی کے راستہ

سے ہٹ گئے۔ ان کی زندگی کے اگلے ۴۵ سال کا عرصہ سخت حرکت و عمل کا زمانہ تھا۔ انھوں نے لوگوں پر اُن کی دیسی زبان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور اپنی عمدہ تعلیم بے پناہ مہربانی، اخلاقی بلندی اور سچی ہمدردی سے لوگوں کے دل و دماغ کو جیت لیا۔ راجا پرجاسب نے ان کی مدد کی اور بہت جلد اُن کے "سنگھ" نے ایک طاقت و تنظیم کی صورت اختیار کرلی۔ ہندستان میں اگرچہ بدھ مذہب کی رفتار کو ثبات و استقلال میسر نہ ہو سکا اور آج وہ اپنی جائے پیدائش میں بالکل مفقود و معدوم ہو گیا ہے لیکن مشرق اور مشرق بعید میں وہ آج بھی ایک طاقت ور مذہب ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ پر مختلف عنوان سے حکمرانی کر رہا ہے [1]

بدھا کی تاریخ وفات

ایک طویل عرصہ تک کامیابی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کے بعد بدھا نے کوشی نگر (ضلع گورکھپور میں موجودہ کاشی) کے مقام پر اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ کچھ سال ہوئے یہاں ان کا ایک عظیم الشان مجسمہ دستیاب ہوا ہے جس میں انھیں تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا تعین ایک مشکل کام ہے۔ اور سانحہ وفات ہی ہماری ترتیب وار تاریخ کے سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ہے۔ ونسنٹ اسمتھ نے تاریخ وفات ۴۸۷، ۴۸۶ ق م متعین کی ہے، لیکن ۴۸۳ ق م جو تمام واقعات اور حالات جانچنے کے بعد فلیٹ اور گیگر نے قائم کی ہے، حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے [2]

بدھا کی تعلیمات

بدھا کی تعلیمات بہت سادہ اور قابل عمل تھیں۔ انھوں نے آتما اور پرماتما سے متعلق مسائل کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بحث انسان کی اخلاقی

---

[1] ملاحظہ ہو ای۔ جی تھامس، دی لائف آف بدھا (لندن، ۱۹۲۷ء)؛ ایچ اولڈن برگ، بدھا (لندن ۱۸۸۲ء)

[2] اس کے برخلاف دوسرے عالم بدھا کے پری نروان کی تاریخ ۵۴۴ ق م قرار دیتے ہیں۔

ترقی میں مدد نہیں دے سکتی۔ اُن کا کہنا تھا کہ دنیا کی ہر شے عارضی اور ناپیدار ہے (مَرُدنُ اَنِچن یا اَنِت ین)۔ اپنے وقت کے دوسرے معلموں کی طرح وہ سمجھتے تھے کہ انسان کا وجود ایک معصیت ہے، لیکن انسانی رنج و محن ایک بھیانک حقیقت ہے اور اس کے باعث وہ بے چین و متردد رہتے تھے" اس لیے انھوں نے تکلیف و غم کے اسباب کا تجزیہ کرنے اور اس کے خاتمہ کا طریقہ دریافت کرنے پر پوری توجہ صرف کی۔ انھوں نے چار اعلیٰ حقیقتوں (چتّاری آریہ ستّیانی) کا اعلان بڑی شدومد کے ساتھ کیا۔ یعنی تکلیف (دکھ)، تکلیف کا سبب (دُکھ سموداے)، تکلیف ختم کرنے کا راستہ (دُکھ نرودھ گامنی پرتی پد)۔ ان کا قول تھا کہ تکلیف کی جڑ انسان کی "خواہش" (تِشنا) ہے اس کا فنا کر دینا تکلیف کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ وہ اس کے قائل تھے کہ موت بھی اس سے چھٹکارا نہیں دلا سکتی، کیوں کہ مرنے کے بعد انسان دوسرا جنم لے لیتا ہے اور مزید تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس پیاس (تِشنا) کو بجھانا صرف اس طرح ممکن ہے کہ لوگ آٹھ بہترین اصولوں کے راستے[1] پر چلنے لگیں۔ وہ آٹھ اصول یہ ہیں: (۱) راسخ عقیدہ (۲) صاف خیالات (۳) راست گفتار (۴) نیک عمل (۵) پاک روزی (۶) صحیح کوشش (۷) مناسب یادداشت اور موزوں مراقبہ[2] اسے درمیانی راستہ (مجھم مگا) کہتے تھے کیوں کہ اس کے ذریعہ شدّت کے ساتھ عیش پرستی اور ضرورت سے زیادہ زہد دونوں حدوں سے بچ کر نکلنا ممکن تھا۔ جو لوگ دنیاداری کو ترک نہیں کرنا چاہتے تھے وہ اس راستے پر چل کر کامیابی حاصل کر سکتے تھے جو لوگ سنگھ میں داخل ہو جاتے تھے وہ نبھان، یا نروان، یا "شخصیت کی فنا" (؟)، کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ بدھ فکر، قول اور عمل کی پاکیزگی پر زور دیتے تھے۔ اسے تقویت پہنچانے کے لیے انھوں نے دس احکامات

---

[1] اشٹانگک مارگ [2] (१) सम्यक दृष्टि (२) सम्यक संकल्प (३) सम्यक वाक (४) सम्यक कर्मान्त (५) सम्यक आजीव (६) सम्यक व्यायाम (७) सम्यक स्मृति (८) सम्यक समाधि

صادر کیے تھے۔ پہلے دس احکام پر عمل کرنا دنیا داروں کے لیے بھی ضروری تھا۔ وہ احکام یہ تھے (۱) دوسروں کے مال پر لالچ کی نظر نہ ڈالو (۲) کسی کی جان نہ لو (۳) نشیلی چیزیں استعمال نہ کرو (۴) جھوٹ نہ بولو (۵) زنا نہ کرو (۶) ناچ گانے میں شرکت نہ کرو (۷) مالش کی چیزیں، پھول، عطریات استعمال نہ کرو۔ (۸) ناوقت کھانا نہ کھاؤ (۹) آرام دہ بچھونے پر نہ سوؤ اور (۱۰) کسی سے روپیہ پیسہ نہ لو۔ نہ اپنے پاس رکھو۔ اس طرح بدھ نے اپنے چیلوں کے لیے خالص عملی زندگی کے اصول مرتب کر دیے تھے۔ فلسفیانہ بحث و مباحثہ کو وہ روحانی ترقی کے منافی سمجھتے تھے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی، جس سے سب مطمئن اور خوش تھے کہ ان کے پیغام کو مرد عورت، بوڑھے، بچے، امیر غریب، برہمن شودر سب یکساں طور پر قبول کر سکتے تھے[1]

جین مت اور بدھ مت کا باہمی تعلق

ایک عرصہ تک عام خیال یہ رہا کہ جین مت بدھ مت کی ایک شاخ ہے یا اس کے برعکس بدھ مت جین مت کی شاخ ہے۔ اگرچہ دونوں مذہبوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں لیکن کسی ایک کا دوسرے کی شاخ ہونے کا تصور اب بالکل فرسودہ ہو گیا ہے۔ دونوں ویدوں پر ایمان نہیں رکھتے، رسموں کی افادیت کے دونوں منکر ہیں، پرماتما کے سوال کو دونوں نے نظرانداز کیا ہے۔ پیدائش کی بنیاد پر امتیازات کی دونوں نے مذمت کی ہے۔ اہنسا کے اصول اور آئندہ زندگی میں کَرَم (اعمال) کے اثرات پر دونوں نے زور دیا ہے۔ دونوں مذہبوں نے رائج الوقت عقائد اور توہمات کے ساتھ رواداری برتی ہے۔ بے شک دونوں مذہبوں میں بڑی واضح مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بعض بنیادی مسائل میں ان کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ٹی۔ ڈبلیو۔ رہس ڈیوڈس، بدھزم (لندن ۱۸۷۷)؛ ایچ۔ سی۔ کرن، مینول آف انڈین بدھزم (اسٹراسبرگ ۱۸۹۶ء)؛ اے۔ بی۔ کیتھ، بدھسٹ فلاسوفی اِن انڈیا اینڈ سیلون (آکسفورڈ، ۱۹۲۳)؛ رادھا کرشنن انڈین فلاسوفی، جلد اول، باب ہفتم و نہم صفحہ ۳۴۲ تا ۶۰۳۔

مثال کے طور پر۔ بدھ مت کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے "انا" سے عاری (انا تم ادی) ہے۔ جبکہ جین مت سکھاتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذی روح (جیو) ہے۔ جین مت ریاضت اور نفس کشی کی تقدیس کا قائل ہے۔ اس کے برعکس، بدھا نے درمیانی راستہ اختیار کرنے اور زاہدانہ زندگی اور نفس پرستی کی حدوں سے بچ کر نکلنے کی تلقین کی ہے۔ نجات پا سکنے سے متعلق بھی ان کے نظریات بالکل یکساں نہیں ہیں۔ چونکہ دونوں مذہب ایک ہی ملک اور ایک ہی عہد میں پیدا ہوئے اس لیے ان میں یکساں خصوصیات کا پایا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اختلافات بھی اس قدر نمایاں ہیں کہ ان میں رقابت کا سلسلہ بھی کافی عرصے تک جاری رہا۔

فصل (۴)

اقتصادی حالات

دیہاتی تنظیم

جاتک کہانیوں، پٹیکوں اور پالی زبان کی دیگر کتب سے ہمیں بدھ مذہب کے عروج کے وقت ہندستان کے اقتصادی حالات کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم ہو جاتی ہے۔ آجکل کی طرح اس زمانے میں بھی زیادہ تر لوگ گانوں میں رہتے تھے۔ گانو (گرام) کی آبادی نسبتاً بہت مختصر رقبہ میں مرکوز ہوتی تھی اور تحفظ کے خیال سے جھونپڑیاں (گریہہ) بہت قریب قریب اور گتھی ہوئی بنائی جاتی تھیں۔ گانو کے ارد گرد کھیت (گرام کشیتر) ہوتے تھے۔ جن میں کاشت کی جاتی تھی۔ کھیتوں کو پانی کی نالیوں کے ذریعہ قطعوں میں تقسیم کر دیا جاتا یا مشترکہ مینڈوں کے ذریعہ ان کی حد بندی کر دی جاتی تھی۔ مقبوضہ حقیقتیں عام طور پر مختصر ہوتی تھیں، لیکن بڑی بڑی حقیقتوں کا وجود بھی معدوم نہ تھا۔ گانو سے متصل جوبَن (وَن مادا و پادائے) ہوتا، یا چراگاہیں ہوتیں، ان پر تمام گانو والوں کا مشترکہ حق ملکیت ہوتا تھا۔ ایک چرواہے (گو پالک) کی نگرانی میں جس کی مزدوری کا خرچ تمام گھر والے مجموعی طور پر برداشت کرتے تھے مویشیوں کو ان چراگاہوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔

گانو کی اقتصادیات کا دارومدار "دیہی حقیت داری" پر تھا۔ لیکن کوئی شخص گرام سبھا کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کی زمین فروخت کر سکتا تھا نہ رہن رکھ سکتا تھا مالک اپنے کھیتوں کو خود جوتتا بوتا تھا

لیکن اکثر مزدوروں یا غلاموں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ بڑی بڑی زمینداریاں یا بڑے بڑے زمیندار نہیں ہوتے تھے راجا گانو کے مکھیا (گام بھوجک) کے ذریعہ پیداوار کے چھٹے حصے[1] تک بطور محصول وصول کرتا تھا۔ مکھیا گانو کی اہم شخصیت ہوتا تھا۔ گانو میں حکومت کا کاروبار وہی چلاتا تھا۔ اُس وقت یا تو اس کا عہدہ موروثی ہوتا تھا، یا گرام سبھا اُسے منتخب کرتی تھی۔ گرام سبھا اسے گانو میں امن وامان قائم کرنے اور گانو کے تحفظ میں بھی مدد دیتی تھی۔ گانو والے پختہ مدنی شعور کے حامل ہوتے تھے۔ جب کبھی آبپاشی کے لیے نالیاں بنانی ہوتیں، یا کچے ہال اور قیام گاہیں تعمیر کرنی ہوتیں تو گانو کے تمام باشندے مل کر ان کاموں کو انجام دیتے تھے۔ اس قسم کے مفادِ عامّہ کے کاموں میں عورتیں بھی مَردوں کے ساتھ بھرپور تعاون کرتی تھیں۔ مجموعی طور پر، ہر گانو خود کفیل ہوتا تھا اور لوگ سادہ اور تصنع سے پاک زندگی گذارتے تھے۔ کھاتے پیتے لوگوں کی تعداد اگرچہ کم تھی، لیکن نادار محتاج کوئی نہیں ہوتا تھا۔ جرائم کمیاب تھے۔ البتہ خشک سالی یا سیلاب کے باعث لوگوں کو بعض اوقات قحط کی تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔

شہر

بدھ مذہب کی کتابوں میں بہت کم شہروں (نگروں یا نگموں) کا ذکر آیا ہے۔ ان میں خاص خاص کے نام یہ ہیں۔ بارانسی (بنارس)، راج گِہَہ (راج گریہہ)، کوشامبیؔ، ساوتھی (شراوستی)، وِشالی (ویشالی)، چمپا، ٹکسیلا، ایوُدھیا یا اجودھیا، اُجینی (اجین)، متھرا وغیرہ۔ پاٹلی پتر کی راجدھانی اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھی۔ شہروں کو قلعے بنا کر مستحکم کیا جاتا تھا اور مکانات کی تعمیر میں لکڑی اور اینٹ دونوں استعمال میں لائی جاتی تھیں۔ غریب لوگ اس وقت بھی جھونپڑیوں میں رہتے تھے جیسے آج رہتے ہیں۔ امیر لوگ عالی شان مکانوں میں رہتے تھے جن کی دیواروں پر استرکاری ہوتی تھی اور اندر اور باہر ان پر رنگ و روغن کیا جاتا تھا۔ شہروں میں آرام و آسائش کا سامان زیادہ مہیا رہتا تھا اور لوگ مسرت و اطمینان کی زندگی گذارتے تھے۔

صنعت و حرفت

لوگوں کا خاص پیشہ تو زراعت ہی تھا، لیکن دوسرے حرفوں میں بھی لوگوں نے کافی ترقی کر لی تھی، مثلاً بڑھئی کا کام جس میں بیل گاڑیاں اور کشتیاں بنانا بھی شامل تھا۔ تعمیر، چمڑے کا لباس تیار کرنا، مٹی کے برتن بنانا، ہار گوندھنا، کپڑا بننا، ہاتھی دانت کا کام،

---

[1] منو کہتے ہیں راجا کو مویشیوں اور سونے کی تجارت پر تاجروں سے پچاسواں حصہ محصول لینا چاہیے اور کاشتکاروں سے پیداوار کا چھٹا، آٹھواں حصہ لینا چاہیے (منو سمرتی ہفتم، ۱۳۰)۔ اس کے علاوہ خاص خاص محصولوں، بیگاروں اور زائد مطالبوں کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے۔

مٹھائیاں بنانا اور زیورات اور قیمتی دھاتوں کا کام [1] دوسرے پیشے (ہین سپ) بھی پائے جاتے تھے، مثلاً چمڑا کمانا، مچھلی پکڑنا، شکار کھیلنا، ناچنا، اداکاری، سپیرے کا کام اور کپڑا بُننا وغیرہ۔ اِن پیشوں کے ساتھ سماجی پستی کا تصور وابستہ تھا۔ عام طور سے نوجوان اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس مثالیں بھی ملتی ہیں، کیونکہ ہمیشہ پیشے سے کسی کی ذات طے نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جولاہا تیرانداز بن جاتا، چھتری کھیتی باڑی کرنے لگتا اور برہمن تجارت کا پیشہ اختیار کرلیتا، یا بڑھئی کا کام کرنے لگتا، یا مویشیوں کی دیکھ ریکھ شروع کر دیتا۔

ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں

ایک ہی پیشہ اختیار کرنے والے اپنے اپنے پیشوں کی انجمنیں (شریپی) بنا لیتے اور کسی ایک مقام، محلہ، یا کوچہ (ویتھی) میں رہنے سہنے لگتے یا اپنے پیشہ کا علیحدہ مرکز بنا لیتے تھے۔ جاتکوں میں اس قسم کے کم از کم اٹھارہ گروہوں کا ذکر موجود ہے۔ ہر انجمن کا ایک صدر (پنکھ) یا "میر بلدہ" (جیٹھک) ہوتا تھا۔ یہ ایک بہت ذمہ دار اور باعزت عہدہ دار ہوتا تھا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ قرابت، یک رنگی اور اتصال پیدا کرنے کے لیے کئی کئی انجمنیں (پیاورگ) متحد ہو کر ایک مشترک مکھیا یا چودھری کے ماتحت کام کرتی تھیں۔

تجارت اور تجارتی راستے

اُس زمانے میں تجارت، اندرونی اور بیرونی، دونوں سطحوں پر کافی چُست تھی۔ بیوپاری ریشمین کپڑا، تن زیب، چاقو، زرہ بکتر، زربفت، زردوزی، نمدا، عطریات، مشروبات، ہاتھی دانت کی چیزیں اور زیورات وغیرہ کی تجارت میں خوب نفع کماتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے دریاؤں پر دور لمبے لمبے سفر کرتے اور مشرق میں تامرلپتی (تملوک) سے اور مغرب میں بھارکچھ (بھڑوچ) سے ساحلی سفر بھی اختیار کرتے تھے۔ باویرو (بابل) تک بحری سفر کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ملک کے اندر بیوپاری مقررہ شاہراہوں پر جو ملک کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں آمدورفت رکھتے تھے۔ ان میں سے

[1] جاتکوں میں اٹھارہ خاص خاص پیشوں کی فہرست مندرج ہے۔ اس میں حسب ذیل پیشے شامل تھے۔ بڑھئی (وڈکی)، سنار یا لوہار (کماّر)، سنگ ساز (پاشان کوٹک)، جولاہا (تنتو واۓ)، رنگریز (رنگ کار)، کمہار (کمبھا کار)، حجام (نہاپک) وغیرہ۔

ایک ساوتھی (شراوستی) سے پٹھان یا پرتشٹھان (نظام کی ریاست میں موجودہ پیتھان) تک جاتی تھی۔ دوسری ساوتھی کو راج گیہہ سے ملاتی تھی۔ تیسری پہاڑ کے دامن میں کنارے کنارے سراوستی سے ٹکسیلا کو جاتی تھی اور چوتھی کاشی کو مغربی ساحل کے بندرگاہوں سے ملاتی تھی۔[1] ریگستان کی ٹھنڈی راتوں میں کارواں ستاروں کے سہارے یا "خشکی کے راہنما" کی مدد سے ریگستان پار کرتے تھے۔ ان راستوں میں خاص کر جن میں آمد و رفت کم رہتی تھی، رہزنوں کی کثرت تھی جو تجارت کا سامان جب موقع ملتا لوٹ لیتے تھے۔ بیوپاری اس قسم کے خطرات سے زیر بار ہوتے تھے، اس کے علاوہ جس ریاست سے وہ گذرتے تھے وہاں انھیں محصول یا چُنگی ادا کرنی ہوتی تھی۔ اس صورت میں ظاہر ہے تجارتی اشیا کافی مہنگی رہتی ہوں گی۔

روپیہ پیسہ

مبادلہ کا دَور اب ختم ہو رہا تھا۔ اب لین دین میں آسانی کے لیے ایک سکہ چل پڑا تھا۔ جسے کہاپن (کارشاپن) کہتے تھے۔ یہ تانبے کا ہوتا تھا اور اس کا وزن ۱۴۶ گرین تھا۔ اس کا معیار قائم کرنے اور کھرے کھوٹے کی پہچان کے لیے بیوپاری یا شرنیان (ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں) اپنا ٹھپا ان پر لگا دیتی تھیں۔ پالی کتب میں دوسرے سکوں کا نام بھی آتا ہے مثلاً سونے کے نِکھّ اور سُونَّ تانبے کے چھوٹے چھوٹے نقلی سکّے بھی چلتے تھے جنھیں ماشک اور کاک نِکا کہتے تھے۔ قرضوں اور سود[2] (ودھی) کی دستاویزات کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے لیکن بینکوں کا کوئی سوال اس وقت نہیں تھا اور پس انداز کیے ہوئے روپے کا زیور بنوا لیا جاتا تھا، یا گھڑے میں بند کر کے اُسے زمین میں دفن کر دیا جاتا یا کسی دوست کی امانت میں اُسے رکھ دیا جاتا تھا اور اس کا تحریری ثبوت اپنے پاس محفوظ کر لیا جاتا تھا۔

---

[1] ان لمبے چوڑے راستوں میں درمیان میں ٹھہرنے کے لیے قیام گاہیں ہوتی تھیں اور دریا پار کرنے کے لیے کشتیاں موجود رہتی تھیں۔ [2] اس میں شک نہیں کہ روپیہ پیسہ کے لین دین کے پیشہ کو قانوناً جائز قرار دیا گیا تھا لیکن حد سے زیادہ سود خوری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

۲۔ اجات شترو کے جانشین

پالی کتب کے مطابق اجات شترو کے بعد اس کا لڑکا اداٹن یا اُدائی بھدر (دیکھیے ذیلی نکات) تقریباً ۴۵۹ ق۔م۔ میں گدی نشین ہوا۔ پرانوں میں، بہرحال اجات شترو کے بعد ایک دوسرے راجا درشک[۱] کا نام آتا ہے۔ اس کی شخصیت کے تاریخی ہونے کی تائید بھاس کی سوپن واس دت سے بھی ہوتی ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ پرانوں کی یہ بات غلط ہے اور وہ اسے بمبسار کی نسل کے آخری حکمراں ناگ داسگ کے مماثل بتاتے ہیں۔ اُداٹن خصوصیت کے ساتھ اس لیے مشہور ہے کہ اس نے اس مقام پر پاٹلی پتر کی بنیاد رکھی جہاں اس کے باپ نے اونتی کی طرف سے اچانک حملہ کی روک تھام کے لیے قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اس مقام کی فوجی اہمیت تھی کیونکہ یہ دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر واقع تھا[۲] اور اس جہت سے ایک ابھرنے والی ریاست کی راجدھانی کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ اُداٹن کے جانشین انورُدھ، منڈ، ناگ واسک یہ سب گم نام رہے[۳] اور ہو سکتا ہے یہ کہانی غلط ہو کہ وہ سب کے سب پدر کُش تھے[۴] لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ان کی کمزوری یا نامقبولیت کی وجہ سے ششوناگ کو جو محض اماتیہ (وزیر) تھا اپنے لیے گدی حاصل کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ اس راجا کو پرانوں میں بمبسار کے مورث کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن لنکا کی تاریخوں میں اس کا محکم ثبوت موجود ہے کہ ششوناگ بمبسار سے کئی پشتوں کے بعد راجا

---

[۱] ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درشک مگدھ کا راجا تھا اور اس کی بد ماوتی کوسمبی کے اُدین (اداین) کو بیاہی گئی تھی۔ [۲] ان دریاؤں کا سنگم اب پٹنہ سے کئی میل اوپر واقع ہے۔ [۳] جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، پرانوں کے مطابق اداٹن کے جانشین نندی وردھن اور مہانندن تھے۔

[۴] ونسنٹ اسمتھ بہرحال، بارتھی تاریخ کی مثال دیتے ہیں۔ جس میں پے در پے تین راجکمار، اور ڈوڈلیس فراتیس چہارم اور فراتیس پنجم ایسے آتے ہیں جو پدر کشی کے مرتکب ہوئے (ارلی ہسٹری آف انڈیا چوتھا ایڈیشن ص۳۶، حاشیہ ۲)

ہوا[1] انقلاب حکومت کے بعد شِشُوناگ نے گِریوراج کو اپنا مسکن قرار دیا اور اپنے بیٹے کو وارنسی (بنارس) کا گورنر بنا دیا[2] شِشُوناگ کا سب سے زیادہ قابل ذکر کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پرودیتہ خاندان کی طاقت کو جن سے کوسمبی کی فتح کے بعد جنگ ناگزیر ہو گئی تھی، بالکل فنا کر دیا غالباً رونتی کے اُس راجا کا نام جس نے شکست کھائی ورتی وردھن یا اونتی وردھن تھا اور یہ بات معنی خیز ہے کہ اس وقت سے پرودیتہ خاندان تاریخ سے بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کامیابی نے شِشُوناگ کو تقریباً تمام مدھیہ دیش، مالوہ اور شمال میں کئی دیگر علاقوں کا حکمراں بنا دیا۔

نند خاندان

چوتھی صدی ق۔م کے وسط میں ایک معمولی شخص کے ہاتھوں جس کا نام مہاپدم تھا شِشُوناگ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ مہاپدم نے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی، جو تاریخ میں نند خاندان کے نام سے موسوم ہے۔

ابتدا

مہاپدم کی ابتدائی زندگی کے بارے میں روایات میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ پُرانوں کی سند سے مہاپدم ایک شودر عورت کے بطن سے پیدا ہوا۔ لیکن جین مذہب کی کتابوں میں اس کی پیدائش ایک بیسوا کے بطن اور ایک حجام کے نطفہ سے ظاہر

---

[1] پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص ۱۷۹، ڈاکٹر ایچ۔ سی۔ رائے چودھری نے جو مواد فراہم کیا ہے اس کی بنیاد پران کا استدلال بہت معقول معلوم ہوتا ہے۔

[2] دیکھیے बाराणसी सत हमायम गिरिव्रज

[3] پالی کی کتابوں میں اسے اگرسین کہا گیا ہے۔ نام میں اس کی زبردست فوج کی طرف کنایہ ہے اسی طرح مہاپدم نام شاید یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کی فوج اتنی بڑی تھی کہ اسے کنول یا پدم کی طرح ترتیب دیا جا سکتا تھا۔ (پدم ویوہ)۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قبضہ میں ایک پدم دولت تھی؟ (دیکھو اگلا نوٹ) کیا کالا شوک اور کاک ورن نام اس کے کالے رنگ سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں؟

کی گئی ہے۔ یونانی مصنف کرٹیس کا بیان اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سکندر کا ہمعصر مگدھ کا راجا ایک حجام کا لڑکا تھا۔ یہ ایک خوب رو نوجوان تھا۔ رانی اس پر فریفتہ ہو گئی اور حجام کے لڑکے نے موقع پا کر راجا کو (یعنی غالباً کالاشوک یا کاک ورن کو) قتل کر دیا۔ ہرش چرت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا قتل راجدھانی کے قریب ایک خنجر کے ذریعہ واقع ہوا جو اس کے حلق میں بھونکا گیا تھا[1] ان میں جو روایت بھی صحیح ہو، یہ بات طے ہے کہ مہاپدم نیچ ذات تھا اور اُس نے راج گدّی سازش کے ذریعہ حاصل کی۔ شروع شروع میں اس نے اپنے تئیں نوعمر راجکماروں[2] کا سرپرست ظاہر کیا لیکن نتیجہ میں اس نے انھیں بھی مار ڈالا اور خود گدّی پر بیٹھ گیا۔

مہاپدم

مہاپدم نے ریاست مگدھ کے حدود و اثرات میں کافی توسیع کی۔ کہتے ہیں کہ اس نے بہت سی ہمعصر حکومتوں کو زیر کر لیا۔ مثلاً اِکش واکو، کورو، پانچال، کاشی، شو سِین، میتھل، کلنگ، اَش نک، ہے ہیہ، وغیرہ اور بڑی سخت گیری سے چھتریوں کی بیخ کنی کی[3] پرشورام کی طرح پُرانوں کا اسکو سروکش تراَن تک اور اک راٹ (بڑا سردار) کہنا اس کی فتوحات کی طرف ایک کنایہ ہے، حالانکہ اِک راٹ کی اصطلاح اس کی اصلی حیثیت میں مبالغہ کا پہلو رکھتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مگدھ نے ابتدائی دورِ حکومت میں تمام پڑوسی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں ضم کر لیا تھا اور ششوناگ کے عہد میں شمال میں اس کا کوئی مقابل نہیں رہا تھا۔ کتھا سرت ساگر کے ایک حوالہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوشل مگدھ ہی کا ایک جزو تھا ہاتھی گُمپھا کے ایک کتبہ سے پتہ

---

[1] ہرش چرت، انگریزی ترجمہ کاول اور ٹامس [2] یہ تعداد میں دس تھے اور دسوں مل کر حکومت کرتے تھے۔ [3] ملاحظہ ہو پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن، صفحہ ۱۸۷ تا صفحہ ۱۹۰۔ اس سے مقابلہ کیجیے۔

महानन्दिनस्त शूद्रागार्भोद्भवोगति लुब्धोतिबलो महापद्मो नन्दनामा
परशुराम इवापरोऽखिलक्षत्रान्तकारी भविष्यति । स चैकच्छत्राम
नुल्लंघितशासनो महापद्मः पृथिवीं भोक्ष्यति ॥

چلا ہے کہ نند راج نے جو مہاپدم کے مماثل تھا، ایک نہر کھدوائی تھی۔ اس سے ثابت ہے کہ کلنگ بھی مگدھ ہی کے زیر نگیں تھا۔ اتفاق سے اس کتبہ سے مہاپدم کے مذہبی رجحانات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نند راج (مہاپدم؟) نے ایک جین تیرتھنکر کا بیش قیمت مجسمہ اپنی راجدھانی میں منتقل کرا دیا۔ مگدھ کے کئی وزیر جین مت کے ماننے والے تھے۔ جیسے کلپک، شاکٹل وغیرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نند خاندان کے راجا خود جین مت کے پیرو تھے۔ اس طرح مگدھ رفتہ رفتہ ایک اول درجہ کی ریاست بن گئی اور اس کے بعد ایک عرصہ تک مگدھ کی تاریخ ہندستان کی تاریخ بنی رہی۔

مہاپدم کے جانشین

مہاپدم کے بعد اس کے آٹھ بیٹے[1] راج گدی پر بیٹھے جن میں سے آخری سکندر کا ہم عصر تھا۔ بدھ مذہب کی کتابوں میں اسے دھننند کہا گیا ہے۔ یونانیوں نے اگرامیز یا زنیڈرامیز (آؤگرسینیا؟) نام لیے ہیں۔ کرٹیس کا بیان ہے کہ اس کی فوج زبردست تھی جس میں ۲۰،۰۰۰ پیدل ۲۰،۰۰۰ رتھ، اور ۴۰۰۰ ہاتھی تھے۔ وہ اپنی بے شمار دولت کے لیے بھی مشہور ہے[2] لیکن اگرامیز یا دھننند حریص، لامذہب (ادھارمک) اور ظالم اور ان پر مستزاد ایک نیچ ذات کا آدمی تھا۔ ان سب باتوں کے باعث وہ رعایا میں انتہائی نامقبول تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سکندر سے اس کے ایک سردار فی گیلس نے کہا اگر وہ آگے بڑھا ہوتا تو یقیناً نند حکمراں پر ضرور فتح پاتا۔ چندرگپت موریہ سکندر سے ملا تھا اور اسے نند ریاست پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ سکندر کے چلے جانے کے

---

[1] یہ محض نام ہیں۔ پرانوں میں سوائے مہاپدم کے لڑکے سنکپ یا شمالیہ مہالیہ کے اور کسی کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے بھی مقابلہ کیجیے (روشنو پران)
महापद्मात्मजा सुमा: सुमाल्य हा
अनिसार: तस्य महापद्मस्थान: पृथिवी गोक्ष्यान्त

[2] مہاونش اور کتھا سرت ساگر، نیز ہیون سانگ کے سفرنامے، اور ایک تامل کی نظم میں نند خاندان کی بے شمار دولت کی روایات محفوظ ہیں۔

بعد چندر گپت موریہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر چالاک برہمن چانکیہ کی مدد سے مگدھ کی ریاست میں نند خاندان کی حکومت کو نیست و نابود کر دیا [1]

تاریخ

پُرانوں کی سند سے مہا پدم کا دَورِ حکومت ۲۸ سال[2] رہا اور اس کے آٹھ بیٹوں کا صرف بارہ سال۔ لنکا کی تاریخیں نند خاندان کے تمام راجاؤں کی مدتِ حکومت ۲۲ سال قرار دیتی ہیں۔ اس خاندان کا خاتمہ غالباً ۳۲۲۔ ۳۲۱ ق م میں ہوا۔

---

[1] دیکھیے وِشنو پران ततश्च नवयै तान्नन्दन कौटिल्यो ब्राह्मणा समुद्धरिष्य

[2] ستیہ پُران میں اس کے دورِ حکومت کا ۸۸ سال کا طویل عرصہ مندرج ہے۔ ظاہر ہے یہ غلط ہے اور ۲۸ کی جگہ ۸۸ سال لکھ دیئے گئے ہیں اگر اس حکومت کی مدت ۸۸ سال مان لی جائے تو نند خاندان کے دَورِ حکومت کی مدت ۱۰۰ سال ہوگی۔ دیکھیے۔ महापद्मस्तत्पुत्रश्च एकवर्षशत अवीनपतयो भविष्यन्ति (وشنو پران)

ضمیمہ
نند خاندان کے مورثوں کے شجرے
(۱) پُران

نمبر شمار	نام	مدت
۱	ششوناگ	۴۰ سال
۲	کاک وَرن	۲۶ سال
۳	کشیم دھرمن	۳۶ سال
۴	کشیم جیت کشت رَوُجہ	۲۴ سال
۵	بمبسار	۲۸ سال
۶	اجات شترو	۲۷ سال
۷	درشک	۲۴ سال
۸	اُدائن	۳۳ سال
۹	نندی وردھن	۴۰ سال
۱۰	مہانندن	۴۵ سال
	میزان	۳۲۱ سال

لنکا کی تاریخیں

نمبر شمار	نام	مدت	کیفیت
۱	ببسار	۵۲ سال	تقریباً ۳۴۳ ق م میں ۱۵ سال کی عمر میں گدی نشین ہوا
۲	اجات شترو	۳۲ سال	اس کے عہد حکومت کے آٹھویں سال میں بدھا کی وفات ہوئی
۳	ادائن یا ادائی بھدر	۱۶ سال	خیال کیا جاتا ہے دونوں پدر کش تھے۔
۴	انورودھ	۸ سال	
۵	منڈ		
۶	ناگ واشک	۲۴ سال	
۷	ششوناگ	۱۸ سال	نئے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ تخت نشینی سے پہلے اماتیہ تھا
۸	کالاشو، کا	۲۸ سال	اس کی موت المیہ انداز میں ہوئی۔
۹	اس کے دس بیٹے جن میں ممتاز نندی وردھن تھا۔	۲۲ سال	ایک ہی وقت میں حکومت کرتے تھے، غالباً اس زمانہ ساز انسان کی سرپرستی میں، جو نند خاندان کا پہلا حکمراں ثابت ہوا۔
	میزان	۲۰۰ سال	

ساتواں باب

بیرونی دنیا سے روابط

فصل (۱)

فارسی فتح

اب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مگدھ اور دیگر مشرقی ریاستوں کو چھوڑ کر اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ ہندستان کے شمالی مغربی گوشہ میں اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ چھٹی صدی ق۔م کے آخری نصف حصے میں شمالی مغربی ہندستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور کوئی بڑی طاقت ایسی نہ تھی جو اُن کی باہمی رنجشوں اور رقابتوں کا سدِ باب کرسکتی۔

سائرس | ٹھیک اسی زمانے میں ایک طاقت کُرش یا سائرس نامی بادشاہ (تقریباً ۵۵۸ - ۵۳۰ ق.م) کی قیادت میں فارس میں ابھر رہی تھی۔ ظاہر ہے آکمینیہ کے اس مطلق العنان حکمراں کو ہندستانی ریاستوں کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھانے اور ان پر للچائی نظریں ڈالنے کا بہترین موقع مل گیا۔ اس نے اپنی حدود سلطنت کی توسیع مغرب میں بحر روم تک کرلی تھی۔ اور مشرق میں باختر اور گدز (گندھار) فتح کرلیا تھا۔ لیکن ہندستان کی سرحد سے اس کا آگے بڑھنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اس کے بیٹے پوتے کام بجی یا اول (کمبائی سیزاول)، کُرش دوم (سائرس دوم) کام بجی یا دوم (کمبائی سیز دوم) ۵۳۰ سے ۵۲۲ ق.م تک، اپنے مغربی مقبوضات کی الجھنوں میں اس درجہ گرفتار رہے کہ انھیں مشرق کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا

دارا اول

لیکن دارائے داؤش یا دارا اوّل (۵۲۲-۴۸۶ ق.م) نے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا ثبوت پرسی پولس کے کتبے نیز نقش رستم میں اُس کی قبر کے کتبے سے ملتا ہے، جن میں اہل سندھ (ہدوؤں یا سندھوں) کو اس کی رعایا میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ فتح غالباً ۵۱۸ ق.م کے کچھ عرصے بعد عمل میں آئی۔ بیستون کے کتبے کی قیاسی تاریخ بھی یہی ہے۔ اس کتبے میں ۴۸۶ ق.م سے بہت پہلے یعنی جب دارا اول کا انتقال ہوا، ہندوستانیوں (ہدوؤں) کو رعایا کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ہیروڈوٹس بتاتا ہے کہ دارا نے کس طرح اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۵۱۷ ق.م کے کچھ عرصے بعد دارا نے ایک مہم کاریندا کے ساکن اسکائی لاش نامی شخص سرکردگی میں کسی ایسے بحری راستے کے امکانات دریافت کرنے کے لیے بھیجی جو دریائے سندھ کے دہانے سے فارس تک جاتا ہو۔ دریائے سندھ کے بہاؤ پر اس نے کشتی میں سفر کیا۔ اپنے سفر کے دوران اس نے کافی معلومات فراہم کر لی، جس سے دارا اوّل نے آگے چل کر خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ہیروڈوٹس اس کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ ہندستان کا مفتوحہ علاقہ جس میں پنجاب کا بیشتر حصہ شامل نہیں تھا مملکتِ فارس کی بیسویں ولایت (شترپی) کی حیثیت رکھتا تھا اور حکومت کو طلائی گرد کے ۳۶۰ یونانی ٹیلنٹ جو خاص دس لاکھ پونڈ کے بقدر ہوتا تھا) ادا کرتا تھا۔ ظاہر ہے یہ تمام علاقہ اُس زمانے میں بہت زرخیز، کافی آباد، نہایت درجہ خوشحال تھا۔

زرکسیز

دارا اوّل کے جانشین کھشیارشا، یا زرکسیز کے عہد حکومت (۴۸۶-۴۶۵ ق.م) میں اُجرت پر کام کرنے والے ہندستانی سپاہی "سوتی کپڑوں میں ملبوس اور تبد کا تیر کمان لیے جس میں آہنی بوری لگی ہوتی تھی" اُس فوج کا جز و تھے، جو یونان پر حملہ آور ہوئی۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ ہندستان کے شمالی مغربی علاقے میں اس کا اقتدار بجنسہٖ قائم و برقرار تھا۔ اندازہ ہے کہ یہ اقتدار کچھ عرصے تک اور باقی

رہا، لیکن ہم تیقن کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ بالآخر فارس اور ہندستان کا یہ تعلق اچانک طور پر کب ختم ہوا۔ بہر نہج، اس کی شہادت ملتی ہے کہ دارآسوم کوڈومنس کی فوج میں جس نے سکندر کا مقابلہ کیا ہندستانی امدادی دستے شامل تھے۔

ارتباط کے نتائج

دونوں ملکوں کا یہ سیاسی ارتباط دونوں ہی ملکوں کے حق میں کئی جہتوں سے مفید ثابت ہوا۔ اس سے تجارت میں فروغ ہوا، دوسرے، ایک متحدہ مملکت کے تصور نے ہندستانی امنگوں میں ہلچل مچادی اور اسی مقصد کے لیے انھیں کوشش کرنے پر آمادہ کردیا۔ فارس کے خطاطوں نے ہندستان میں آرمائی رسم خط رائج کیا جس نے ہندستانی ماحول میں کھروشٹھی رسم خط کی صورت اختیار کرلی جو عربی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی تھی۔ بعض عالموں نے چندرگپت موریہ کے درباری آداب میں فارسی اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ [1] اشوک کے عہد میں بعض مروجہ الفاظ اور اس کے کتبوں اور دستاویزات کے ابتدائی اجزا خاص کر ٹال کی شکل کے حروف، فارسی اثرات کا نتیجہ بتائے جاتے ہیں۔

فصل (۲)

سکندر کا حملہ

سکندر کا احتیاط کے ساتھ مشرق کی طرف کوچ

۳۳۱ ق۔م میں گوگ میلا یا اربیلا کے میدان میں آکمینی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور ۳۳۰ ق۔م میں پرسی پولس کے عالیشان محل کو نذر آتش کردیا گیا۔ اس کے بعد، سکندر نے ہندستان فتح کرنے کی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے

---

[1] دیکھیے۔ بی ، وپی ؛ دیوانن بیو پیادسی راجا یون آہا = تھائی یا دارائے داؤش کشا بھتہ۔

بنانے شروع کر دیے اور اپنے حریفوں ہراکلیز اور ڈی او نی سس سے، جن کے کے کارنامے بہت سے مقبول عام گیتوں اور داستانوں کا موضوع بن گئے تھے، سبقت لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ موسم کی سختیوں، سفر کی صعوبتوں اور راستے کی رکاوٹوں کو خاطر میں لائے بغیر سکندر نے اس مہم کو سر کرنے کا ارادہ پختہ کرلیا۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر وہ اس بات کا عادی تھا کہ راستے کے تمام ممالک کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا تھا تاکہ اپنے دور دراز فوجی کیمپ سے آسانی کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رکھ سکے۔ اس نے سب سے پہلے سیستان پر قبضہ کیا اور بعد ازاں وہ جنوبی افغانستان پر ٹوٹ پڑا۔ جہاں اس نے ایک موقع پر جہاں کئی راستے ملتے تھے، ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اہلِ آرکوشیا نے سکندریہ رکھا جسے آج کل قندھار کہتے ہیں۔ اس سے اگلے سال وہ اپنے اجیت لشکر کے ساتھ وادیٔ کابل میں در آیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی توجہ ہندستان کی طرف منعطف کرے، اسے باختر اور اس سے متصل علاقوں کو جو شاہی خاندان کے ایک شہزادے کے ماتحت فارسی حکومت کے اثر میں تھے، زیر کیا۔ اس پر قابو پانے کے لیے سکندر کو دشواری پیش آئی۔ لیکن جب سب دشمن زیر ہو گئے تو اس نے دس دن میں کوہ ہندوکش کو پار کیا اور کوہ قاف کے نیچے سکندریہ کی بیرونی چوکی تک پہنچ گیا جو فوجی نقطۂ نظر سے ایک اہم مقام تھا۔ اس کی بنیاد اس نے کوہستانی سلسلے کو پار کرنے کے بعد اپنی طوفانی مہم سے دو سال پیشتر یعنی ۳۲۹ ق۔م میں رکھی تھی بعد ازاں وہ نکایہ کی طرف بڑھا جو "سکندریہ اور دریائے کابل کے درمیان میں واقع تھا[1]"۔ اس مقام پر یا دریائے کابل کے راستے میں کسی اور مقام پر[2]، سکندر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصے کو اپنے دو معتمد سپہ سالاروں، ہفسٹیشین اور پرڈکاس کے سپرد کیا اور انھیں اس ہدایت کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا کہ

---

[1] کیمبرج ہسٹری انڈیا، جلد اول، ص ۳۴۵۔ اسمتھ نے نکایۂ کا موجودہ جلال آباد کے مغرب میں واقع ہونا ظاہر کیا ہے (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن جبکہ ہولڈچ نے اسے کابل قرار دیا ہے۔

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اوّل ص ۳۴۵ حاشیہ ۳

دریائے سندھ پر پُل تعمیر کریں تاکہ لشکر بہ آسانی دریا پار کر سکے۔ دوسرا حصہ جنگجو اور سرکش قبیلوں کے مقابلہ کے لیے اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اسپ سیوئی قبیلہ کی شکست

آئی سانگ کنار وادی کا اسپ سیوئی (دیکھیں: ایرانی اسپ یا سنسکرت اشو یہ گھوڑا) پہلا قبیلہ تھا جسے سکندر نے زیر کیا۔ اس مقابلہ میں ....۴ پیدل اور ..۰۰۰، ۲۳ بیل اُسے مال غنیمت میں ملے۔ اُن میں بہترین بیلوں کو اس نے زراعت میں استعمال کے لیے مقدونیہ بھیج دیا۔ ایرین (چہارم، ۲۵) کا بیان ہے کہ اس قبیلہ سے مقابلہ سخت ہوا، محض اس لیے نہیں کہ زمین ناہموار تھی بلکہ اس لیے کہ ہندستانی سپاہی .... ہمسایہ علاقہ کے تمام قبیلوں میں سب سے زیادہ قوی اور جنگ جو تھے ؎

نیسا

سکندر کا اگلا حملہ نیسا کی پہاڑی ریاست پر ہوا، جو وادی کوہ مورٹہ کے نشیب میں واقع تھی۔ اس پر امرا کی ایک جماعت حکومت کرتی تھی جس کے ..۳ رکن تھے جن کا سردار اکوفس تھا۔ اہلِ نیسا نے رضامندی سے سکندر کی اطاعت قبول کر لی اور ۳۰۰ سواروں پر مشتمل ایک فوجی دستہ اُس کے حوالہ کر دیا۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب ڈِی اُونی سس سے ملاتے تھے دلیل یہ تھی کہ عشقِ پیچاں ان کے ملک میں پیدا ہوتی تھی، نیز یہ کہ شہر کے قریب جو پہاڑ تھا وہ وہی میٹروز تھا۔ مغرور سکندر اس سے مطمئن ہو گیا۔ اس لیے اس نے اپنی تھکی ماندی فوج کو اپنے دُور دراز کے مفروضہ برادروں کے ساتھ چند دن آرام کرنے اور یونانی ''بانوسی'' انداز میں

؎ ایم، کرنڈل، انشینٹ انڈیا، اِٹس انوشن بائی الگزانڈر دی گریٹ ص۶۵ اس بات میں ہم نے تمام حوالے اس لیے دے دیئے ہیں کہ ہمارا بیان مسلمہ شہادت کے مفاہیم سے بنیادی طور پر مختلف ہے ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۵۷، حاشیہ۔

رنگ رلیاں منانے کا حکم دیدیا۔

استکنوی کی شکست

سکندر نے پیش قدمی کو جاری رکھتے ہوئے اس کے بعد اشکنوئی (سنسکرت اُشوک یا اشمک غالباً اسپ سیوئی کی شاخ یا اُن سے متعلق) قبیلہ کو شکست دی۔ انھوں نے ۲۰۰۰۰ سواروں، ۳۰۰۰۰ پیادوں[1] اور ۳۰ ہاتھیوں سے سکندر کا مقابلہ کیا۔ اُن کا سب سے زیادہ مضبوط مقام متاگا[2] ناقابل تسخیر ثابت ہوا، کیونکہ مشرق میں "ایک زبردست پہاڑی چشمہ اس کی حفاظت کرتا تھا۔ جس کے کنارے ڈھلوان تھے" اور جنوب اور مغرب میں قدرت نے پہاڑوں کی عظیم دیوار کھڑی کردی تھی۔ جس کے دامن میں دلدل تھی اور غار منھ کھولے ہوئے تھے[3]، اس قدرتی قلعہ بندی میں ایک گہری خندق اور ایک چوڑی دیوار نے اضافہ کردیا تھا۔ اس قلعہ نے، معلوم ہوتا ہے سکندر کے چھکے چھڑا دیے تھے، لیکن ان کے سردار اَستاکینوز کے بالکل اتفاق سے ایک تیر لگا اور وہ مارا گیا[5] اور اس کے بعد محصور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کی بیوی کلیوفِس[6] نے یہ دیکھ کر کہ اب مقاومت بے کار ہے، ہتھیار ڈال دیے اور اپنے تئیں سکندر کے حوالے کردیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے معاشقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رانی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عظیم فاتح کے نام پر سکندر ہی رکھا گیا[8] ہندستان کے تقریباً ۷۰۰۰ کرایہ کے

---

[1] کرٹیئس کی سند سے ۳۸۰۰۰ پیدل (ہشتم، ۱۰، ایم۔ کرنڈل، ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۱۹۴) [2] ایرین چہارم، ۲۶، ایضاً ص ۶۹ ایرین نے متاگا کے محاصرہ کو نیسا کی فتح سے پہلے رکھا ہے اور اس کے بعد کرٹیئس نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ [3] اس کی شناخت غیر یقینی ہے۔ کیا یہ سنسکرت کا شکاؤ ہے؟ ونسنٹ اسمتھ نے اسے "درۂ ملاکند سے زیادہ دور واقع نہیں ہے" لکھا ہے۔ ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۵۵ حاشیہ ۱

[4] کرٹیئس، ہشتم، ۱۰، ایم۔ کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۱۹۵ ص ۵ [5] ایرین، چہارم، ۲۷، ایضاً، ص ۶۸ [6] کرٹیئس، نے بہرحال کلیوفس کو اساکنس کی ماں بتایا ہے جو سکندر کے متاگا کا محاصرہ کرنے سے پہلے مرچکا تھا (ہشتم، ۱۰ ایضاً ص ۱۹۴ [7] جسٹن دوازدہم، ۷، ایضاً، ص ۳۲۲ ص ۹ ڈی اوڈرس، ہفدہ، ۸۴، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۲۶۹

فوجیوں نے مُستاگا کی حفاظت میں جو کارنمایاں انجام دیا وہ قابلِ ذکر ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے اس شرط پر کہ وہ شہر خالی کردیں ان کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی، لیکن جب وہ ہٹ کر کچھ فاصلہ پر پہنچ گئے تو سکندر ان پر اچانک ٹوٹ پڑا، اور اُن کی صفوں کو بُری طرح ذبح کرڈالا۔[1] ڈِی اوڈوُرس کہتا ہے کہ "پہلے انھوں نے بہ آوازِ بلند احتجاج کیا کہ معاہدہ کے خلاف ان پر حملہ کیا جارہا ہے اور انھوں نے ان دیوتاؤں کا واسطہ دیا جن کا نام لے کر اس نے جھوٹی قسمیں کھائیں اور دیوتاؤں کی بے حُرمتی کی۔[1] اس پر سکندر نے انھیں ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ وہ اپنے عہد کی رو سے صرف اس کا پابند تھا کہ وہ اُنھیں شہر سے باہر جانے دے۔ یہ بہرحال ان کے اور اہلِ مقدونیہ کے درمیان کوئی مستقل صلح نامہ نہیں تھا۔[2] اس غیرمتوقع خطرے سے خوف زدہ ہوئے بغیر ہندستان کے ان کرایہ کے فوجیوں نے بڑے جم کر دشمن کا مقابلہ کیا اور ان کی دلیری اور جرأت آفریں شجاعت نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جب ان کے بہت سے آدمی مارے گئے یا مہلک زخموں کی حفاظت کی تکلیف سے تڑپنے لگے تو عورتوں نے ہتھیار سنبھال لیے اور مَردوں کے ساتھ مردانگی سے قلعہ کی حفاظت کی۔ بڑی بے جگری سے جنگ کرنے کے بعد آخرکار وہ طاقت ور دشمن سے مغلوب ہو گئے اور ڈی اوڈورس کے الفاظ میں انھوں نے "عزت کی موت اختیار کی جس پر وہ ذلت کی زندگی کو ترجیح دینا ہرگز گوارہ نہیں کرسکتے تھے"، اس واقعہ سے بلاشبہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اتنے پُرانے زمانے میں بھی ہندستان کے اپنے "جان آف آرک" موجود تھے۔ لیکن اس سے سکندر جیسے سورما کی اولوالعزمی پر حرف آتا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاہدوں کا کس حد تک احترام کرتا تھا۔ بقول پلوٹارک یہ واقعہ سکندر کی فوجی شہرت پر ایک بدنما داغ بن کر رہے گا۔[3] مستاگا کی شکست کے بعد سکندر اور آگے بڑھا اور چند مہینے کی سخت جنگ کے بعد اس نے اورا، بریرا، اور نسّ،

---

[1] ایضاً، ص۲۷۰ [2] ایضاً، ص۱۲

[3] پلوٹارک، باب ۵۹، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۳۰۶

پیوکلاؤٹس، (سنسکرت کے پشکراوتی، یوسف زئی علاقہ میں موجودہ چارسدہ)؛ امبولی، اور ڈیرٹا، وغیرہ تمام شہر جو فوجی اہمیت رکھتے تھے، فتح کر لیے۔[1]

شمالی مغربی ہندستان میں صورتِ حال

اس طرح تمام سرحدی علاقوں کو تسخیر کرنے اور اُن مقامات پر انتظام و انصرام کے لیے یونانی فوج کے محافظ دستے تعینات کرنے کے بعد[2] سکندر بڑی بے تکلفی اور سرعت کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ حالات اس کے لیے بلاشبہ سازگار تھے۔ پنجاب اور سندھ جنھیں سکندر کی فوجی قوت کی ٹکر جھیلنی پڑی، نااتفاقی اور بے اتحادی کا افسوس ناک منظر پیش کر رہے تھے۔ چندر گپت موریہ جیسا کوئی سردھرا جس نے بیس سال بعد سلیوکس نائی کیٹر کے حملہ کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس کے برخلاف شمالی مغربی ہندستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جن میں شخصی حکومتیں بھی تھیں اور چند سرداری قبائلی بھی۔ یہ ریاستیں آپس میں خطرناک اختلافات و نزاعات رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایسا بھی ہوا کہ ان میں سے بعض نے بیرونی حملہ آور سے ساز باز کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ٹکسیلا کے راجا نے سکندر کے لیے گویا ہندستان کے دروازے ہی کھول دیے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے پرڈکس نامی سپہ سالار کے ماتحت یونانی فوج کے مقدمتہ الجیش کو دریائے سندھ پر پُل باندھنے اور ان قبیلوں اور سرداروں مثلاً استیس (ہشٹی یا اشٹک راج؟) کو زیر کرنے میں جن کے علاقے راستے میں پڑتے تھے، ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔

---

[1] پلوٹارک، باب ۵۹، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص۳۰۶ [2] ان مقامات کی شناخت بالکل غیر یقینی ہے وادی کابل (کوفن) کے جنوبی شہر مقامی سرداروں کو نائیوس اور استاگیر (آشو جیت؟) کی مدد سے فتح کیے گئے۔ ایرین چہارم، ۲۸، ایضاً، ص۲۷

[3] مثال کے طور پر لنکانور کو سندھ کے مغربی علاقہ کا شترپ (سردار) بنایا گیا اور فلپوز کو بیوکلاؤٹس کے فوجی دستہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا (ایضاً) [4] رستیس کا دارالسلطنت ہنفسٹین نے تیس دن میں فتح کیا اور اس کی ریاست سانگ گیٹو ... (سنہ) ...

ٹکسیلا اور ابھی سار

۳۲۶ ق۔م کے موسم بہار کے آغاز پر سکندر نے حسب دستور قربانیاں پیش کیں اور اپنی خستہ و ماندہ فوج کو مختصر وقفہ کے لیے آرام کا موقع دیا اور اس کے بعد اوہند (اٹک سے چند میل شمال میں موجودہ اُنڈ) کے قریب بعافیت تمام دریائے سندھ کو پار کر لیا۔ ٹکسیلا میں متوفی ٹکسیلیس کے بیٹے اوُم فِس یا امبھی نے سکندر کا خیر مقدم کیا اور بیش قیمت اور خوبصورت تحفے جن میں چاندی اور اچھی نسل کی بھیڑیں اور بیل شامل تھے اس کی خدمت میں پیش کیے۔[1] سکندر اس سے بہت خوش ہوا اور اس نے اپنی طرف سے تحفے شامل کر کے وہ تحفے اُسے واپس کر دیے۔ اس طرح اس نے ٹکسیلا کے راجا کی وفاداری حاصل کر لی۔ بلکہ اُس سے ۵۰۰۰ سپاہیوں کا ایک فوجی دستہ بھی حاصل کیا۔[2] اسی طرح ابھی سار (پونچھ اور نوشہرا کے اضلاع) کے دانا راجا ابھی سارِیر اور دیگر ہمسایہ راجاؤں مثلاً ڈاکسا ریز نے یہ سوچ کر کہ مقاومت سے کام نہیں چلے گا، خود بخود سکندر کی اطاعت قبول کر لی۔[3]

پورس

بہرحال جب سکندر ہائی ڈاسپیز (جہلم) پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جلیل القدر پورس دریا کے اُس پار ٹکسیلا سے بھیجی گئی سکندر کی دعوت کے جواب میں بلاشبہ اُس کے استقبال کے لیے تیار کھڑا ہے لیکن ایک زبردست فوج کے ساتھ جنگ وجدال پر آمادہ و کمربستہ ہے۔[4] سکندر کے لیے دریا پار کرنا مشکل تھا اس لیے

---

[1] سگوین لیوی، جرنل ایشیاٹک، ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۳۴ [2] ایرین پنجم، ۳، ایم، کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر، صفحہ ۸۳ کرٹیس، ہشتم، ۱۲، ایضاً، صفحہ ۲۰۲

[3] ایرین، پنجم، ۸، ایضاً، صفحہ ۹۳ [4] ایضاً صفحہ ۹۲

[5] ڈی اوڈورس ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ایبارو سٹس (ابھی ساریس) نے پورس سے اتحاد قائم کر لیا تھا اور سکندر سے مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا۔ (سترہ، ۸۷، ایضاً، صفحہ ۲۷۴)

دونوں عالی منزلت حریفوں میں کچھ دنوں ذہنی کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ آخرش حملہ آور نے "چپکے سے راستہ" (ایرین) تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۱۰۰۰ منتخب سپاہی اپنے ساتھ لے کر رات کے سناٹے میں جبکہ بادوباراں کے ایک زبردست طوفان نے پورس کی متعدی کو قدرے مضمحل کردیا تھا اپنے کیمپ سے چند میل دور ایک تنگ موڑ پر، دریا پار کرلیا۔ اس کے علاوہ سکندر نے اپنے ارادوں اور نقل و حرکت پر پردہ ڈالنے اور دشمن کو فریب دینے کے لیے فوج کا ایک بڑا حصہ کرے ٹراس کی سرکردگی میں اپنے کیمپ میں چھوڑا اور دوسرا ملیگر کی قیادت میں کیمپ اور اُس مقام کے درمیان میں تعینات کیا جہاں اس نے دریا پار کیا تھا[1] جب پورس کو پتہ چلا کہ اس کی مزاحمت کی کوششیں ناکام ہوچکی ہیں اور سکندر نے مشرق کی جانب فوجوں کو اتار دیا ہے تو اس نے اپنے بیٹے کو ۲۰۰۰ سپاہیوں اور ۱۲۰ رتھوں" کی معیت میں اپنے نڈر حریف کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ نوجوان پورس بڑی آسانی سے پسپا ہوگیا اور سکندر کے ہاتھوں مارا گیا۔

سکندر اور پورس کا مقابلہ

آخرکار پورس خود حرکت میں آیا اور ۵۰۰۰ پیدل، ۳۰۰۰ سوار، اس کے علاوہ ایک ہزار رتھ اور ۱۳۰ ہاتھی لے کر سکندر کے مقابل صف آرا ہوا۔ سب سے آگے ہاتھیوں کی صف قلعہ کی دیوار کی طرح کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے پیدل پرے جمائے تھے۔ میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے تھے۔ جن کے آگے رتھوں کی صفیں تھیں۔ سکندر نے کرّی[2] کے میدان میں ہندستانی لشکر کا سازوسامان اور دم خم دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا "آخرکار میں ایک ایسے خطرے سے دوچار ہوں جو میری ہمت سے میل کھاتا ہے۔ اب مقابلہ بہ یک وقت خونخوار درندوں اور غیر معمولی عزم والے انسانوں سے آپڑا ہے"۔[3] یونانی سواروں نے

[1] کرٹیس ہشتم ۱۲، ایضاً ص۲۰۳ رسل و رسائل قائم رکھنے کے لیے راستے میں جا بجا محافظ تعینات کردیے گئے تھے [2] ایرین پنجم، ۱۴، ایضاً ص۱۰ کرٹیس کے مطابق فوج کے اس ٹکڑے کی کمان پورس کا بھائی ہیگس کررہا تھا۔ [3] ہشتم، ۱۴، ایضاً،

تیروں کی بوچھار سے جنگ کا آغاز کیا۔ ہندوستانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بقول پلوٹارک، آٹھ پہر دن تک وہ میدانِ جنگ میں "ثمرد کے ساتھ ثابت قدم رہے"[1] لیکن نتیجہ میں قسمت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔

پورس کی شکست کے اسباب

پورس کی طاقت کا دارومدار زیادہ تر رتھوں پر تھا۔" ہر رتھ کو چار گھوڑے کھینچتے تھے، اور چھ آدمی اس پر سوار ہوتے تھے۔ ان میں سے دو سپر بردار، اور دو تیرانداز ہوتے تھے جو رتھ کے ہر دو جانب نشست قائم کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دو رتھ بان ہوتے تھے جن کی حیثیت رتھ بان کی بھی تھی اور تیرانداز کی بھی۔ جب جنگ دست بہ دست ہونے لگتی تو وہ باگیں چھوڑ دیتے اور دشمن پر تیر برسانے شروع کر دیتے[2] خاص اس دن یہ تمام رتھ بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زبردست طوفانی بارش نے زمین میں پھسلن کر دی اور گھوڑوں کو نکما بنا دیا۔ رتھ، کیچڑ اور دلدل میں دھنس کر رہ گئے اور اپنے بھاری وزن کے باعث بر وقت حرکت میں نہ لائے جا سکے[3] اس کے علاوہ پھسلن کی وجہ سے تیرانداز بھی ناکام رہے، کیونکہ انھیں تیر چلاتے وقت اپنی کمان کو زمین پر ٹیکنا ہوتا تھا جو پھسل جاتی تھی اور تیر دیر سے چلتا اور نشانہ خطا ہو جاتا تھا[4] مزید برا ں، ہندوستانی فوج اس قدر بھاری بھرکم تھی کہ اُسے آسانی سے حرکت میں لانا آسان نہ تھا۔ اس لیے وہ یونانی فوج کے پھرتیلے سواروں کے استادانہ داؤ پیچ اور منظم پیدل صفوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ اور آخری سبب یہ ہوا کہ پورس کو ہاتھیوں پر بڑا

---

[1] پلوٹارک، باب ساٹھ، ایضاً ص ۳۰۸ [2] کرٹئیس، ہشتم، ۱۴، ۱ ایضاً، ص ۲۰۷ [3] ایضاً، ص ۲۱۸ [4] ایرین کا بیان ہے کہ کمان "تیرانداز کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ اُسے وہ زمین پر ٹیکتے ہیں اور بائیں پیر پر زور دے کر اس کی ڈوری کو بہت پیچھے تک کھینچتے ہیں۔ ان کا تیر تین گز سے کچھ ہی کم لمبا ہوتا ہے۔" رانڈ کا چودھواں باب، ایم کرنڈل کی اینشینٹ انڈیا ایز ڈیسکرائبڈ بائی میگستھنیز اینڈ ایرین ص ۱۲۵، [5] کرٹئیس، ہشتم، ۱۴، ۱۴ ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۲۱۱

بھروسہ تھا، لیکن جب یونانیوں نے اُن کے پیروں اور سونڈوں کو اپنے تیشوں اور بھالوں سے کاٹ کاٹ کر قیمہ کر دیا، تو وہ ڈر کر میدان جنگ سے "بھیڑوں کی طرح" بھاگ پڑے، اور اپنی ہی صفوں میں ہنگامہ برپا کر دیا، فیلبانوں کو زمین پر گرا دیا اور خود ہی انھیں کچل کر موت کے گھاٹ اتار دیا"[1] اس شکست فاش کے اسباب کچھ بھی ہوں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پورس ایک شان دار، دیو پیکر انسان تھا اور اس کا قامت چھ فٹ سے متجاوز تھا۔ وہ جنگ میں پیچھے نہ ہٹا اور نہ فارس کے دارا سوم کو ڈومنیس کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگا۔ بلکہ منو کی ہدایت کے مطابق — ——— "संग्रामेष्वनिवर्तित्व" (ہفتم، ۸۸)، اپنے نو زخموں کے باوجود جو اس نے میدان جنگ میں کھائے تھے ثابت قدم رہا اور استحکام اور استقلال کے ساتھ دشمن پر تیر چلاتا رہا۔ وہ غالباً اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ "ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے"۔ جب پورس کو گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لایا گیا تو وہ ذرا بھی "دل شکستہ اور پشیمان" نہیں تھا۔[2] بلکہ جرأت کے ساتھ وہ سکندر سے ملا۔ جس طرح ایک بہادر زور آزمائی کے بعد دوسرے بہادر سے ملتا ہے اور پُر غرور انداز میں اس سے مطالبہ کیا "اے سکندر میرے ساتھ وہ سلوک کر جو بادشاہوں کے شایان شان ہوتا ہے"[3]

---

[1] ایرین پنجم ۱۷: ۹ [2] ایضاً، ص ۱۹ [3] ایضاً، ایک حالیہ مقالہ میں در روئداد انڈین ہسٹاریکل کانگریس الہ آباد ۱۹۳۸ء ص ۸۵-۹۱) ڈاکٹر ایچ سی سیٹھی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس فاتح اعظم کو پہلی شکست دریائے جہلم پر ہوئی، اور اس نے پورس سے صلح کی درخواست کی۔ ان کے استدلال کی بنیاد لائف اینڈ اکسپلائٹس آف الگزانڈر (ای۔ اے۔ ڈبلیو بج کا ترجمہ، ص ۱۲۳) کے حبشی ترجمے کی ایک مشکوک مشتبہ عبارت ہے۔ فاضل پروفیسر کے خیالات سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حبشی ترجمہ کی تاریخ کا ہمیں یقین نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یونان اور روم دونوں کے کلاسکی مصنفین کی یکساں شہادتوں کے یہ منافی ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم یہ یقین کر لیں کہ اُنھوں نے عمداً سازش کر کے جھوٹ باتیں لکھ دیں۔ تیسرے یہ کہ اگر پورس فتح یاب ہوا بھی جیسا کہ ڈاکٹر سیٹھ کا دعویٰ ہے تو سکندر ہائی فیسز کے کنارے تک پھر کس طرح پہنچ سکا۔ اس جیسا تھا جزل یہ کر نہیں سکتا تھا، چاہے ہندستان کے دروازے ہی پر سے پورس کے سامنے جھکنا پڑ جاتا۔ [3] جسٹن، بارہ، ۸، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۳۲۳

جسٹن کہتا ہے کہ سکندر نے پورس کی شجاعت کا احترام کرتے ہوئے اُسے بہ حفاظت اس کی راج گدی پر بحال کر دیا۔[1] پورس کے ساتھ سکندر کی اس کشادہ دلی کے برتاؤ میں شاید کسی حد تک اس کی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کو بھی دخل ہو، لیکن اس کے کچھ اور بھی اسباب ضرور تھے کیونکہ سیاسیات میں اس قسم کی عالی ظرفی کی گنجائش ذرا مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ پہلا سبب تو یہ ہو سکتا تھا کہ پورس کی زبردست مقاومت نے جو اس کے مجروحین و مقتولین کی بڑی تعداد سے ظاہر ہے[2]، ضرور سکندر کی آنکھیں کھول دی ہوں گی اور اس نے پورس سے مصالحت ضروری سمجھی ہو گی دوسرے سکندر یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ چونکہ وہ دُور دراز یونان کا رہنے والا ہے، اس لیے مقامی امداد و تعاون اور وفاداری کے بغیر تمام مفتوحہ علاقوں کو اطاعت پر مجبور کرنا اس کے لیے ناممکن ہو گا۔ اس کے ماسوا، اس کا مشرق میں ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب ایک بڑی حد تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ صلح و مصالحت سے کام نکالے، یا کہنا چاہیے، جنگلی ہاتھیوں کو پالتو ہاتھیوں کے ذریعہ پکڑنے کی پالیسی اختیار کرے۔ چنانچہ سکندر نے پورس کی طرف دوستی اور مصالحت کا ہاتھ بڑھانا ضروری سمجھا اور اس کا راج پاٹ اور عزت و وقار اسے واپس کر دیا۔ ایسا کر کے اس نے نہ صرف اپنی حکمت عملی اور سیاسی مصالح کے مطابق عمل درآمد کیا، بلکہ حیرت انگیز طور پر، ہندو فاتحین کی روایتی پالیسی کی بھی تقلید کی جس کی منو[3] اور کوٹلیہ[4] نے بھی حمایت کی ہے۔ یعنی یہ کہ مفتوحہ علاقہ کو براہ راست سلطنت میں شامل کرنے کی بجائے مفتوحہ

---

[1] جسٹن، بارہ، ۸، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص۳۲۳ [2] ڈی اوڈرس کہتا ہے کہ ۱۲۰۰ آدمی مارے گئے اور ۹۰۰۰ گرفتار ہوئے (سترہ، ۸۹، ایضاً ص۲۷۶) ایرین کے مطابق مقتولین کی تعداد ۳۰۰۰ پیدل اور ۳۰۰۰ سوار ہے، اور عام رتھ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (پانچ، ۱۸، ایضاً ص۱۰۷) [3] دیکھئے منو

सेबषां तु विदित्वैषा समासेन चिकीवितम

स्थानम् तद्रश्य कुर्याद्म समयक्रियाम

حکمراں کو یا حکمراں خاندان کے کسی نوعمر لڑکے کو راج گدی دے دی جائے۔

دو شہروں کی بنیاد

اس کے بعد سکندر نے دو شہروں کی بنیاد رکھی جن میں سے ایک کا نام اس نے اپنے جنگی گھوڑے کے نام پر جو ہندوستان میں کام آیا تھا "بوکے نالا" اور دوسرے کا نام اپنی فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیے "لنکا ٹیا" رکھا، جسے اُس نے اُس مقام پر بسایا جہاں پورس سے اس کی جنگ ہوئی تھی۔

گلاڈسائی اور پورس (خورد) کی شکست

یونانی دیوتاؤں کی شکست کے بعد سکندر نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ وہ اس قوم کے علاقہ میں داخل ہوا جو گلاڈسائی یا گلاڈکسنی کائی (کاشکا کے سنسکرت گلاڈچکا ئینک ؟) کہلاتا تھا۔ یہاں اس نے ان کے ۳۷ شہروں پر قبضہ کیا، جن میں سب سے چھوٹے شہر کی آبادی ...۵ سے کم نہیں تھی اور سب سے بڑے شہر کی آبادی .... اسے زیادہ تھی۔"[1] اس منزل پر پہنچ کر سکندر نے اپنے خلاف بغاوتوں کا حال سنا سندھ سے مغرب کے ہندوستان کے شترپ (حاکم) نکانور کو قتل کر دیا گیا اور سسی کوٹس یعنی ششی گپت نے بھی، جو سکندر کی طرف سے اَورنس کے قلعہ پر تعینات تھا، فوری امداد کے لیے پیغامات بھیجے۔ اس کے پڑوسی مشترپ تری اسپیز اور فلپ نے جو ٹکیسلا کی ریاست میں تعینات تھے، فوراً لبیک کہا اور یونانی طاقت کو جو خطرہ لاحق تھا اس کا سدباب کیا۔ تھریس سے کمک آنے اور ابھی سار کے حکمراں کے از سرنو اطاعت قبول کرنے کے بعد، سکندر نے آکے سینیز کو (سنسکرت اسکنی یا چناب) کو عبور کیا اور جلیل القدر پورس کے بھتیجے پورس خورد کو زیر کیا۔ اس کی ریاست جسے گندرش[2] کہتے تھے نیز گلاڈسائی کو سکندر نے اپنے سابقہ دشمن پورس بزرگ (پورو) کی ریاست میں شامل کرا دیا۔

پم پرما پر قبضہ

۳۲۶ ق.م. کی اگست تک مقدونوی فوج ہائی ڈروٹیز (پرشنی، یا اراوتی یعنی موجودہ راوی) تک جا پہنچی اور سکندر نے نئی نئی فتوحات حاصل کیں۔ اس نے پم پرما کو فتح کر لیا جو اب تک اوڈسس تے قبیلے (یالیمنی کے ارشنوں) کے قبضہ میں تھا۔

---

[1] بوکے فالا ہائی ڈاسپیز (جہلم) پر ٹھیک اس مقام پر واقع تھا جہاں سکندر نے دریا کو عبور کیا تھا۔

[2] دیکھیے اسٹرابو، ایم کرنڈل کی اینشنٹ انڈیا ص ۳۷

سنگل کا محاصرہ

اس کے فوراً بعد سکندر نے سنگل کا محاصرہ کرلیا جو کتھا ئیئوں (سنسکرت کے کٹھوں) کا گڑھ تھا۔ کٹھ قوم کے لوگ اپنی بہادری اور فنِ جنگ میں مشہور تھے[1]۔

اونی سیکروٹاس کے حوالہ سے اسٹرابو ہمیں بتاتا ہے کہ کتھائیئوں میں مردانہ حسن کی بڑی قدر تھی ان میں جو سب سے زیادہ حسین وجمیل ہوتا تھا اسے وہ راجا چن لیتے تھے"[2] بچّہ کی پیدائش کے دو ماہ بعد ایک سرکاری افسر یہ جانچنے کے لیے اس کا معائنہ کرتا تھا کہ وہ "بہ اعتبار حسن، قانون کے مقررہ معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں، نیز یہ کہ وہ زندہ رہنے کا مستحق ہے یا نہیں[3]" عورتیں اور مرد اپنی پسند کی شادیاں کرتے تھے اور عورتیں مرنے والے شوہر کے ساتھ اپنے کو زندہ جلادیتی تھیں[4]۔ کتھائیئے بڑھ چڑھ کر بڑے تمرو کے ساتھ جنگ کرتے تھے یہاں تک کہ پورس کو بھی ۵۰۰۰ ہندوستانی سپاہ لے کر[5] سکندر کی مدد کو آنا پڑا۔ آخر کار جب قلعہ فتح ہوگیا تو ۱۷۰۰۰ آدمیوں نے جو قلعہ کی حفاظت کر رہے تھے جان دے دی۔۔۔۔۔۔ آدمی گرفتار ہوئے اور ۳۰۰ گاڑیاں اور ۵۰۰ سوار سکندر کے ہاتھ لگے[6]۔ کتھائیئوں کی اس زبردست مقاومت سے سکندر اس درجہ برافروختہ ہوا کہ سنگل کے شہر کو اس نے مسمار کر ڈالا۔ پھر عقبِ لشکر کی حفاظت کے لیے اس نے یونانی فوجی دستے مفتوحہ شہروں کو بھیجے اور خود ہائی فیز (بیاس) کی طرف بڑھنے لگا تاکہ ہندستان کے مشرقِ بعید میں اپنا یونانی جھنڈا لہرانے کے دیرینہ خواب کو عملی جامہ پہنا سکے۔

یونانی فوج آگے بڑھنے سے انکار کردیتی ہے

سکندر جب دریا کے قریب پہنچا تو ایک عجیب وغریب بات پیش آئی۔ اس کی ہمیشہ فتح یاب ہونے والی فوج نے اجواب تک بے شمار خطرات و مصائب کا مقابلہ

---

[1] ایرین، پانچواں، ۲۲، ایم کرنڈل، ان ویژن بائی الگزانڈر [2] دیکھیے اسٹرابو، ایم کرنڈل کی انیشنٹ انڈیا صفحہ ۳۸ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایرین پانچواں، ۲۴، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۱۱۹ [7] ایضاً۔

کر چکی تھی، یک لخت ہتھیار ڈال دیے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ فوج کو نہ اب شہرت کی تمنا تھی نہ مالِ غنیمت کی پروا۔

اس کے اسباب

اس سے پہلے کہ ہم سکندر کی واپسی کے سفر کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونانی سپاہیوں کے رویے میں جو غیر متوقع تبدیلی پیدا ہوئی اس کے اسباب و علل کا تجزیہ کریں۔ وہ کیا چیز تھی جس کے باعث طبلِ جنگ ان کے دلوں میں کوئی تڑپ پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ کیا وجہ ہوئی کہ ان کے سپہ سالارِ اعظم اور بادشاہ کی منت و سماجت اور جوشیلی تقریریں خون کے آنسوؤں اور کراہوں کے علاوہ کوئی اور اثر مرتب کرنے میں ناکام رہیں [1] کیا سبب تھا کہ دور دراز ممالک میں یونانی اقتدار قائم کرنے کے لیے ان کا جوش و خروش ہائی فیسز پہنچتے ہی یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا؟ یہ حقیقت ہے کہ یونانی سپاہی جنگ سے تنگ آ گئے تھے، وطن کی یاد انھیں ستا رہی تھی۔ بیماری نے انھیں پریشان کر دیا تھا اور وہ اپنے تئیں مفلس و محتاج محسوس کر رہے تھے [2] ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کے پاس نہ وردیاں باقی رہی تھیں نہ ہتھیار۔ یونان سے ان چیزوں کا منگوانا انتہائی دشوار تھا۔ ایسے سپاہیوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اس لیے افسردہ و مغموم تھے کہ ان کے بہت سے ساتھی اور دوست میدانِ جنگ میں کام آ چکے تھے یا بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن کیا ان کے اس رویہ کا جس سے بغاوت کی بو آ رہی تھی، کوئی اور سبب بھی ہو سکتا تھا؟ پلوٹارک نے بہرحال اس راز کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا ہے یعنی یہ کہ پورس سے مقابلہ کے بعد ہی یونانی فوج کی ہمت ٹوٹ چکی تھی اور سکندر کے حکم سے وہ بادلِ ناخواستہ ہائی فیسز تک جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ وہ کہتا ہے،

---

[1] پلوٹارک، باب باسٹھ، ایم، کرنڈل ان ویژن بائی الگزانڈر، صفحہ ۱۳۰؛ ایرین، باب پانچ، ۲۸، ایضاً، صفحہ ۱۲۵

[2] دیکھیے کوئینٹس: "ہم نے تمام دنیا کو فتح کر لیا ہے، لیکن ہم ہر چیز کے لیے محتاج ہیں" کرٹیس، نو، ۳، ایضاً، صفحہ ۲۲۹

"پورس کے ساتھ جنگ کے بعد ہی یونانی سپاہ نے جی چھوڑ دیا تھا اور وہ کسی طرح آگے بڑھنے کے لیے راضی نہیں تھی۔ کیونکہ پورس کو شکست دینا انتہائی مشکل کام تھا جبکہ سکندر کے ساتھ کل ۲۰۰۰۰ پیدل اور ۲۰۰۰ سوار تھے، اس لیے جب سکندر نے اپنے سپاہیوں سے گنگا پار کرنے پر زور دیا تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی [1] یونانی فوج ہندستانی سپاہیوں کی جاں بازی اور سرفروشی اور جنگی صلاحیت سے کافی مرعوب تھی حقیقتاً، بقول ایرین "ایشیا میں بسنے والی دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہندستانی فنِ جنگ میں سب پر فضیلت رکھتے تھے۔" [2] شاید یہی وجہ ہوئی کہ یونانیوں نے پورس سے لڑائی کے بعد ہی یہ ظاہر کر دیا کہ ہندستان میں مزید صعوبتیں برداشت کرنا اب ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن جب سکندر نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کے لیے مزید اُکسایا تو فوج کی تشویش و پریشانی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اور اس کی قوت برداشت نے بالکل جواب دے دیا۔ ہائی فیسز کے راستہ میں سکندر کے سپاہیوں نے طرح طرح کی دہشت ناک افواہیں سُنیں۔ یعنی یہ کہ دریا کے اس پار وسیع و عریض اور اُداس و ویران ریگستان ہیں، تیز و تند اور عمیق و اتھاہ دریا ہیں [3] اور جو بات سب سے زیادہ پریشان کن تھی وہ یہ کہ دریا کے اُس پار طاقت ور اور دولت مند قومیں آباد ہیں جن کے پاس عظیم الشان افواج ہیں۔ کرٹیس بتاتا ہے کہ فیگیس (فگلیس [4]) نے جو بھگل سے کے مماثل ہے، سکندر کو حسب ذیل معلومات بہم پہنچائی:

"گنگا کی دوسری جانب دو قومیں آباد ہیں۔ گنگری دائی اور پرسی آئی۔ جن کا راجا اگرامس اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ۲۰۰۰۰ سوار، ۲۰۰۰۰۰ پیدل اور ۲۰۰۰ چار گھوڑوں والے رتھ رکھتا ہے اور سب سے زیادہ ہیبت ناک طاقت اس کے پاس یہ ہے کہ اُس کے جنگی ہاتھیوں کی تعداد ۳۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ [5]" اسی طرح

---

[1] پلوٹارک؛ باسٹھ؛ ایضاً، صہ ۳۱ پلوٹارک نے اس مقام پر فوج کا اندازہ اصل سے کم کیا ہے اور ہائی فیسس کی بجائے گنگا لکھ دیا ہے [2] ایرین، پانچ، ۴، ایضاً صہ ۸۵ [3] کرٹیس، نو، ۲، ایضاً، صہ ۳۲۱
[4] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، صہ ۳۷۲ [5] کرٹیس، نو، ۲، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صہ ۲۲۱ تا ۲۲۲

پلوٹارک کہتا ہے کہ "گنگری نائی اور پرائی سیائی کے راجا.... ۸۰۰۰ سواروں، ۲۰۰۰۰۰ پیادوں، ۸۰۰۰ رتھوں اور ۶۰۰۰ جنگی ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ اپنے ملک میں سکندر کی آمد کے منتظر تھے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا کیونکہ تھوڑے ہی عرصے بعد جب اینڈراکوٹس راج گدی پر بیٹھا تو اس نے سلیوکس کو ۵۰۰ ہاتھی تحفہ میں پیش کیے اور ۶۰۰۰۰۰ سپاہیوں کی فوج کی مدد سے تمام ہندوستان سے تاخت و تاراج کر کے اپنے قبضہ میں کرلیا[1] ان بیانات کی بنیادی حقیقت کی تائید دیسی ماخذ سے بھی ہوتی ہے۔ جن سے ہمیں نند شہنشاہ کی جو گنگری دائی اور پرسیائی قوموں پر حکومت کرتا تھا بے پناہ دولت اور طاقت کا حال معلوم ہوتا ہے[2] ایرین کا بیان بھی بہت کچھ اسی کے مطابق ہے، لیکن اس کا مطلب اس خطۂ ملک سے معلوم ہوتا ہے جو ہائی مسینر کی دوسری جانب واقع تھا۔ وہ کہتا ہے: "یہ ایک بہت زرخیز علاقہ تھا اور وہاں کے باشندے اچھے قسم کے زراعت پیشہ، جنگ آزمودہ اور ایک بہترین طرزِ حکومت رکھنے والے لوگ تھے۔ عوام پر امرا کی ایک جماعت حکومت کرتی تھی، جو اپنے اختیارات کو انصاف و اعتدال کے ساتھ استعمال کرتی تھی۔ یہ اطلاعات بھی ملیں کہ ان لوگوں کے پاس دیگر ہندستانیوں کے مقابلہ میں ہاتھیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ نیز یہ کہ اُن کے ہاتھی جیالے اور قد و قامت میں سب سے اچھے تھے۔[3]" ان تفصیلات نے سکندر کے بے پناہ حوصلہ کے لیے مہمیز کا کام دیا اور ہندوستان کے وسط میں پہنچنے کے لیے وہ اور زیادہ بے چین ہو گیا۔ دوسری طرف اہلِ مقدونیہ کا یہ حال تھا جس کی تصدیق ایرین نے بھی کی ہے کہ انھوں نے "یہ دیکھ دیکھ کر کہ ان کا بادشاہ مصیبت پر مصیبت اور خطرہ پر خطرہ مول لیے چلا جا رہا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہمت ہارنی شروع کر دی تھی[4]"، اور واقعہ یہ ہے کہ فوج میں جا بجا مشورے ہونے لگے تھے جو لوگ معتدل خیال کے تھے وہ

---

[1] پلوٹارک، باب ۶۲، ایضاً، ص ۳۱۰ [2] ملاحظہ ہو رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف انشینٹ انڈیا چوتھا اڈیشن، ص ۱۸۸ ص ۱۹۱ [3] ایرین، پانچواں، ۲۵، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر ص ۱۲۱

[4] ایضاً

اپنی حالت پر ماتم کر رہے تھے، لیکن دوسرے لوگ قطعی طور پر یہ رائے رکھتے کہ اگر سکندر خود بھی آگے آگے چلے گا تب بھی وہ اس کے پیچھے ایک انچ آگے نہیں بڑھیں گے۔[1]

سکندر کی اپیل

سکندر نے بے جگری کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے ایک ولولہ انگیز اپیل کی جس میں اس نے کہا "بہادرو! میں جانتا ہوں کہ گزشتہ دنوں میں اس ملک کے باشندوں نے طرح طرح کی افواہیں پھیلائی ہیں جن کا واضح مقصد یہ ہے کہ تمھارے خوف و ہراس سے فائدہ اٹھا کر تمھاری ہمتوں کو پست کر دیں۔ لیکن ایسے لوگوں کا جھوٹ جو اس قسم کی لغویات گھڑتے ہیں تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔"[2] یہ ذمہ داری اور یقین دہانی بالکل رائیگاں گئی۔ فوج اپنے انکار پر بضد رہی اور بیاس کے اس پار جا کر ہندستانیوں سے لڑنے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوئی کیونکہ ہندستانی فوج کی تعداد بقول کوئنیاس بربروں کے دانستہ مبالغہ کے باوجود، جیسا کہ بیانات سے خود ظاہر ہے، کافی بڑی تھی۔[3] سکندر نے اپنی فوج کی ہمت بڑھانے کے لیے مایوسی کے عالم میں ایک اور آخری کوشش کی اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس کے سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ بھی دیں گے تو بھی وہ آگے بڑھنے سے باز نہیں آئے گا۔ اس نے کہا: "تو پھر مجھے اکیلا دریاؤں میں ڈوبنے دو، خونخوار ہاتھیوں اور ان قوموں کے غیظ و غضب کا مجھے تنہا مقابلہ کرنے دو جن کا نام سن کر خوف سے تمھارا دم نکلتا ہے۔ تم ساتھ چھوڑتے ہو تو چھوڑ دو، مجھے ایسے لوگ مل جائیں گے جو میرا ساتھ دیں گے۔"[4]

فوج کی خاموشی

لیکن ہندوستانیوں کی زبردست مقاومت اور شجاعت نے جسے یونانی

---

[1] ایضاً [2] کرٹیس، نواں، ۲، ایضاً ص ۲۲۳ [3] کرٹیس، نواں، ۲، ایضاً ص ۲۲۹ [4] کرٹیس، نواں، ۲، ایضاً ص ۲۲۶

میدان جنگ میں کئی بار آزما چکے تھے یونانی فوج پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ نیز ہائی فیسز کے اس پار بسنے والی قوموں کی فوجی قوت نے انھیں اس درجہ خوف زدہ کر دیا تھا کہ سکندر کی یہ دھمکی اور یہ بھیانک تصور کہ سکندر دشمن ملک کے خطروں میں تنہا کود پڑے گا اور ہو سکتا ہے، جان بھی دے دے، خاموش آنسوؤں کے سوا کوئی اور اثر مرتب نہ کر سکی۔ صورتِ حال کا اندازہ سکندر کو اب ہوا۔ اس نے بڑی حسرت سے کہا: "میں اب تک بہرے کانوں پر دستک دیتا رہا۔ میں ان لوگوں کا دل بڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو بے وفائی کر رہے ہیں اور جنھیں بزدلانہ خوف نے پسپا کر دیا ہے"[1] اس کے بعد اس نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح سکندر کا مشرق میں سلطنت قائم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور یہ نامی گرامی سپہ سالار اور سینکڑوں معرکوں کا ہیرو اپنے لشکر کے خوف کے سامنے سپر انداز ہو گیا، حالاں کہ اس کے اپنے مزاج کے لیے جو مغلوب ہونے کے تصور سے ناآشنا تھا، اس قسم کا خوف بالکل اجنبی تھا۔ ڈی اوڈرس سکولس ہمیں بتاتا ہے کہ ہندستان کی سب سے بڑی قوم اس وقت گنگری ڈائی تھی جس کے ہاتھیوں کی کثرت سے مرعوب ہو کر سکندر اس پر حملہ نہ کر سکا[2] لیکن اس سے ہمیں یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے بارے میں کوئی غلط فہمی رکھتا تھا یا آیندہ مہموں میں جان پر کھیلنے میں خود اسے کوئی تامل تھا، بلکہ اس کا اصلی سبب اس کے لشکر کا بزدلانہ رویہ تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا[3]

قربان گاہیں

کہتے ہیں کہ اس نے اپنے مشرقی حملہ کی آخری حد کی یادگار قائم کرنے کے لیے حکم دیا کہ پتھر کی بارہ عظیم الشان قربان گاہیں تعمیر کرائی جائیں جنھیں خاص خاص

---

[1] ایضاً [2] اینشنٹ انڈیا ایز ڈیسکرائبڈ ان کلاسیکل لٹریچر ص۲۰۱

[3] ملاحظہ ہو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ نیا سلسلہ، نواں، ۱۹۲۳ ص۶۵ تا ص۶۹

[4] یہ قربان گاہیں ہائی فیسز کے داہنے کنارے پر واقع تھیں، بائیں پر نہیں، جیسا کہ پلائنی نے یقین دلایا ہے۔

یونانی دیوتاؤں سے منسوب کیا جائے۔ جب یہ دیو ہیکل یادگاریں مکمل ہوگئیں تو سکندر نے بعافیت وطن پہنچنے کے لیے منتیں مانگیں، قربانیاں کیں اور تمام ضروری رسمیں ادا کیں۔

واپسی اور انتظام حکومت

یونانی طوفان بڑی تیز رفتاری کے ساتھ آیا اور تمام پنجاب پر محیط ہوگیا لیکن ۳۲۶ ق م کے ستمبر میں اس کا زور گھٹ گیا اور غالباً گنگا کے میدانوں میں بسنے والوں کو اس کی گرج اور کڑک کی آوازیں سننے کے علاوہ اس کی تباہ کاریوں کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ بہت جلد سکندر ہائی ڈاسپیز (جہلم) کے کنارے پہنچ گیا جہاں پورس سے اس کا مقابلہ ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر سکندر نے پنجاب کے مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلط مستحکم کرنے کے لیے ضروری انتظامات کیے۔ ہائی ڈاسپیز اور ہائی فیسز کا درمیانی علاقہ اس نے اپنے نئے حلیف پورس کے سپرد کیا۔ سندھ اور ہائی ڈاسپیز کے دوآبے پر اس نے مکمل اختیارات اُومفِس یا ٹکسیلا کے ابھی کو دیے۔ اسی طرح ابھی سار کے حاکم کے اختیارات کی وسعت کشمیر تک رہی اور اُرشا (ضلع ہزارہ) کے اڑسکینز کو اسی کے ماتحت رکھا گیا۔ ان ہندستانی راجاؤں کی حکومت میں توازن قائم کرنے کے لیے سکندر نے سرزمین ہند پر اپنے بسائے ہوئے شہروں میں حسب ضرورت یونانی فوجی دستے تعینات کیے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ اس کے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت و نگہبانی کریں۔ تاکہ کوئی من چلا ہندستانی حکمراں غیر ملکی غلامی کا طوق اتارنے کی کوشش میں بغاوت نہ کرسکے۔

سوفائیٹیز

اس کے بعد سکندر نے دریاؤں کے بہاؤ پر کشتیوں کے ذریعہ سفر کی تیاریاں شروع کردیں۔ لیکن واقعاً سفر اختیار کرنے سے پہلے اس نے اپنے طاقتور دشمنوں کو اپنے راستے سے صاف کیا اور سوفائیٹیز (سوبھوتی) کو تسخیر کیا جس کی ریاست میں وہ ایک پہاڑ تھا جس سے نمک برآمد ہوتا تھا جو تمام ہندستان کو نمک بہم پہنچا

سکتا تھا۔[1] گویا وہ نمک کا سردار تھا۔[2] یہ بات بھی ضمنی طور پر قابلِ ذکر ہے جیسا کہ اسٹرابو نے بھی لکھا ہے کہ سوفائیٹنر کے علاقہ میں کتے ہوتے تھے جن کی ہمت اور دلیری حیرت انگیز" تھی اور سکندر نے انھیں شیر سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا۔[3] لیکن کرٹیئس دعویٰ کے ساتھ کہتا ہے کہ سوفائیٹنر کے لوگ عقل و دانش میں سبقت لیے ہوئے تھے اور ان کے رسم و رواج اور قوانین میں شائستگی پائی جاتی تھی۔[4] کتھائیئوں کی طرح وہ بھی حسن و جمال کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ ان کی شادیوں میں نسلی امتیاز کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ شکل و صورت معیار سمجھی جاتی تھی۔ ہر شیر خوار بچہ کا طبی معائنہ کرایا جاتا تھا، اور اگر "بچہ" کے اعضا میں کوئی جسمانی عیب یا خرابی پائی جاتی تو اسے مروا ڈالا جاتا تھا۔[5]

دریائی سفر

اکتوبر کے آخر میں واپسی کے سفر کا اعلان کر دیا گیا۔ بگل بجائے گئے اور یونانی کشتیاں سبک رفتاری اور شان کے ساتھ قطار در قطار دریا میں تیرتی دکھائی دینے لگیں۔ دونوں کناروں پر پیدل لشکر تھا، ایک جانب ہفیسشن کی قیادت میں اور دوسری جانب کریٹراس کی کمان میں، یہاں تک کہ یونانی فوج آکیسنیز اور ہائیڈاسپیز کے سنگم پر پہنچ گئی۔

---

[1] اسٹرابو، ایم کرنڈل کی اینشنٹ انڈیا

[2] بہرحال کرٹیئس کے بیان کے مطابق سوفائیٹنر کی ریاست ہائی فیسنز کے مغرب میں واقع تھی۔ نواں؛ ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، صہ ۲۱۹،

[3] ایضاً، صہ ۲۲؛ اسٹرابو اینشنٹ انڈیا

اینشنٹ انڈیا صہ ۳۸

[4] کرٹیئس، نواں، ۱، ایم کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، صہ ۲۱۹

[5] ایضاً

سبوئی اور اگلیشن

یہاں پہنچکر سکندر نے سبوئی (سنسکرت شیوی) سے جنھوں نے ۴۰۰۰۰ سواروں کی فوج جمع کی تھی [1] اور اگلیشینوں (اگرشرینیوں) سے جنھوں نے ۴۰۰۰۰ پیادوں اور ۳۰۰۰ سواروں کا لشکر فراہم کیا تھا [2]، زور آزمائی کے لیے اپنی فوج کو کشتیوں سے اترنے کا حکم دیا۔ سبوئی جو "جنگلی جانوروں کی کھال میں ملبوس تھے اور لاٹھیوں سے لڑتے تھے" بہت جلد پسپا ہو گئے۔ لیکن اگلیشنوں نے بہادری سے اپنی راجدھانی کی حفاظت کی اور پہلے حملہ میں سکندر کو پیچھے ہٹا دیا اور اس میں سکندر کا کافی نقصان ہوا۔ کرٹیس کہتا ہے کہ بعد میں انھوں نے اپنی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے گھروں کو آگ لگا دی اور اپنے بیوی بچوں سمیت اپنے کو نذر آتش کر دیا [3]۔" اس طرح اگلیشنیوں کی یہ رسم راجپوتوں کی جوہر کی رسم کی جو عہد وسطیٰ میں رائج تھی، ابتدائی صورت تھی۔

ملوئی اور اوکسی ڈراکائی

اگلیشنوں سے فراغت پاکر سکندر نے ملوئی (مالو) اور اوکسی ڈراکائی (شودرکوں) کے خلاف مہم کا آغاز کیا جو اس خطۂ ملک کے تمام قبیلوں میں "سب سے کثیر تعداد میں تھے اور سب سے زیادہ جنگجو تھے"۔ ان قبیلوں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے مضبوط و محفوظ شہروں میں منتقل کر دیا اور سکندر کے معاندانہ استقبال کے لیے تیار ہو گئے [4]۔ کرٹیس کہتا ہے کہ سابق میں یہ دونوں قبیلے آپس میں دشمنی رکھتے تھے، لیکن جب انھیں موقع کی نزاکت کا احساس ہوا تو وہ متحد ہو گئے اور ایک فوج جمع کی جس میں ۹۰۰۰۰ پیدل، ۱۰۰۰۰ سوار، اور ۹۰۰ جنگی رتھ شامل تھے۔ یونانی سپاہیوں نے اب یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ ان کے ایام مصیبت قریب الختم

---

[1] کرٹیس، نواں، ۴، [2] ایضاً ص ۲۳۲ [3] ڈی اوڈرس، سترھواں، باب چھیانواں، ایضاً ص ۲۸۵

[4] کرٹیس، نواں، ۴، ایضاً ص ۲۳۲ [5] ایرین، چھ، ۴، ص ۱۳۷

ہیں لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ایک نیا مقابلہ اُن کا منتظر ہے، تو ان پر" غیر متوقع دہشت" طاری ہوگئی اور کرٹیس کے الفاظ میں انھوں نے " باغیانہ انداز میں بادشاہ پر لعنت وملامت شروع کر دی[1] انھوں نے کہا کہ سکندر نے لڑائی ختم نہیں کی ہے بلکہ صرف موقفِ جنگ بدل دیا ہے۔ سکندر نے یہ تہیہ کرکے کہ ہائی فیز کی کہانی کہیں یہاں نہ دُہرائی جائے۔ اپنی فوج سے ایک پُرتاثیر اپیل کی جس میں اس نے کہا" مجھے عزت کے ساتھ ہندستان سے واپس جانے دو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے پناہ گیروں کی طرح یہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑے"[2] اس مرتبہ سکندر کی اپیل نے متوقع اثر مرتب کیا اور لشکر میں حرکت وعمل کی تازہ روح بیدار ہوگئی۔ فوج کی جنگ کے لیے آمادگی دیوانگی کی حد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ سکندر خطرے کی اطلاع دیے بغیر ملوئی لوگوں پر اچانک اس وقت ٹوٹ پڑا جب بیچارے نہتے کھیتوں میں کام کر رہے تھے[3] ان کی ایک کثیر تعداد کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا لیکن اس سے ان کا سرمایۂ مقاومت ختم نہیں ہوگیا۔ کچھ ملوئی شہر کے اندر پناہ گزیں ہو گئے۔ سکندر نے شہر کا محاصرہ کر لیا جس میں ۲۰۰۰ آدمی کام آئے۔ بعض نے برہمنوں" یا برہمنوں کے شہر میں جا کر پناہ لی۔ سکندر نے ان کا تعاقب کیا۔ ایرین کہتا ہے!" چوں کہ یہ جوشیلے لوگ تھے، اس لیے بہت تھوڑے گرفتار ہو سکے۔ باقی سب تلوار سے ہلاک ہوئے"[4] اس کے بعد سکندر نے ان کے مخصوص گڑھ پر چڑھائی کی جو موجودہ جھنگ اور منٹگمری ضلعوں کی سرحد پر کہیں واقع تھا[5] یہاں سکندر کے ایک کاری زخم لگا[6] جس سے لشکر میں سخت اضطراب وسراسیمگی پھیل گئی، کیونکہ اس وقت تمام لشکر کی سلامتی اسی کی قیادت اور طاقت پر منحصر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں نے ملوئی قبیلہ کا بڑی بے دردی سے قتل

---

[1] کرٹیس، نواں ۴، ایضاً ص ۲۳۴

[2] ایضاً ص ۲۳۵

[3] ایرین، چھٹا ۶، ایضاً ص ۱۴۰

[4] ایضاً، چھٹا ۷، ایضاً ص ۱۴۴ [5] Early History of India چوتھا ایڈیشن، ص ۱۰۰، نیز حاشیہ [6] ایرین وضاحت کے ساتھ کہتا ہے کہ سکندر کے ساتھ یہ سانحہ ملوئی سے مقابلہ کے دوران پیش آیا، نہ کہ اکسی درکائی سے مقابلہ کے دوران (ایرین، چھٹا ۱۱، ایم، کرنڈل کی ان ویژن بائی الگزانڈر، ص ۱۴۹

عام شروع کر دیا جس میں انھوں نے مرد، عورت، بچہ[1] کسی کو معاف نہیں کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اندھا دُھند ذبح کرنا بلاشبہ وحشیانہ سفا کی تھی جو ہندستان میں یونانیوں کے آئین جنگ پر ایک بدنما داغ ہے۔ جب تک سکندر صحت یاب ہوا اس وقت تک ملّوئی قبیلہ کی فرماں برداری مسلمہ حقیقت بن چکی تھی۔ اس طرح دونوں قبیلوں کا اتحاد ختم ہو گیا۔ اور مجبوراً آکسی ڈراکائی قبیلے کے لیے بھی اطاعت قبول کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا اور انھوں نے سکندر کے پاس اپنے سفیر مصالحت کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجے۔ انھوں نے درخواست کی کہ "وہ خود مختاری اور آزادی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتے ہیں[2]" نیز یہ کہ انھوں نے جو سکندر کا لوہا مانا ہے اس کا سبب خوف نہیں ہے بلکہ اس فیصلہ میں دیوتاؤں کی رضا شامل ہے[3] سکندر کو ان کا پُر وقار انداز پسند آیا اور وہ ان کے ساتھ نہایت درجہ خوش اخلاقی سے پیش آیا اور ان کی اس قدر خاطر مدارات کی کہ اس کے اپنے سپہ سالاروں کو رشک آ گیا۔ بعد ازاں ان دونوں قبیلوں پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یونانیوں کا مقصد ہندوستان میں مستحکم حکومت قائم کرنا ہے، سکندر نے فلپّوز[4] کو اس علاقہ میں مشترب تعنیات کیا اور اس کے بعد کشتیوں پر سفر کا سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے اسکنیزا اور دریائے سندھ کے سنگم پر پہنچ گیا۔

ابستنوئی کی شکست

یہاں پہنچ کر اس نے پَرڈکس کا انتظار کیا جو ابتدائی سفر میں اَبستنوئی یا ئمبُس تائی (سنسکرت امبش ٹھٗس) کو تسخیر کرنے کے لیے پیچھے رہ گیا تھا۔ ڈِی اُوڈرس کا بیان ہے کہ "وہ (ابستنوئی) تعداد یا بہادری میں کسی سے کم درجہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ شہروں میں رہتے تھے۔ جہاں جمہوری نظام حکومت رائج تھا[5]" دوسرے قبیلوں کی طرح انھوں نے بھی سکندر سے مقابلہ کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی تھی جس میں ۶۰۰۰۰ پیدل ۶۰۰۰ سوار، اور ۵۰۰ رتھ شامل تھے، لیکن قسمت نے ان کا بھی زیادہ ساتھ نہ دیا۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ایرین، چھٹا، ۱۴، ایضاً صفحہ ۱۵۴ [3] کرٹیس، نواں، ۷، ایضاً، صفحہ ۲۴۴ تا صفحہ ۲۴۹ [4] فلپّوز کا حلقہ اثر بعد میں جنوب کی طرف بہت زیادہ بڑھا دیا گیا۔ [5] ڈی اوڈرس، سترہ، باب بیاسی، ایضاً، صفحہ ۲۹۲

وادی سندھ کے جنوبی علاقہ کی تسخیر

واپسی کے سفر میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا تک پہنچتے پہنچتے جن قبیلوں نے سکندر کی اطاعت قبول کی وہ یہ تھے۔ رتھ روئی (کشتری بقول منو)، اُستاوِی اُوئی (یہ وساتی مطابق مہابھارت سودائی (شودر؟) اور مسانوی۔ بدقسمتی سے ان کی باہمی دشمنی کی تفصیلات ہمیں نہیں معلوم۔ سکندر نے متعدد راجاؤں کو بھی تسخیر کیا، مثلاً موسیکانوس (موشکا قبیلہ کا سردار)، آکسی کنوئس [1] اور سُمبُو (شمبھو [2]) یہ سب کے سب اتنے مغرور تھے کہ باوجودیکہ وہ آپس میں نبرد آزما رہتے تھے، لیکن انھوں نے سکندر کی اطاعت قبول نہیں کی۔ موسکانوس کی راجدھانی اُلُور (سکھر کا ضلع) تھی اور اُونِی سِکری ٹوس کے مطابق وہاں کے باشندے صاف ستھرے رہن سہن اور درازیٔ عمر کے لیے ممتاز تھے۔ عام طور پر ان کے یہاں منتہائے عمر کا اوسط ۱۳۰ سال تھا[3] ان کی دیگر خصوصیات جو مصنفین نے لکھی ہیں یہ ہیں کہ وہ ایک ساتھ سب کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے... اُن کی غذا میں ان کا کیا ہوا شکار شامل ہوتا تھا اور وہ سونا چاندی کبھی استعمال نہیں کرتے تھے باوجودیکہ ان کے یہاں ان دھاتوں کی کافی تعداد میں کانیں موجود تھیں۔ وہ غلاموں کی بجائے ایسے نوجوانوں کو ملازم رکھتے تھے جو عنفوان شباب میں ہوتے تھے۔ فنِ طِب کے علاوہ کسی اور علم کو توجہ کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے اور قتل اور ظلم و تشدد کے علاوہ کسی اور جرم پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کرتے تھے"، معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کے معاملہ میں اُن کے نزدیک ایک فریق کی یہ سزا کافی تھی کہ اس نے دوسرے فریق پر بے جا اعتماد کیوں کیا [4]

---

[1] ڈی اوڈرس (ایضاً) نے اسے پورٹی کلوس، کہا ہے۔ اس کی راجدھانی کے موقع کے لیے ملاحظہ ہو ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صہ ۱۸۹ حاشیہ ا [2] سمبوؤں کی راجدھانی سِندمنا یا مہوان تھی [3] اسٹرابو، ایم کرنڈل کی انشینٹ انڈیا صہ ۱۴۱ [4] ایضاً

برہمنوں کی مخالفت

اس خطۂ ملک کے سیاسی ماحول کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہاں برہمنوں کا اثر بہت زیادہ تھا اور برہمن عملی سیاسیات میں کافی دخیل تھے۔ یہی برہمن تھے جنھوں نے موکسی کنوس اور اُوکسی کنوس کو غیر ملکی غلامی کی ذلت و رسوائی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے برہمنوں کے مشورہ پر عمل کیا اور اپنی جانیں دے دیں۔ اور ساتھ میں بہت سے برہمن بھی مارے گئے۔ برہمنوں کی سیاست کو دبانا سکندر کے لیے کوئی آسان کام نہیں تھا کیونکہ نہ صرف تمام ملک برہمنوں کا احترام کرتا تھا، بلکہ بقول ایرین، برہمن خود بھی جوشیلے لوگ تھے[1] سیدھے سادے برہمنوں کا سکندر کے خلاف ہتھیار بلند کرنا کوئی انوکھی یا یونانیوں کی من گھڑت بات نہیں تھی؛ پرشورام، درونا چاریہ اور اشوتھامہ جیسے برہمن سورماؤں کی "رزمیہ" مثالوں کے علاوہ کوٹلیہ سے ہمیں برہمن افواج کا حال معلوم ہوتا ہے جو مغلوبہ دشمن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے لیے ممتاز تھیں[2] اس کے علاوہ ہندو مقنن بڑی وضاحت کے ساتھ انہیں آڑے وقت میں ملک و مذہب کے تحفظ کے لیے شاستر کو شستر سے بدلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ منو کا قول ہے۔

शस्त्र द्विजातिभिर्ग्राह्यं धर्मो यत्रोपरुध्यते।
द्विजातीनां च वर्णानां विप्लवे कालकारिते ॥

یعنی "برہمنوں کے فرائض کی انجام دہی میں کوئی مزاحمت ہو، یا دویج ذاتوں کو تو وہ ہتھیار بلند کر سکتے ہیں۔" یونانی حملے کے وقت ملک کو اسی قسم کا خطرہ لاحق تھا اور اسی لیے برہمن اپنی عزت اور وطن کے تحفظ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

پتّل

برہمنوں پر قابو پانے اور جنوبی وادی سندھ کے راجاؤں پر تسلط قائم کرنے

---

[1] ایرین چھٹا ۷، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۱۴۴ [2] ملاحظہ ہو شام شاشتری، ارتھ شاشتر، تیسرا اڈیشن صفحہ ۳۴۳

کے بعد سکندر تو آلہ یا پٹیل پہنچا۔ یہ ایک "مشہور شہر تھا اور اس کا دستور حکومت اسپارٹا جیسا تھا، اس قبیلہ میں یہ دستور تھا کہ میدان جنگ میں دو موروثی راجا جو دو مختلف گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، فوج کی قیادت کرتے تھے، اور پوری ریاست پر بزرگوں کی ایک مجلس حکومت کرتی تھی جو تمام معاملات میں پوری طرح با اختیار تھی[۱]۔" کرٹیس کے بیان کے مطابق، ان میں سے ایک راجا کا نام موئرس تھا[۲]۔

وطن لوٹنے کا راستہ

ستمبر ۳۲۵ ق.م کے شروع میں سکندر نے اس ملک کو جس پر اس نے پے درپے یادگار حملے کیے تھے، خیر باد کہہ دیا۔ اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ جو نیرکس کی سپہ سالاری میں تھا سمندر کے راستے سے روانہ ہوا، دوسرا حصہ سمندر کے کنارے کنارے خشکی پر خود سکندر کی قیادت میں گڈروشیا (بلوچستان) سے چلا۔ فوج کا ایک حصہ کرٹرس کی کمان میں درۂ بولان کے ذریعہ پہلے ہی روانہ کیا جا چکا تھا۔ سکندر نے اپنے لیے سب سے مشکل اور سب سے زیادہ بے کیف و بے مزا راستہ پسند کیا جو عربی اور اوری ملکوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ نتیجہ میں وہ کافی تکلیف و پریشانی اٹھانے کے بعد منزل مقصود پر پہنچا۔

انجام

مندرجہ بالا بیان سے جو یونانی اور رومی مصنفین کی تحریروں پر مبنی ہے، یہ واضح ہو گیا کہ ہندستان میں سکندر کی فوجی سرگرمیوں کی رفتار کسی حال میں آسان و پر سکون نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندستان کے بعض فرماں رواؤں اور خود مختار قبیلوں نے سکندر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن ایسے بھی تھے جنھوں نے بہادری اور عزم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اس زبردست

---

[۱] ڈی اوڈرس، سترھواں، باب ۸۴، ایم کرنڈل کی اِن ویژن بائی الگزانڈر صفحہ ۲۹۶ پٹالا کو موجودہ بہمن آباد کے مماثل بنا دیا گیا ہے [۲] کرٹیس، نواں، ۸، ایضاً، صفحہ ۲۵۶

مقابلہ نے اور اس کے ساتھ ہندستان میں پے در پے لڑائیوں کے لامتناہی سلسلے نے یونان کے اُن سورماؤں کے دماغ میں جو فارسی افواج کو حرف غلط کی طرح مٹا چکے تھے شکوک پیدا کر دیے تھے۔ ہندستان کے سیاسی آسمان سے اس شہاب ثاقب کے گزر جانے کے بعد ہندستان ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ لہ اور سکندر کے یہاں سے چلے جانے اور ۳۲۳ ق۔م میں اس کے انتقال کے بعد یونانی فتح کے تمام نشانات مٹ گئے۔ ٢ہ

سکندر کے انتظامات

ہندوستان میں دریائے سندھ کے مشرق میں سکندر کے قیام کی مختصر مدت انیس ۱۹ ماہ یعنی ۳۲۶ ق۔م۔ کے موسم بہار سے ۳۲۵ ق۔م۔ کے ستمبر تک رہی۔ اس عرصہ میں وہ زیادہ تر جنگ و جدال میں مصروف رہا اور اس سبب سے اسے اپنی فتوحات کو منضبط و مستحکم کرنے کا کافی موقع نہ مل سکا۔ لیکن اس نے جو اقدامات بھی یہاں کیے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ہندستانی صوبوں کو مستقل طور پر یونانی سلطنت میں شامل کرے۔ اس نے دیسی راجاؤں پر قابو رکھنے کی غرض سے فوجی اہمیت کے مقامات پر یونانی فوجی دستے تعینات کیے اور انتظام و انصرام کے لیے وہاں اپنے گورنر مقرر کیے۔ مثلاً فلپ کو اس نے اُس علاقہ کا گورنر بنایا جو دریائے سندھ کے شمال میں وادی کابل کے جنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ اپنے زبردست حریف پورس سے دوستانہ تعلقات قائم کیے، پٹالین (سندھ کے ڈیلٹا) پر جا بجا گودیاں اور بندرگاہ تعمیر

لہ جب سکندر واپس لوٹ رہا تھا تو اس وقت شترپ فلپوز کو ہندستان میں قتل کر دیا گیا اور سکندر اس معاملہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ اس نے ٹکسیلا کے راجا امبھی اور تھریس کے یوڈاموس کو جو شمالی وادئ سندھ میں تعینات تھا ہدایت کی کہ صوبہ کا انتظام سنبھالیں۔ ٢ہ ۳۲۱ ق۔م میں جب تری پراڈی سوس کے مقام پر سلطنت یونان کے حصے بخرے ہوئے تو پیتھن دریائے سندھ کے مغرب کی جانب پہلے ہی سے موجود تھا۔ پنجاب اور سندھ میں یونانی اقتدار قریب قریب ختم ہو چکا تھا، حالانکہ یوڈموس وہاں ۳۱۷ ق۔م تک قابض رہا۔

کرائے اور ہندستان اور یونان کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا اور آسان سے آسان راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ۳۲۳ ق۔م کی جون میں سکندر کا ناوقت انتقال ہوگیا تو اس کے تمام منصوبے اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

حملہ کے نتائج

سکندر کے حملہ کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں کئی یونانی بستیاں آباد ہوگئیں۔ اس نے جو فوج یہاں انتظامات کے لیے چھوڑی تھی وہ بے شک زیادہ عرصے باقی نہ رہی، لیکن جو شہر اس نے آباد کیے تھے وہ البتہ ترقی کرتے رہے۔ اس مُہم کا جو اثر براہ راست نہیں تھا، یہ مرتب ہوا کہ یہ جذبہ بیدار ہوگیا کہ پنجاب میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا وجود بے کار ہے، نیز یہ کہ ہندوستان کو متحد ہونا چاہیے۔ اس سے ہندستانیوں پر یہ بھی واضح ہوگیا۔ اُن کے فوجی نظام اور فن جنگ میں داخلی خرابیاں ہیں اور ایک منظم و منضبط فوج چاہے وہ چھوٹی سی کیوں نہ ہو، کثیر فوج کے مقابلے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے یورپ سے براہ راست روابط قائم ہوگئے۔ اس سے نہ صرف تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ ہوا بلکہ دونوں ملکوں کے ادب و فکر و فن پر بڑا گہرا اثر پڑا۔
ہندستان پر سکندر کے حملے کی چند باقی رہ جانے والی یادگاریں یہ تھیں کہ یونان کے "اُلو" والے سکّوں اور وہیں کے وزن کے چاندی کے ڈِرَکمُ کی یہاں نقل ہونے لگی۔ چاندی کے ایک عجیب وغریب سکّہ ڈیکاڈِرَکم کے ایک طرف جیسا کہ بارکلے ہیڈ نے لکھا ہے، سکندر کو پیش کیا گیا ہے اور دوسری جانب پورس کو بھاگتے ہوئے ہاتھی پر بیٹھے اور ایک سوار کو اُس کا تعاقب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

سماج اور مذہب

یونانی مصنفین ہمیں اس زمانے کے رسم ورواج اور لوگوں کے مذہبی عقائد کے بارے میں بھی بہت دلچسپ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سوفائیٹیز کی ریاست کے لوگ اس قدر حسن پرست واقع ہوئے تھے کہ اگر

کسی نوزائیدہ بچہ میں جسمانی عیب ہوتا یا کوئی خرابی ہوتی تو اُسے مروا ڈالا جاتا تھا اور اُسے پلنے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شادی کے لیے عالی نسبی کے مقابلہ میں خوبصورتی زیادہ وقیع سند مانی جاتی تھی۔ کتھائن قبیلہ میں اور دوسرے قبیلوں میں بھی، ستی کا رواج پایا جاتا تھا، یعنی بیوہ عورتیں اپنے شوہر کی چتا پر اپنے کو جلا دیتی تھیں۔ ٹکسیلا میں یونانیوں نے یہ عجیب وغریب رسم دیکھی کہ غریب ماں باپ اپنی لڑکیوں کو بازار میں لاکر بیچ ڈالتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو گدھوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایک عام رواج یہ پایا جاتا تھا کہ وہاں کے لوگ ایک بیوی رکھتے تھے۔

اس تمام عجیب وغریب رسم ورواج کے باوجود اس خطۂ ملک میں برہمن مت کا معلوم ہوتا ہے کافی زور تھا۔ سکندر کے مورخین نے بعض برہمن سادھوؤں مثلاً منڈنی اور کلانو، (کلیان) فرقوں کی بہت عجیب رسموں کا حال بیان کیا ہے۔ برہمنوں کا ان کے علم وفضل، اعلیٰ کردار اور نفس کشی کے باعث بڑا احترام کیا جاتا تھا اور سوسیکنوس جیسے راجا سیاسی معاملات میں اُن سے رائے لیتے اور اُن کی بات مانتے تھے۔ اس کے علاوہ بدھ اور دوسرے بھکشو سُرمنی یا شرامن فرقے تھے۔ جو پیڑوں کی چھال سے جسم ڈھانکتے تھے اور جنگلوں میں رہتے اور جنگلی جڑی بوٹیوں پر گزارا کرتے تھے۔ ہندوستانی عام طور پر زِی اُس اوم بری اُوس — بارش کے دیوتا اِندر کی، اور ہراکلیز، غالباً کرشنا کے بڑے بھائی بلرام کی، پرستش کرتے تھے۔ دریائے گنگا کو اس وقت بھی متبرک مانا جاتا تھا جیسے آج مانا جاتا ہے اور بعض درخت اُن کے نزدیک اس قدر مقدس تھے کہ ان کو نقصان پہنچانا بڑے جرائم میں شمار کیا جاتا تھا۔

اقتصادی حالت

اس عہد کے اقتصادی حالات کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ شہروں کی بہتات ہوگئی تھی جیسے مساگا اور ورنوس، ٹکسیلا، ۳ گلاؤسائی شہر، پم پڑما، سنگل، پتل وغیرہ۔ اس سے ملک کی مادی خوشحالی ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کی طرزِ تعمیر، جائے وقوع اور قلعہ بندیوں سے تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ شہر آباد کرنے کی منصوبہ بندی وہ کس طرح

کرتے تھے[1] اس کے علاوہ لوگوں کی مادّی ترقی کا اندازہ ان تحفوں سے بھی ہوتا ہوتا ہے جو سکندر کو اس کی مہموں کے دوران بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اُوکسی ڈرکائی کے سفرا جو زرد اور سنہری کپڑوں میں ملبوس تھے، سکندر کے لیے کثیر تعداد میں سوتی اشیا، کچھوے کے خول (جس سے کنگھیاں بنتی ہیں) بیل کی کھال کی ڈھالیں اور فولاد کے ۱۰۰ "باٹ" سکندر کے پاس لائے؛ اور ٹکسیلا کے امبھی نے سکندر کی خدمت میں ۲۸۰ چاندی کے باٹ اور طلائی سکے (کراؤن) پیش کیے۔

شمالی مغربی ہندستان اپنی اچھی نسل کے بیلوں کے لیے اس وقت بھی اتنا ہی مشہور تھا جتنا آج ہے۔ سکندر نے اسپیشینوں سے اسی قسم کے ....۲۳ بیل مال غنیمت میں حاصل کیے تھے اور زراعت میں استعمال کے لیے انھیں مقدونیہ بھجوا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ...۲ "فربہ بیل" اور ....۱۰ بھیڑیں امبھی سے تحفہ میں حاصل کیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت اور مویشی پالنا پنجاب اور شمالی مغربی ہندستان کے لوگوں کے خاص پیشے تھے۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بڑھئی کا پیشہ اس وقت کافی ترقی یافتہ پیشوں میں سے تھا۔ بڑھئی فوج کے لیے رتھ اور تجارت اور آمد و رفت میں کام آنے کے لیے گاڑیاں اور دوسری سواریاں بناتے تھے۔ پنجاب میں چونکہ کئی دریا موجود تھے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ کشتیاں اور جہاز بنانا اس وقت غالباً ایک مقبول اور منفعت بخش حرفہ تھا۔ یہ مشہور بات ہے کہ سکندر نے واپسی کے سفر میں ہائیڈاسپیز پار کرنے کے لیے کشتیوں کا بیڑا بنوایا تھا نیز یہ کہ اس کی فوج کا ایک حصہ نیرکس کی سپہ سالاری میں دریائے سندھ کے بہاؤ پر روانہ ہوا تھا اور اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی نکلتا ہے کہ اس بیڑے کی تیاری میں حملہ آور نے ضرور مقامی مزدور لگائے ہوں گے اور دیسی مال استعمال کیا ہوگا۔

---

[1] اس موضوع پر ملاحظہ ہو بی۔ بی دت ٹاؤن پلاننگ ان اینشنٹ انڈیا (تھاکر اسپنک اینڈ کو، ۱۹۲۵ء)

آٹھواں باب

موریہ سلطنت

فصل (۱)

چندرگپت موریہ

خاندانی اصل

سکندر کے واپس چلے جانے کے بعد ہندستان کے آسمان سیاست پر ایک نیا ستارہ اُبھرا جس نے اپنی چمک دمک سے باقی سب ستاروں کو ماند کر دیا، چندرگپت کے مالۂ اور ماعلیہ کے بارے میں روایات میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ چندرگپت موریہ نند خاندان کے آخری راجا کی مورا نامی شودر لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اپنی ماں کے نام کی رعایت سے اس کا نام موریہ پڑ گیا تھا[۱] دوسری روایت[۲] اس کو مشہور موریہ قبیلے کا چشم و چراغ بتاتی ہے جسے پالی کتابوں میں شاکیہ قبیلہ کی ایک شاخ ظاہر کیا گیا ہے، اور اس جہت سے نام کا دوسرا جزو "موریہ" قبیلہ کا لقب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عہد وسطیٰ کے بعض کتبے، نیز دویا ودان ثابت کرتی ہے کہ چندرگپت موریہ چھتری تھا؛ حالانکہ یہ عین

---

[۱] دیکھیے" चन्द्रगुप्त नन्दस्यैव पत्न्यन्तरस्य मुरासञ्ज्ञस्य प्रम मौर्याणा प्राथमम ।
یہ دراصل غلط ہے۔ مورا سے جو لفظ بنے گا وہ موریہ ہوگا۔

[۲] مہاونش، گیگر کا ترجمہ، ص ۲۷ مہاپری بھان سوت کی روایت کے مطابق موریہ خاندان کھشتیا یا کشتری تھا

ممکن ہے کہ چندر گپت موریہ "معمولی حیثیت" کا آدمی ہو، جیسا کہ یونانی مصنف جسٹن کا بیان ہے۔ روایت کے اس جزو کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ راجکمار نہیں تھا بلکہ ایک معمولی آدمی تھا اور مگدھ کے تخت و تاج پر اس کا براہِ راست کوئی حق نہیں تھا۔

عروج کے لیے حالات سازگار

چوتھی صدی ق۔م کے اواخر میں شمالی ہند پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ مگدھ میں نند خاندان اپنی پنچ اصل، مظالم، جمع اور دھنند سے زبردستی روپیہ وصول کرنے کے باعث سسکیاں لے رہا تھا۔ اہل پنجاب جن میں نفاق و نفرت کی بو پھیلی ہوئی تھی سکندر اعظم کے حملوں کی ٹیس سے کراہ رہے تھے۔ اس لیے اس وقت کا سیاسی ماحول اہل ہمت کو دعوتِ عمل دے رہا تھا۔ بیزاری اور بے اطمینانی کی جو لہر اس وقت ملک میں پھیلی ہوئی تھی، چندر گپت موریہ نے اُس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ نند فوج میں سپہ سالار یا سیناپتی تھا۔ مگر کسی سبب سے راجا کے اُس کے درمیان اَن بن ہو گئی اور اس نے وِشنو گپت یا چانکیہ نامی "ستاطر برہمن" کے مشورہ اور مدد سے جو راجا سے اس لیے کینہ رکھتا تھا کہ راجا نے حفظ مراتب میں اس کے ساتھ کبھی پہلے کوئی معمولی سی کوتاہی کردی تھی، راجا کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ لیکن یہ کوشش ناکام ہو گئی اور ان دونوں کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ مہاونش ٹیکا میں [1] ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ چندر گپت ایک بُڑھیا کی جھونپڑی میں چھپا ہوا تھا۔ وہاں بُڑھیا نے اپنے بچّہ کو جس نے گرم روٹی سے ہاتھ جلا لیے تھے ڈانٹا اور اسے فہمائش کی کہ روٹی کھانے کی ابتدا ہمیشہ درمیان کے بجائے کناروں سے کرنی چاہیے۔ چندر گپت نے بُڑھیا کی بات سن کر اس سے سبق لیا اور مگدھ کی بجائے شمالی مغربی علاقہ کو اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ جس زمانے میں سکندر پنجاب ہی میں تھا تو چندر گپت نے اس سے ملاقات کی درخواست کی، مقصد غالباً یہ تھا کہ اسے نند راجا

---

[1] ہیم چندا ستھ وِراوَلی چرت میں بھی اسی قسم کی حکایات بیان کی گئی ہے۔

پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے، لیکن چندر گپت کی بے کانہ تقریر نے اس کی "سکندری"[1] کو برہم کر دیا، اس لیے چندر گپت کو جان بچا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ پنجاب کے قبیلوں نے یونانی اقتدار کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ سکندر کے ہندوستان چھوڑنے کے فوراً بعد اس کے شمالی مغربی صوبوں کے شترپ فلپ کو قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ حملہ آور کے چلے جانے کے بعد چندر گپت کا گمنامی کا دور ختم ہو گیا اور وہ پنجاب کے قبیلوں کو منظم کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ یونانی اقتدار کے ڈانواڈول ہونے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب سکندر کو فلپ کے قتل کا علم ہوا تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ اس نے یوڈمس کی نگرانی میں انتظام حکومت اپنے ہندوستانی حلیفوں پورس اور امبھی کے سپرد کر دیا۔ ۳۲۳ ق۔م۔ کی جون میں سکندر کی ناوقت موت نے چندر گپت کے حوصلوں کے لیے مہمیز کا کام کیا اور یونانی چھاؤنیوں کو اس نے بہت جلد تہ و بالا کر ڈالا۔ ۳۱۷ ق۔م تک یوڈمس کسی نہ کسی طرح کار متعلقہ انجام دیتا رہا۔ لیکن یومینز اور اینٹی گونس کے درمیان لڑائی میں شرکت کے لیے اسی سال اس نے بھی ہندوستان کو خیر باد کہہ دیا۔

نند حکومت کی تباہی اور تاجپوشی کی تاریخ

یونانیوں کو دریائے سندھ کے اس پار بھگانے کے بعد چندر گپت نے مگدھ کے نند راجا سے زور آزمائی کے لیے ایک طاقتور فوج جمع کی[2]۔ مدرا راکشس کی شہادت کے مطابق چندر گپت کا خاص حلیف پرُوتک تھا جسے بعض عالموں نے پورس کے مماثل بتایا ہے۔ اس ناٹک سے مختلف فریقوں کی پیچیدہ سازشوں اور لڑائیوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن پرانوں، بدھوں، اور جینیوں کی تمام روایات کم از کم

---

[1] بعض لوگوں نے تصحیح کے لیے "الگزندرم" کی بجائے نند اور دھننند ناموں کی رعایت سے "نندرم" پڑھا ہے [2] بعض عالموں کا خیال ہے کہ مگدھ کی فتح پہلے عمل میں آئی اور یونانی چھاونیوں کی تباہی و بربادی بعد میں

اس بات پر متفق ہیں کہ چندر گپت نے نند فوج کو مکمل طور پر شکست دے دی تھی [1] یُونان طاقت کی تباہی اور نند راجا کی شکست، ان دونوں واقعات کا سکندر کی موت کے بعد تین سال کے اندر پیش آنا قرین قیاس ہے اور اس جہت سے ہم چندر گپت کی تاجپوشی کی تاریخ ۳۲۱ ق.م قرار دے سکتے ہیں [2] اس تاریخ کی تائید لنکا کی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے جن کی رو سے، جیسا کہ اوپر بھی ظاہر کیا گیا، شِشوناگ خاندان کا خاتمہ ۳۴۴ ق.م میں ہوا. اور نند خاندان کی حکومت ۲۲ سال رہی۔

فتوحات

بد قسمتی سے چندر گپت کی مہموں کی تفصیلات ہمیں ٹھیک نہیں معلوم۔ یونانی مصنفین پلوٹارک اور جسٹن کے نزدیک چندر گپت نے تمام ملک کو تاراج کیا اور تمام ملک پر قبضہ کر لیا. اس میں شک نہیں کہ یہ مبالغہ ہے اور حرف بہ حرف دُرست نہیں ہے، لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ مگدھ اور پنجاب کے علاوہ چندر گپت کا حلقہ اثر ہندوستان کے دور دراز خطوں تک پھیلا ہوا تھا. سوراشٹر کا اس میں شامل ہونا. رودر دامن کے اس کتبہ سے ثابت ہے جو جوناگڈھ میں ایک چٹان پر پایا گیا ہے۔ اس میں چندر گپت کی آبپاشی کی اسکیموں اور پُشیاگپت ویشیہ کے "راشٹریہ" یا گورنر مقرر کیے جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تامل کے مصنفین مامل نار اور پرنار جنوب بعید میں ٹینولی کے

---

[1] وشنو پُران کے الفاظ یہ ہیں: ततश्च नव यैता-नन्दान कौटिल्यो ब्राह्मण: समुद्धरिष्यति । तेषम भावे सौर्या: पृथिवी उबद्यान्ति । कौटिल्य एव चन्द्रगुप्तमुत्पन्न राज्येऽभिषेदयति ।

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وشنو پُران کے مفسّر شری دھر سوامن نے لفظ उत्पन्न کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ नन्दस्येव भार्याचां मुराखज्ञया सम्जातम

[2] شری این کے. بھٹ شالی چندر گپت موریہ کی تاجپوشی کی تاریخ بعض جین کتابوں کی شہادت پر ۳۱۳ ق.م قرار دیتے ہیں (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۳۲، ص۲۴۳ تا ص۲۴۸)

ضلع میں پُودی پل کی پہاڑی تک موریہ حملہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ جین روایات اور آخری دور کے کتبے چندر گپت کا تعلق شمالی میسور سے ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپت موریہ نے ہندستان کے ایک بڑے حصّہ کو فتح کر لیا تھا۔

سِلیوکس سے جنگ

سکندر کی موت کے چند سال کے اندر اُس کے سپہ سالاروں میں اقتدار کے لیے سخت مقابلہ ہوا جس میں آخرکار سلیوکس فتح یاب ہوا۔ ۳۰۵ ق۔م تک اس کی طاقت مغربی ایشیا میں اتنی مضبوط ہو گئی کہ وہ سکندر کی ہمسری کرنے لگا اور ہندستانی مقبوضات کو جنھیں ۳۲۱ ق۔م۔ میں بڑی پیراڈِی سَسُ کی دوسری تقسیم میں عملاً چھوڑ دیا گیا تھا، از سرِ نو حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ سکندر کے حملہ کے بعد، بہرحال، ہندستان میں ایک ایسا بادشاہ حکومت کر رہا تھا جس نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی تھی اور وہ یونانیوں کے طرزِ جنگ سے بھی ناواقف نہیں تھا۔ بدقسمتی سے قدیم دستاویزوں سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ چندر گپت سے جنگ میں سلیوکس مغلوب ہوا یا نہیں، یا صرف اتنا ہی ہوا کہ فریقین نے میدان جنگ میں اپنے اپنے لشکروں کا مظاہرہ کرا دیا اور واقعتاً جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس میں شک نہیں کہ جنگ کی دعوت مغرب نے دی تھی، اس لیے حملہ آور اپنے حریف اینٹی گونس سے زور آزمائی کی غرض سے وطن لوٹنے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ چندر گپت نے بڑی آسانی سے اپنے موافق شرائط صلح طے کرا لیں۔ سلیوکس نے غالباً صرف ۵۰۰ ہاتھیوں کے عوض، جنھوں نے ۳۰۱ ق۔م میں اِپ سَسُ کی جنگ میں نمایاں کام انجام دیا تھا، چندر گپت کو ایریا (ہرات) آراکوشیہ (قندھار) پَرُوپَنی سَدئی (وادی کابل) اور گِڈروشیا (بلوچستان [1]) دے دیا۔ اس طرح موریہ سلطنت

---

[1] پلائینی، چھ، ۶۹، ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ضمیمہ ایف، ص۱۵۸ تا ص۱۶۰ ملاحظہ ہو، ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریہ اینڈ انڈیا ص۱۰۰۔ اسے اس میں شبہ ہے کہ سلیوکس نے یہ سب علاقے چندر گپت موریہ کے حوالے کر دیئے۔

کے حدود ٹھیک ہندوکش تک پھیل گئے، جو "ہندوستان کی قدرتی سرحد ہے"۔ اسی طرح دوستانہ تعلقات کو استوار بنانے کے لیے ہندوستانیوں اور یونانیوں میں شادی کے رشتے کیے گئے[1] اور سلیوکس نے اپنا ایک سفیر جس کا نام میگستھنیز تھا، چندرگپت موریہ کے دربار میں تعینات کر دیا۔

میگستھنیز اور کوٹلیہ

میگستھنیز اور کوٹلیہ دو اہم ترین مصنف ہیں جو چندرگپت موریہ کے زمانے میں ہندستان کے عوام، حکومت اور اداروں کے بارے میں بڑی کارآمد معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ میگستھنیز کی انڈکا تو معدوم ہو گئی ہے، البتہ متاخرین نے جو اقتباسات اس کے قلم بند کر دیے ہیں وہ ابھی تک محفوظ ہیں۔ کوٹلیہ یا چانکیہ چندرگپت کے وزیر کی حیثیت سے معروف ہے۔ اس کی تصنیف ارتھ شاستر، سیاسی حکمت عملی اور آئینِ جہاں بانی پر ایک جامع تلخیص ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اپنے نظریاتی مواد کے باوجود وہ قدیم ہندستان کے ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے[2]

انتظامِ حکومت

فوجی نظام

چندرگپت کو اپنے پیش رو سے ایک عظیم فوج ورثے میں ملی تھی، لیکن اس نے

---

[1] یہ مان لینا ضروری نہیں ہے کہ سلیوکس نے اپنی بیٹی کی شادی چندرگپت موریہ کے ساتھ کر دی۔ کوئی بھی یونانی شہزادی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ (ملاحظہ ہو وی۔ اے۔ اسمتھ، اشوکا، صفحہ ۱۵، حاشیہ ۱)

[2] بعض اوقات یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ارتھ شاستر بہت بعد کی یعنی تیسری صدی عیسوی کی کتاب ہے اور اس مدرسۂ فکر کی تصنیف ہے جس کی بنیاد چانکیہ نے رکھی۔ ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ ارتھ شاستر اگرچہ "نسبتاً بعد کی کتاب" ہے لیکن "غالباً دوسری صدی عیسوی سے پہلے اس کا وجود پایا جاتا تھا"۔ (پولیٹیکل ہسٹری آف انشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۲۲۶)

اس میں مزید اضافہ کر کے اُسے ۶۰۰،۰۰۰ پیدل، ۳۰،۰۰۰ سوار اور ۹،۰۰۰ ہاتھیوں تک پہنچا دیا۔ ۸،۰۰۰ رتھ اس پر مستزاد تھے۔ اس عظیم الشان لشکر کا انتظام باقاعدہ ایک دفتر جنگ کے سپرد تھا جس کے ۳۰ رکن تھے جو پانچ پانچ اراکین کے چھ بورڈوں میں منقسم تھے ان میں سے ہر ایک کے سپرد جو محکمے کئے گئے تھے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بورڈ نمبر (۱) ... دفتر امیر البحر
بورڈ نمبر (۲) ... سواری اور بار برداری، محکمہ رسد اور جنگی خدمات انجام دینے والے
بورڈ نمبر (۳) ... پیدل
بورڈ نمبر (۴) ... سوار
بورڈ نمبر (۵) ... رتھ
بورڈ نمبر (۶) ... ہاتھی

آخری چار شعبے ہندستانی فوج کی روایتی تقسیم کے مطابق [illegible] پیدل، اشو، رتھ اور ہستی۔ کوٹلیہ کے بیان کے مطابق یہ سب محکمے اپنے اپنے ادھیکش یا سپرنٹنڈنٹ کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

مرکزی انتظام حکومت

نظام حکومت کا صدر راجا ہوتا تھا جس کا فیصلہ فوج، عدالت، عاملہ اور قانون سازی سے متعلق تمام معاملات میں قطعی اور آخری مانا جاتا تھا۔ فوج کی سرداری وہی کرتا تھا، اور حملہ یا دفاع کی اسکیموں پر اپنے سیناپتی، یا سپہ سالار اعظم سے مشورہ کرتا تھا۔ رعایا اپنے مقدمات براہِ راست اُس کے پاس لے جاتی تھی اور وہ فوراً ان کا فیصلہ کرتا تھا[1] تمام اعلیٰ عہدوں پر تقرر وہ خود کرتا تھا۔ سلطنت کی

[1] میگستھنیز کا بیان ہے کہ راجا سے لوگ اس وقت بھی ملاقات کر سکتے تھے جب اس کے جسم آبنوس کے بیلن سے مالش، کی جاتی تھی۔ کوٹلیہ بھی اس پر زور دیتا ہے کہ راجا کو چاہیے کہ دادخواہوں کو اپنے دروازہ پر انتظار کا موقع نہ دے، بلکہ "فوری تعمیل کے امور کی سماعت اسی وقت کرے اور انھیں آئندہ کے لیے کبھی نہ ٹالے"۔ (ارتھ شاستر، کتاب اول، باب انیسواں ترجمہ شام شاستری تیسرا اڈیشن، ص ۳۸)

مالیات کی دیکھ بھال کرتا تھا اور سفیروں سے ملاقات کرتا تھا۔ سرکاری جاسوس خفیہ خبریں لاکر براہ راست اسی کو دیتے تھے۔ آخر میں وہ رعایا کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً "شاسن" یا احکامات جاری کرتا تھا۔[1]

ملکی انتظام میں راجا کو مدد دینے کے لیے ایک منتری پری شد ہوتا تھا جو ایک مشاورتی مجلس کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے اراکین کی فرض شناسی، ایمانداری، اور دانش وری کی آزمائش پہلے سے کرلی جاتی تھی۔ انتظام حکومت کے مختلف شعبوں کی نگرانی، جیسا کہ ارتھ شاستر میں مندرج ہے دوسرے اعلیٰ افسر کرتے تھے مثلاً اماتیہ، مہاماترا اور ادھیکش۔ اٹھارہ تیرتھوں یا افسروں کی روایتی فہرست میں حسب ذیل عہدہ دار شامل تھے: منتری (وزیر) پروہت (پجاری) سیناپتی (سپہ سالار اعظم) یوراج (ولی عہد)، دوواریک (دربان)، انتروشک (حرم کا نگراں) پرشاستری (جیلوں کا بڑا انسپکٹر) سماہرتا (بڑا کلکٹر)، سنی دھاتا (خازن)، پردیشٹری (علاقائی کمشنر)، نایک (شہر کا پولیس افسر)، پورر (دارالسلطنت کا گورنر) ویوھارک (تجارتی کاروبار کا نگراں یا بڑا جج) کرمانتک (کانوں اور صنعت وحرفت کا نگراں)، منتری پری شد آدھیکش (کونسل کا صدر)، دنڈ پال (پولیس کا بڑا افسر)، درگ پال (داخلی دفاع کا نگراں)، انت پال (سرحدی دفاع کا نگراں) اس کے علاوہ دوسرے ادھیکش یا سپرنٹنڈنٹ ہوتے تھے مثلاً کوش (خزانہ)، آکر (کان)، لوہا (دھات)، لکش (ٹکسال) لون (نمک)، سورن (سونا) کوشٹھاگار (مال گودام)، پانیہ (سرکاری تجارت)، کپیہ (جنگلات) آیدھاگار (اسلحہ)، پوتو (وزن اور پیمانے)، مان (فضا اور وقت کی پیمائش) شلک (چنگی)، سوتتر (کتائی بنائی)، ستیا (شاہی زمینوں کی کاشت) سورا (مسکرات) سونا (مذبح) مدرا (پاسپورٹ)، ویویت (سبزہ زار) دیوت (جوا)،

---

[1] ارتھ شاستر کتاب تین۔ باب اول (ترجمہ شام شاستری، تیسرا اڈیشن، صفحہ ۱۷۰ تا صفحہ ۱۷۱) کی رو سے راجہ نئے نئے قوانین بنا سکتا تھا۔ لیکن گوتم، آپسٹمب، بودھائن، وغیرہ راجا کو قانون کے منبع کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتے۔ حقیقتاً منو کہتا ہے (آٹھواں، ۳۳۶) کہ اگر راجا قانون شکنی کرے تو دوسرے شہریوں کی طرح وہ بھی جرمانہ کا مستوجب ہے۔

بندھناگار (جیل)، گو (مویشی)، نو (جہازی مال)، پٹن (بندرگاہ) گنیکا (بیسوا) اور دوسرے فوج[1] تجارت (سنستھا) اور مذہبی اداروں کی دیکھ بھال کرنے والے افسر (دیوتا

صوبائی انتظام

چونکہ سلطنت کافی وسیع و عریض تھی اس لیے انتظامی سہولت کے لیے اُسے کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اندرونی صوبے براہ راست راجا کی اپنی نگرانی میں تھے، اور جیسا کہ ہمیں اشوک کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے، اہم صوبوں کا انتظام راجکماروں (کمار) کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ٹکیسلا، توشلی (دھولی)، سورن گری (سون گیر) اور اُجین اسی قسم کے صوبے تھے جن میں راجا کا نائب السلطنت (وائسرائے) حکومت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ جاگیردار سردار تھے جو شہنشاہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اسے فوجی امداد بہم پہنچاتے تھے۔ حکومت کی مشین چلانے کی ذمہ داری انھیں عمّال پر تھی اور ان عمّال کے اعمال و افعال کی کڑی نگرانی کے لیے ناظر اور جاسوس وغیرہ مقرر تھے۔ اس جاسوسی نظام اور نگرانی بالائے نگرانی کے طریقے نے دور و دراز کے علاقوں میں لوگوں کی تکلیف و پریشانی دور کرنے اور راجا کو تمام معاملات میں ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانے میں یقیناً مدد دی ہوگی۔

میونسپل انتظام

میگستھنیز نے صرف پاٹلی پتر کے میونسپل انتظام کی تفصیلات قلم بند کی ہیں، لیکن اس سے ہم بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی اسی نمونہ کا انتظام رائج ہوگا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہر کا انتظام چھ بورڈوں کے ایک کمیشن کے تحت رہتا تھا۔ جن میں سے ہر ایک میں پانچ رکن ہوتے تھے۔ بقول ونسنٹ اسمتھ[2] یہ بورڈ ہماری عام غیر سرکاری پنچایتوں کی ترقی یافتہ شکل

---

[1] فوج میں پتی (پیدل)، اشو (سوار)، ہستی (ہاتھیوں کا دستہ) اور رتھ (رتھوں) کا الگ الگ سپرنٹنڈنٹ ہوتا تھا۔ [2] اول ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۱۴۳

پہلا بورڈ تمام ان چیزوں کی دیکھ بھال کرتا تھا جو صنعت و حرفت سے تعلق رکھتی تھیں۔ کاریگروں پر اس کی خاص توجہ تھی۔ یہ دیکھنا اس بورڈ کا کام تھا کہ کاریگر چیزیں بنانے میں اچھا مال لگاتے ہیں یا نہیں۔ کاریگروں کی مزدوری بھی یہی بورڈ مقرر کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کا ہاتھ یا نو توڑ دیتا تو اُسے سزائے موت دی جاتی تھی۔

دوسرا بورڈ غیر ملکیوں کی ضروریات اور نقل و حرکت کی دیکھ بھال اور جانچ کرتا تھا۔ اُن کے قیام کا انتظام سرکار کی جانب سے کیا جاتا تھا اور اس کا مال و اسباب دعوے داروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس بورڈ کا وجود ظاہر کرتا ہے کہ راجدھانی میں کافی بڑی تعداد غیر ملکیوں کی پائی جاتی تھی۔

تیسرا بورڈ فوتی و ولادت کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار محصول اور ٹیکس وغیرہ لگانے کے سلسلے میں صحیح اعداد و شمار فراہم کرنا ضروری سمجھتی تھی۔

چوتھے بورڈ کے سپرد تجارت کی نگرانی کا کام تھا۔ یہ بورڈ تجارتی اشیا اور اجناس کی قیمتیں مقرر کرتا تھا اور چھوٹے باٹوں اور پیمانوں کی جانچ کرتا تھا۔ جو لوگ کئی قسم کی چیزوں کی تجارت کرتے تھے انھیں محصول یا ٹیکس زیادہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

پانچواں بورڈ صنعتوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کارخانے داروں کے لیے قانون یہ تھا کہ اگر وہ نئی چیزوں میں پُرانی چیزیں ملا کر فروخت کریں گے تو انھیں جرمانے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

چھٹے بورڈ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ تجارتی مال پر دسویں حصّے کا محصول وصول کرے۔ اس ٹیکس کی ادائیگی میں غفلت یا ٹال مٹول پر خاص کر جب رقم زیادہ بڑی ہوتی، سنگین سزا دی جاتی تھی۔ لیکن اگر کوئی نیک نیتی کے ساتھ ادائیگی سے قاصر رہتا تو اس کے ساتھ یقیناً رعایت برتی جاتی تھی۔

مجموعی طور پر ان میونسپل کمشنروں سے توقع کی جاتی تھی کہ مندروں، بندرگاہوں اور دوسرے پبلک اداروں کا انتظام کریں۔

کوٹلیہ نے ان بورڈوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس نے شہر کے [illegible] دار کا ذکر کیا ہے جسے ناگرک یا نگرادھیکش کہتے تھے۔ اس افسر کے ماتحت اِستھانک اور گوپ ہوتے تھے۔ اِستھانک کے حلقہ میں شہر کا چوتھائی حصّہ اور گوپ کے حلقہ میں شہر کے چند کنبے ہوتے تھے۔

پاٹلی پتر

بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر مختصراً دارالسلطنت کا تذکرہ کیا جائے۔ پاٹلی پتر (میگستھینز نے اُسے پالم بوتھرا لکھا ہے) جو پرشینوں کے ملک میں واقع تھا "ہندستان کا سب سے بڑا شہر تھا اس کی لمبائی ۹ ½ (۸۰ ا اِسٹیڈیا[1]) اور چوڑائی ا ⅔ میل (پندرہ اسٹیڈیا) تھی اور یہ دریائے ارنابوآس (سُون) اور گنگا کے درمیانی گاؤدُم خطۂ زمین پر واقع تھا۔ شہر کے دفاع کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے چاروں طرف ایک خندق کھودی گئی تھی جو چھ سو فٹ (چھ پلیتھرا) چوڑی اور تیس ہاتھ[2] گہری تھی۔ ایک اور دفاعی رکاوٹ بیرونی دیوار تھی جس میں ۵۷۰ مینار اور ۶۴ پھاٹک تھے۔ اسی قسم کی قلعہ بندی سلطنت کے دوسرے شہروں میں بھی ہو گی۔

دیہاتی انتظام

نظام حکومت کی سب سے چھوٹی اکائی گاؤں (گرام) تھا۔ اس کا انتظام گرام ورددھاؤں یا گاؤں کے بزرگوں کی مدد سے گرامک (مکھیا) کرتا تھا۔ پانچ یا دس گاؤوں کا عامل گوپ، کہلاتا تھا، اور اس کے اوپر استھانک ہوتا تھا جس کے ماتحت ایک چوتھائی ضلع (جن پد) ہوتا تھا یہ افسر پردیش ٹری اور سماہرتا کی نگرانی میں رہتے تھے۔

ضابطۂ فوجداری

میگستھینز اور کوٹلیہ دونوں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ضابطۂ فوجداری سنگین تھا۔ عام طور پر ملزمین کو جرمانے کی سزا دی جاتی تھی جس میں جرم کے لحاظ سے کمی بیشی ہو سکتی تھی، لیکن خوفناک سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر کاریگروں کو گزند پہنچانے اور تجارت کے مال پر دسواں حصہ ادا نہ کرنے کی سزا نہایت درجہ سنگین تھی۔ دروغ حلفی پر ہاتھ پیر کاٹنے کی سزا تجویز کی ہے۔ مزید براں ملزمین و مجرمین سے اقبال جرم کرانے کے لیے

---

[1] قدیم یونانی پیمانہ (مترجم) [2] ایضاً

انھیں منظر عام پر جسمانی اذیت پہنچانا مثلاً کوڑے وغیرہ لگانا جائز تھا۔ اس قدر شدید و سنگین طریقوں نے انسدادِ جرم میں کافی مدد دی ہوگی۔

آبپاشی

چندر گپت نے آبپاشی کے مسئلہ پر خاص توجہ کی۔ میگستھنیز ایسے افسروں کا ذکر کرتا ہے جن کا فرض تھا کہ زمین کی پیمائش کریں۔ اور کھیتوں میں پانی پہنچانے کے لیے نہروں کی شاخوں پر جو بند بنائے گئے تھے ان کا معائنہ کریں۔ تاکہ سب لوگ مساوی طور پر اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں[1]۔

چندر گپت کو اپنی رعایا کے راحت و آرام کا اتنا خیال تھا کہ دور دراز سوراشٹر میں اس نے اپنے گورنر پشیا گپت کو ایک پہاڑی چشمہ پر ڈام بنانے کا حکم دیا اور اس طرح ایک باقاعدہ تالاب وجود میں آگیا جس کا نام سدرشن رکھا گیا۔ اس تالاب سے آب پاشی میں بڑی آسانیاں ہوگئیں[2]۔

آمدنی اور خرچ کے ذرائع

آمدنی کا خاص ذریعہ مال گذاری تھی۔ عام طور سے پیداوار کا چھٹا حصہ بطور لگان (بھاگ) سرکار وصول کرتی تھی۔ لیکن یہ شرح غالباً مخصوص مقامات و حالات کے مطابق تبدیل ہوجاتی تھی۔ آمدنی کی مدوں میں کانوں، جنگلات، سرحدوں پر وصول ہونے والے محصول چنگی، کشتیوں کا محصول، ماہرین فن سے وصول ہونے والی فیس، ٹیکس، دسویں حصہ کا محصول، جرمانے اور اتفاقی حادثات کے موقع پر وصول ہونے والی خیراتی رقمیں شامل تھیں۔ مالیات کا ذمہ دار اور سرکاری مالگذاری وصول کرنے والا افسر سماہرتا کہلاتا تھا۔

ان تمام مدات سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ زیادہ تر راجا اور اس کے درباری اخراجات پر صرف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ خرچ کی دوسری مدیں تھیں، مثلاً فوج، دفاعی انتظامات، عمالِ حکومت کی تنخواہیں، کارگیروں اور دوسری پیشہ ور جماعتوں کے بھتے، خیرات، مذہبی اور

[1] کتاب ۳، جز و ۳ ملاحظہ ہو اچ کرنڈل اینشینٹ انڈیا صفحہ ۸۶ [2] ملاحظہ ہو رودر دامن میں جوناگڈھ کا چٹان پر کتبہ، ایپی گرافیہ، آٹھواں، صفحہ ۴۳، صفحہ ۴۶، صفحہ ۱، صفحہ ۸

رفاہ عام کے دوسرے کام جیسے سڑکیں، آبپاشی، تعمیرات وغیرہ۔

میگستھینز کا بیان ہندوستانی ذاتوں کے بارے میں

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میگستھینز نے ہندوستانی سماج کو سات طبقوں یا "ذاتوں" میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا طبقہ "فلسفیوں" کا تھا اور اگرچہ تعداد میں کم تھا لیکن عزت و احترام سب سے زیادہ اسی کا کیا جاتا تھا۔ عام طور پر اس میں برہمن اور سنیاسی لوگ شامل تھے۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا تھا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھا۔ تیسرا طبقہ شکاریوں اور چرواہوں پر مشتمل تھا۔ چوتھے طبقہ میں بیوپاری، کاریگر، اور کاشتکار شامل تھے۔ پانچواں طبقہ فوجیوں کا گویا چھتریوں کا تھا۔ چھٹے اور ساتویں طبقوں میں علی الترتیب جاسوس اور مشیر تھے۔ آخرالذکر دو طبقے ظاہر ہے سماجی طبقوں میں شامل نہیں تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سلیوکس کے سفیر سے بھول ہوئی ہے۔

شاہی محل

چندر گپت بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا جو ایک وسیع وعریض سبزہ زار میں واقع تھا۔ اس کی زیبائش کے لیے طلائی ستون، مچھلیوں کے لیے تالاب اور سایہ دار روشیں بنائی گئی تھیں۔ لوگ اُسے دیکھ کر عش عش کرتے تھے۔ "سوسا" اور "ایک بتانا" کے محل بھی اس کی برابری نہیں کرسکتے تھے۔ چونکہ اس تعمیر میں بیشتر لکڑی استعمال کی گئی تھی اس لیے یہ زمانے کے خشک و تر کا مقابلہ زیادہ عرصے نہ کرسکا، لیکن پٹنہ کے قریب "کمرہار" میں جو کھنڈر ڈاکٹر اسپونر نے دریافت کیے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ چندر گپت کے محل میں سو ستون پائے جاتے تھے۔

چندر گپت کی نجی زندگی

محل کے اندر چندر گپت زنانہ باڈی گارڈ کی حفاظت میں رہتا تھا[1] اسے مستقل، اسے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، صفحہ ۱۳۳ اور حاشیہ۔ اسٹرابو کہتا ہے کہ ان عورتوں کو ان
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قتل کا خطرہ رہتا تھا، اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لگاتار دو راتیں ایک کمرے میں سو کر نہیں گزارتا تھا۔ یہ دراصل مبالغہ ہے، لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ راجا کی حفاظت کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ راجا چار موقعوں پر محل سے باہر نکلتا تھا۔ جب وہ کسی فوجی مہم کے لیے کوچ کرتا، قربانیوں کی رسم ادا کرتا، کسی مقدمہ میں انصاف کرتا، یا شکار کے لیے باہر جاتا۔ وہ بڑا فرض شناس تھا اور جب اس کے جسم پر آبنوس کے بیلنوں سے مالش ہو رہی ہوتی اس وقت بھی وہ دادخواہوں کی فریاد سُنتا تھا۔ جب راجا شکار کے لیے نکلتا تو تمام راستہ میں امتیاز کے لیے رسیاں باندھ دی جاتی تھیں۔ ان رسیوں کو پار کرنا موت کے مترادف تھا۔ راجا منظرِ عام میں سونے کی پالکی میں سوار ہو کر آتا تھا اور اپنے شوخ اور زرق برق لباس میں سب سے ممتاز نظر آتا تھا۔ سفر میں وہ گھوڑے اور ہاتھی بھی استعمال کرتا تھا۔ وہ کھیل کود کا بہت شوقین تھا۔ سپہ گری کے مقابلوں، مینڈھوں اور گینڈوں کی لڑائیوں کا وہ بہت شوقین تھا۔ بیلوں کی دوڑ بھی تفریح کا ایک مقبول ذریعہ تھی۔ جس میں بازی لگانے کا موقع بھی خوب مل جاتا تھا۔

چندر گپت کا انجام

بعض جین روایات کی رو سے چندر گپت جین مذہب کا پیرو تھا اور اس کے دور

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) والدین سے خرید لیا جاتا تھا (پندرھواں ۵۰ ۵) کوٹلیہ بھی یہی کہتا ہے کہ "بستر سے اٹھ کر راجا کا استقبال عورتوں کے یہ فوجی دستے کرتے تھے جو کمانوں سے مسلح ہوتے تھے (ارتھ شاستر کتاب پہلی، باب ۲۱ شام شاستر کا ترجمہ، تیسرا اڈیشن، ۱۹۲۰، ص۴۱) یہ بھی دیکھیں

(شکنتلا ایکٹ چھٹا، ص۲۲۴، प्रावेश्य श्राइहस्ता यवनी

وکرم اروشی ایکٹ پانچواں ص۱۲۳

دیکھیں استرابو، پندرھواں ۵۵، مدرا راکشس میں راجا کو مار ڈالنے کی سازشوں کی طرف ملتا ہے (ایکٹ دوسرا) ترجمہ ایچ ایچ ولسن، ہندو تھیٹر دوسرا، دوسرا، سکنڈ اڈیشن (لندن ۱۸۳۵)

حکومت کے آخری زمانے میں جب مگدھ میں قحط پڑا تو وہ جین سردار قبیلہ بھدر یاہو کی ہمراہی میں میسور چلا گیا۔[1] مزید برآں کہتے ہیں چندر گپت نے جین قاعدے کے مطابق فاقے کر کے اپنی زندگی کو ختم کر دیا۔ معلوم نہیں یہ روایات کہاں تک قابل اعتماد ہیں، لیکن متوسط دور کے کچھ کتبے میسور سے اس کی وابستگی ظاہر کرتے ہیں[2] ممکن ہے آخر عمر میں چندر گپت نے جین اثرات قبول کر لیے ہوں اور عبادت وریاضت کی نیت سے اپنے لڑکے کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا ہو۔ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۹۷ ق۔م میں اس کا انتقال ہو گیا۔

فصل (۲)

بندوسار

چندر گپت کا جانشین

چندر گپت کے بعد اس کا لڑکا بندوسار تخت نشین ہوا۔ یونانی مصنفین نے اسے امت راگھیتز (ایتھی نائیوس) یا اَتی ٹراکڈیز (اسٹرابو) کہا ہے، جو غالباً سنسکرت کے اَمِترگھاٹ یا امترکھاد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

کیا اس نے جنوب فتح کیا؟

بعض عالموں کا خیال ہے کہ بندوسار نے جنوبی ہندوستان بھی فتح کر لیا تھا، کیوں کہ تارا ناتھ کے بیان کے مطابق "وہ مشرقی اور مغربی سمندروں کے درمیان کے علاقہ پر قابض و متصرف تھا"[3] یہ بات یقینی ہے کہ آشوک کی سلطنت میسور کی آخری

---

[1] انڈین اینٹی کویری، ۱۸۹۲، پولٹیکل ہسٹری آف اینشینٹ انڈیا، چوتھا ایڈیشن ص۲۴۱

[2] لیوس رائیس، ایپی گرافیہ کرناٹکا، جلد پہلی، ص۴۴۳ [3] تارا ناتھ کے بیان کے مطابق چانک (چانکیہ) نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

سرحد تک پھیلی ہوئی تھی نیز کلنگ کا علاقہ اس نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس جہت سے جنوبی ہندوستان کی فتح کا سہرا یا تو اس کے باپ کے سر ہے یا اس کے دادا کے۔ لیکن چوں کہ چندر گپت کا دورشان دار گذرا، اور چوں کہ روایات میں حتمی طور پر اس کا میسور سے تعلق بیان کیا گیا ہے اس لیے اگر اس کارنامے کا سہرا بھی اس کے سر رکھا جائے تو غالباً زیادہ قرینِ عقل ہوگا۔

بغاوت

بندوسار نے تخت وتاج بڑے ہنگامی حالات میں حاصل کیا۔ ٹیکسیلا میں بغاوت ہورہی تھی اور جب اس کا بڑا لڑکا اور اس کا نائب السلطنت (وائسرائے) سُشیما اُسے فرو کرنے میں ناکام رہا، تو بندوسار نے اشوک کو اُجین سے تبدیل کر کے ٹیکسیلا بھیج دیا۔ خوش قسمتی سے اشوک وہاں امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

غیر ملکی روابط

بندوسار نے معاصر یونانی حکمرانوں سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی پالیس پر عمل کیا جس کی ابتدا اس کے نامور باپ نے کی تھی۔ بندوسار اور انٹی اوکس اول سوٹر کے درمیان عجیب وغریب مراسلت ظاہر کرتی ہے کہ بندوسار نے جب اپنے یونانی دوست سے میٹھی شراب، انجیر، اور ایک فلسفی بھیجنے کی فرمائش کی تو انیٹی اوکس نے جواب میں بڑی خوشی الذکر دو فرمائشیں پوری کردیں اور تیسری فرمائش کے لیے معذرت چاہی کہ ہمارا قانون اس قسم کے لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ کہتے ہیں کہ شامی شہنشاہ نے بھی ڈی میکس نامی سفیر بندوسار کے دربار میں بھیجا تھا۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) چند سال بندوسار کے وزیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ (پولیٹکل ہسٹری آف انیشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۴۳) بعد ازاں کھلاٹک جیسا کہ دیویاوُدان میں لکھا ہے، بندوسار کا وزیر اعظم ہوگیا۔

نواں باب

فصل (۱)

اشوک[1]

تاجپوشی

پُرانوں کے مطابق بندو سار نے ۲۵ سال حکومت کی، لیکن پالی کتابوں کی رو سے اس کا زمانہ ۲۷، ۲۸ سال رہا، اگر پُرانوں کی بات مانی جائے تو بندو سار کا انتقال تقریباً ۲۷۲ ق.م میں ہوا۔ اور اسی سال اس کا لڑکا اشوک وردھن یا اشوک جو ٹکسیلا اور اجین کے وائسرائے کی حیثیت سے انتظامِ حکومت کا تجربہ حاصل کر چکا تھا، تخت نشین ہوا۔

نزاعِ جانشینی

لنکا کی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ اشوک نے خون کی ہولی کھیل کر تخت و تاج حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے تمام ۹۹ بھائیوں کا، سوائے سوتیلے بھائی کے ٹیشیا کے جو دوسرے باپ کی اولاد تھا، کام تمام کر دیا۔ بہت سے عالموں نے اس روایت کی صحت پر شبہ کیا ہے اور چٹانی فرمان نمبر پانچ میں بھائیوں کے وجود کی طرف ایک اہم اشارہ دریافت کیا ہے۔ اگرچہ دستاویزی شہادت فیصلہ کن نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ اس میں بھائیوں کے جرم کی طرف سے راجا کے فکر و تردد کا اظہار ہوتا ہے اس لیے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جنوبی ہند کی یہ روایت مبالغہ آمیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھکشو اشوک کی ابتدائی زندگی کے تاریک پہلو پر زور دینا چاہتے ہیں، وہی اشوک

---

[1] ملاحظہ ہو مار نیل اشوک، وی۔ اے اسمتھ، اشوک، ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی، اشوک؛ ڈاکٹر ڈی۔ آر بھنڈارکر۔ میں نے ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

جوان کے نزدیک پہلے خونخوار درندہ تھا لیکن بدھا کی رحم دلانا تعلیمات سے متاثر ہونے کے بعد ایک انتہائی نیک نفس شہنشاہ میں تبدیل ہوگیا۔ بہرحال اتنی بات مانی جاسکتی ہے کہ اشوک کو تخت حاصل کرنے سے پہلے اپنے سب سے بڑے بھائی سسیما یا سُمن سے زور آزمائی کرنی پڑی۔ جانشینی کا نزاعی ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ اشوک کی جانشینی اور تاجپوشی میں جس کی تاریخ تقریباً ۲۷۳ یا ۲۶۸ ق۔م قرار دی گئی ہے؛ تین یا چار سال کا فصل پایا جاتا ہے۔

کلنگ کی جنگ

کلنگ کی فتح اشوک کے دورِ حکومت کا سب سے اہم واقعہ تھا جو رسم تاجپوشی ادا ہونے کے آٹھ سال بعد پیش آیا۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر اس قیاس کا اظہار کیا کہ نند خاندان کی حکومت اس علاقہ تک پہنچ گئی تھی اور اسی لیے اس خاندان کے زوال کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی [1]، یا بندوسار کے زمانے میں جو ابتری اور انتشار پھیلا اُس کے نتیجہ میں یہ صوبہ پھر خود مختار ہوگیا۔ چنانچہ اسے ازسرنو تسخیر کرنے کا کام اشوک کے حصے میں آیا۔ کلنگ کے لوگوں نے بہت جم کر مقابلہ کیا۔ چٹانی فرمان نمبر تیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں "ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی گرفتار ہوئے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور اس سے کئی گنا غالباً بیماری اور مفلسی کا شکار ہو گئے"۔ بیچاروں کے کچھ کام نہ آیا اور ان کے ملک کو بڑی بے دردی سے تخت و تاراج کیا گیا اور فتح کرلیا گیا۔ جنگ کی ناقابل بیان۔ تکالیف و مظالم نے فاتح کا دل توڑ دیا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ اب کبھی توسیعِ سلطنت کی خاطر تلوار میان سے نہیں نکالوں گا [2] طبل جنگ

---

[1] یہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے چونکہ چندر گپت شمالی ہند میں مصروف رہا اس لیے اہل کلنگ کو اپنی طاقت بڑھانے کا خوب موقع مل گیا۔

[2] گویا اشوک کی شاہانہ قوت ارادی نے "کیلاگ معاہدہ [illegible] محسوس کرلیا تھا اور ریاستی پالیسی کے طور پر وہ جنگ سے دست بردار ہوگیا تھا۔ موجودہ جنگ نے بہرحال اس معاہدہ کی دھجیاں اُڑادی ہیں۔

(بھیری گھوش) ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا اور اس کے بعد صرف دھمّ گھوش کی گونج یعنی عدم تشدد اور عالمی امن کی پکار ملک میں سُنائی دینے لگی۔

اشوک کا مذہب

اس طرح اشوک کے تصورِ زندگی اور مقصدِ حیات میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس کا دل و دماغ بدھ مت کی معتدل تعلیمات سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ چٹانی فرمان نمبر تیرہ میں وہ خود اعلان کرتا ہے کہ کلنگ کی لڑائی کے بعد دیوتاؤں کا محبوب دُھمّ کی خدمت، دھمّ کی محبت اور دُھمّ کی خدمت، دھمّ کی محبت اور دھمّ کی تعلیم میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ بعض اوقات اس پر شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مذہب کو مانتا تھا یا نہیں۔ لیکن بدھ مذہب سے اس کی وابستگی مستند روایات نیز لوحی شہادتوں سے ثابت ہے۔ بھبرو کے فرمان میں وہ بدھ تثلیث یعنی بُدھا، دھمّ (دھرم) اور سنگھ — میں اپنے اعتقاد کا اظہار کرتا ہے اور سنگھ والوں اور عوام دونوں کو کتابِ مقدس کے بعض ابواب کی تلاوت اور اُن پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سارناتھ کے چھوٹے ستونی فرمان اور اسی جیسے دوسرے فرامین میں اشوک تقریباً دین کے محافظ کی حیثیت سے خطاب کرتا ہے اور مذہب میں تفرقہ پیدا کرنے والوں کے لیے سزائیں تجویز کرتا ہے [1] اس نے بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی، مثلاً بودھ گیا (چٹانی فرمان نمبر اٹھارہ)، لمبنی (چھوٹا ستونی فرمان) [2] اور ایسی تفریحات اور قربانیاں ممنوع قرار دے دیں جن میں بے گناہ جانوروں کو ذبح کرنا ضروری ہوتا تھا۔ چٹانی

---

[1] اشوک خود کبھی تارک الدنیا نہیں ہوا اور نہ بھکشو بنا، جیسا کہ بعض عالموں نے دیویا و دان اور آئی سِنگ کی شہادت پر قیاس کیا ہے۔ آئی سِنگ کا بیان ہے کہ اشوک کا بھکشو کے روپ میں ایک مجسمہ دیکھا (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۸، ص ۴۹۶) اور چھوٹے چٹانی فرمان کی وہ مشہور و معروف عبارت — "سنگھم اُپا یتے" ثابت کرتی ہے کہ اشوک اپنی سرگرمیوں کے باعث سنگھ سے بہت قریب آگیا تھا۔

[2] اشوک کا زیارت کے لئے سارناتھ جانے کا جہاں اس نے "قانون کا چکر گھمایا" اور سمبٹی نارا جانے کا جہاں بدھا کو پُری نِروان حاصل ہو، اس کتبے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

فرمان نمبر ایک)۔ آخر میں ہمیں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک نے بدھا کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے بے شمار استوپ بنوائے اور ابتدا میں ان میں سے آٹھ میں انھیں دفن کر دیا، اس کے علاوہ بدھ مذہب کی تبلیغ اور مسلّمات طے کرنے کے لیے شہنشاہ نے موگلی پُتّ تِسا کی رہنمائی میں ایک مجلس بھی طلب کی۔

اشوک کی رواداری

اگرچہ اشوک نے خود بدھ مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن وہ متعصب و متشدد ہرگز نہیں تھا۔ اس کے برخلاف، وہ تمام فرقوں کا جو اُس وقت پائے جاتے تھے، احترام و سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے اَجیوکَ فرقے کو غاروں میں رہن سہن کی اجازت دے دی اور دوسرے مذہب والوں۔ برہمنوں، شرامنوں، نِرگرنتھوں وغیرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ اور رواداری سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ وہ اس کا قائل تھا کہ تمام مذہبوں کا نصب العین ایک ہے۔ یعنی ضبطِ نفس اور پاکیٔ ضمیر اور اس لیے اس کی خواہش تھی کہ سلطنت کے جس حصہ میں وہ چاہیں بود و باش اختیار کریں (چٹانی فرمان نمبر سات ؎) اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس نے لوگوں پر زور دیا کہ ضبطِ نفس سے کام لیں، "بہُو شرُت" ہو جائیں، یعنی دوسرے مذہبی فرقوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کریں، محض اس سبب سے کہ وہ کسی ایک فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرے فرقوں کی تحقیر نہ کریں تاکہ ایک دوسرے کے احترام اور باہمی رواداری میں اضافہ ہو (چٹانی فرمان نمبر بارہ ؎)۔ حقیقتاً یہ بڑے اونچے خیالات ہیں جو آج بھی ہماری اس بے چین و مضطرب دنیا کے لیے تسکین کا باعث ہو سکتے ہیں

اس کا "دھم"

اس بے تعصبی کے باعث اشوک نے اپنا ذاتی مذہب لوگوں پر تھوپنے کی

؎ اس طرح اشوک اپنے وقت سے آگے جا رہا تھا اور اس کے "دھم" کو بعض جدید اصلاحی تحریکوں کا پیش خیمہ کہہ سکتے ہیں ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر۔ کے۔ مکرجی، اشوک، صفحہ ۶۰۔ ۶۶

کوشش نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنے فرمانوں میں وہ بدھ مذہب کی خصوصیات، مثال کے طور پر "چار کھری سچائیاں" آٹھ اصول کا راستہ (اشٹانگک مارگ) اور "نبھان" یا "نروان" کا کہیں ذکر تک نہیں کرتا۔ جو "دھم" اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ گویا تمام مذہبوں کا عطر یا سار تھا۔ اُس نے اخلاقی چلن کے لیے ایک ضابطہ تجویز کیا تاکہ زندگی کو زیادہ خوشگوار و پاکیزہ بنایا جا سکے۔ اس نے والدین، استادوں اور بزرگوں کی اطاعت (سُوشرشا) اور احترام (اَپ چتی) پر بہت زور دیا۔ عراہین میں برہمنوں، شترمنوں، رشتہ داروں، دوستوں، سن رسیدہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک اور اچھے برتاؤ کو جگہ جگہ سراہا گیا ہے۔ کہیں کہیں (مثلاً ستونی فرمان نمبر دو، نیز چٹانی فرمان نمبر سات میں) اشوک نے دھرم کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "دھم" میں خیرات (دان)، رحم (دیا)، حق گوئی (سچے یا ستیئں) پاک باطنی (سوچئے یا ساچین)، درویشی (سادھتا)، ضبط نفس (سَن یَم)، احسان (کتم نتا یا کرتگیتا) ثابت قدمی (درُوھ بھتیا، درنڑ بھکتیا) وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ غصے (کودھ۔ کرودھ)، ظلم (نیٹ تو تیہ یا نشیٹھو ریں)، تکبر (مانن) حسد (اِسیا۔ اِرشا) وغیرہ (ستونی فرمان نمبر تین) کی وجہ سے انسان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسے چاہیے گناہ سے پرہیز کرے۔ یہ باتیں دنیا کے تمام مذہبوں میں مشترک ہیں، اس جہت سے اشوک پر مشکل ہی سے یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے بادشاہ کی حیثیت سے اپنے بے شمار وسائل کسی خاص مذہب کو پھیلانے پر صرف کیے۔ اس لیے ایک عالم گیر مذہب کا تصور پیش کرنے کا سہرا جو اپنے وسیع ترین معنوں میں "فرض" کے مترادف ہے، اشوک ہی کے سر ہے۔

خصوصیات

اشوک نے بہرحال تمام رائج الوقت عقیدوں اور رسموں پر اپنی مہر تصدیق ثبت نہیں کی۔ تمام ذی حس مخلوق کو گزند نہ پہنچانے کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے (اَناد مبھو تیانام، اَوھِستا بھوتانَن) اُس نے اُن تمام قربانیوں کو ممنوع قرار دے دیا جن میں جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا (چٹانی فرمان نمبر ایک) ہو سکتا

ہے بعض لوگوں کو جو اُن میں اعتقاد رکھتے تھے واقعی دشواری پیش آئی ہو' لیکن اشوک اس بنیادی اصول پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بعض رسموں کو اس نے فضول، عامیانہ اور لغو سمجھتے ہوئے معیوب قرار دے دیا۔ (چٹانی فرمان نمبر نو)۔ پیدائش، موت، شادی، اور سفر وغیرہ کے موقعوں پر بیشتر رسمیں عورتیں انجام دیتی تھیں۔ اشوک کے نزدیک اصلی رسم یہ تھی کہ انسان زندگی میں اپنے تعلقات اور چلن کو سنوارے۔ اسی طرح، اس نے تحائف وفتوحات کے مروجہ تصور کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس کا اعلان تھا کہ دھمؔ وان سے بڑھکر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں "غلاموں اور ملازموں کے ساتھ اچھا برتاؤ، ماں باپ کی اطاعت، دوستوں، ساتھیوں، برہمن اور شرمن سنیاسیوں کے ساتھ فیاضی، اور قربانی کے لیے ذی روح مخلوق کے ذبیحہ سے اجتناب" وغیرہ باتیں شامل تھیں (چٹانی فرمان نمبر گیارہ)

بدھ مذہب کی اشاعت کے طریقے

اشوک نے مبلغوں کے بے جوش وخروش کے ساتھ دھمؔ کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ چھوٹے چٹانی فرمان نمبر ایک میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی ایک سال، بلکہ ایک سال سے زیادہ کی انتھک کوششوں سے[1] تمام جمبو دُویپ میں وہ لوگ جو دیوتاؤں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، اب اُن کے نزدیک آ گئے[2]۔ یہ غیر معمولی کامیابی اُسے منظم طریقے استعمال کرنے سے حاصل ہوئی۔ اُس نے آسمانی رتھوں کے "مناظر"

---

[1] اشوک ہمیں بتاتا ہے کہ وہ ڈھائی سال سے زیادہ چیلے (اُپاشک) کی حیثیت میں رہا اور اپنا باقاعدہ اثر نہ ڈال سکا (چھوٹا چٹانی فرمان نمبر ایک)

[2] دیکھیے "اِمنا چو، کالنا اَمسا سماتا منیسا جمبو دُیپسی مسا دیئی" اس عبارت کا بالکل صحیح مطلب نکالنے میں بڑی مشکلات ہیں۔ بہرحال اس کا منشا یہ ہے کہ اشوک کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور لوگ جن کے کوئی دیوتا ہی سرے سے نہیں تھے، یا جو لوگ کوئی مذہب نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے بھی مذہب اختیار کر لیا۔

پیش کیے (دِمان)، آگ کے روشن گولوں کے مظاہرے کیے (اگی کھندانی) اور ہاتھیوں کی نمائش کی (ہستی رُشنا) یہ سب چیزیں مختلف قسم کی روحانی مسرتوں کی نمائندگی کرتی تھیں جو نیک بندوں کو عالم بالا میں حاصل ہوتی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مظاہرے لوگوں کو حق پرستی کی طرف مائل کر دیں گے۔ اس نے خود تمام تفریحی دورے (وھار یاترا)، جن میں شکار اور دوسری تفریحات شامل تھیں، ترک کر دئیے اور اُن کی بجائے اپنے پند و نصائح اور ذاتی مثال سے ملک میں دھم کی ترقی اور رواداری کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے "دھم یاترائیں" شروع کر دیں (چٹانی فرمان نمبر آٹھ)۔ اشوک اپنے ستونی فرمان نمبر سات میں بتاتا ہے کہ اسی مقصد کے لیے اُس نے "دھم استمبھ" قائم کیے، دھم مہامات یا دھم مہاماتر مقرر کیے اور دھم ساون یا دھم شراون بنائے" دھم مہاماترون کا تقرر ایک اہم اقدام تھا کیونکہ اُن سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ لوگوں کی مادی اور روحانی دونوں قسم کی ضروریات کی دیکھ بھال کریں۔

رفاہِ عام کے کام

اشوک نے انسانوں اور حیوانوں کی تکلیف دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس سلسلہ میں بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں کہ اشوک نے قربانیوں کے سلسلہ میں جانوروں کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دے دیا تھا، لیکن چٹانی فرمان نمبر ایک مزید یہ بتاتا ہے کہ اُس نے گوشت سے تیار ہونے والی چیزوں کو شاہی دسترخوان سے رفتہ رفتہ بالکل خارج کر دیا۔ تمام "سماج" جن میں گوشت خوری، رقص اور موسیقی کو دخل تھا بند کر دیے گئے۔ اسی طرح ستونی فرمان نمبر پانچ میں اُس کے اُن قواعد کا ذکر ہے جو اُس نے جانوروں کو مار ڈالنے یا اُن کے اعضا کاٹنے کے خلاف مرتب کیے تھے۔ وہ سنیاسیوں، غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرتا تھا، اس نے اپنی ذاتی اور اپنی رانیوں اور راجکماروں کی خیرات کی نگرانی کے لیے بڑے بڑے افسر (مکھ) مقرر کر رکھے تھے۔ چٹانی فرمان نمبر دو سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک نے "طبی علاج" کے لیے دو قسم کا انتظام کیا تھا۔ ایک انسانوں کے لیے، دوسرا حیوانوں کے لیے

اپنی سلطنت میں بھی اور جنوب کی پڑوسی ریاستوں میں بھی۔ وہ ریاستیں یہ تھیں۔ چولا، پانڈیہ، ستیاپتر، کیرل پتر، یہاں تک کہ تامر پرنی (لنکا) میں بھی، نیز یونانی ریاستوں میں بھی (چٹانی فرمان نمبر تیرہ)، مثلاً شام کے انتی یوک یا اینٹی اوکس دوم تھیوس (۲۶۱-۲۴۶ ق.م) کی ریاست میں، مصر کے تترمایا، یا ٹالمی دوم فلی ڈیلفس (۲۸۵-۲۴۷ ق.م) کی ریاست میں، مقدونیہ کے اَمتیکینا یا اینٹی گونیٹس (۲۷۸-۲۳۹ ق.م) کی ریاست میں، سائرین کے مگ یا مگس (۳۰۰-۲۵۸ ق.م) کی ریاست میں، ایپی رس کے الکِ سُندرُ یا سکندر (۲۷۲-۲۵۸ ق.م) کی ریاست میں[1] آدھے آدھے کوس (لگ بھگ ایک میل) کے فاصلے پر اس نے کنوئیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ جہاں دواؤں میں کام آنے والی جڑی بوٹیاں نہیں پیدا ہوتی تھیں وہاں ان کے بھجوانے اور ان کی کاشت کا انتظام کر دیا۔ انسانوں اور حیوانوں کی نمایش کے لیے (یہ بھوگا یہ پشو منو شا نن) اس نے برگد کے درخت اور آم کے باغ نصب کرائے۔ اس طرح اس نے تمام ذی روح مخلوق کی بھلائی اور خوش حالی کے لیے مسلسل کام کیا۔ اُس کا جذبۂ محبت و ہمدردی حدود و قیود سے بیگانہ تھا۔ اس نے یہ کبھی نہیں چاہا کہ یونانی "ایک غیر ملکی کے کہنے سے"، جیسا کہ ڈاکٹر ریس ڈے وِڈس نے قیاس کیا ہے، اپنے دیوتاؤں سے قطع تعلق اختیار کرلیں۔ البتہ اشوک نے اپنے سفیروں یا دُوتوں کے ذریعہ اپنا امن و صلح کا پیغام بھیجنا ضرور اپنا فرض سمجھا۔ سفیروں کو اس کی یہ ہدایت تھی کہ اس کی طرف سے وہاں دان پُن کریں تاکہ مخلوق کا جو قرضہ اس پر واجب الادا ہے اس سے وہ سبکدوش ہوجائے (بھوتانن آننن گچھیّن)

بدھ مت کی تیسری مجلس

ایک اہم واقعہ جو اشوک کی تاجپوشی کے سترھویں سال میں پیش آیا یہ تھا

[1] اَلکِ سُندرُ کورنتھ کے سکندر (۲۵۲-۲۴۴ ق.م) کے مماثل نہیں معلوم ہوتا، جیسا کہ بلاک نے تجویز کیا ہے۔ پانچ یونانی حکمرانوں کا حوالہ اشوک کے زمانے کے حالات نیز عام واقعات تاریخ وار مرتب کرنے کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے۔

کہ مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات دور کرنے کے لیے بدھ مذہب کی تیسری مجلس[1] طلب کی گئی۔ یہ موگ گلی پتا تُسا کی صدارت میں (شمالی ہند کی تحریروں کے مطابق اُپ گپت کی صدارت میں) بمقام پاٹلی پتر منعقد ہوئی۔ نو مہینہ تک غور و فکر کے بعد مسائل استھ ویر فرقہ کے حق میں طے کر دیے گئے۔ مجلس کے اختتام پر صدر نے طے شدہ معتقدات کے مطابق دور دراز ملکوں کو تبلیغی جماعتیں بھیجیں۔ مثال کے طور پر مجھانتک کو کشمیر اور گندھار بھیجا گیا۔ ہمالیہ کے ملک میں وفد مجھم کی سرکردگی میں گیا۔ مہش منڈل (میسور) جانا مہادیو کے اور سوُرن بھومی (برما) جانا سُون اور اُتّر کے ذمہ قرار دیا گیا۔ مہاراشٹر کی طرف مہادھرم رکشت کو اور یونوں کے ملک کی طرف مہارکشت کو روانہ کیا گیا۔ اشوک کے لڑکے مہیندر کو[2] جو بھکشو بن گیا تھا، کئی اور بھکشوؤں کی ہمراہی میں لنکا بھیجا گیا۔ کہتے ہیں کہ بعد ازاں شہنشاہ کی لڑکی سنگھ متر بھی مقدس بودھی درخت کی شاخ سے لے کر وہاں گئی۔ اشوک کے دورے حکومت میں بدھ مذہب کی توسیع و اشاعت بڑی حد تک ان تبلیغی جماعتوں کی انتھک کوششوں، ثابت قدمی اور والہانہ جوش کی مرہون منت ہے۔

سلطنت کی وسعت

یہ مشہور بات ہے کہ کلنگ اشوک کی واحد فتح تھی۔ لیکن اسے باپ دادا سے ایک عظیم الشان سلطنت ورثے میں ملی تھی۔ جس کی حدود کا تعین ہم کسی حد تک قطعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ شمال و مغرب میں اس کی سلطنت یقیناً ہندو کش تک پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا ثبوت موجود ہے کہ چاروں یونانی صوبوں (شترپوں) پر جو اس کے دادا کو سلیوکس نانکیپٹر سے ہاتھ آئے تھے اس کا قبضہ بدستور باقی رہا۔ ان صوبوں کی تفصیل یہ ہے۔ ایریا (ہرات) اراکوشیا (قندھار) گڈروشیا

---

[1] پہلی مجلس مہاکشیپ نے راج گرہیہ میں طلب کی اور دوسری ویشالی میں تاکہ وجھوی علاقہ میں آزاد خیال رجحانات کا سد باب کیا جا سکے۔ [2] ہیون سانگ کے بیان کے مطابق اور بدھ مذہب کی سنسکرت کی کتابوں کی رو سے مہیندر اشوک کا بھائی تھا۔

(بلوچستان) پروپنی سدانی (وادیٔ کابل) ۔اشوک کی مملکت میں جنوبی افغانستان اور سرحدی علاقوں کا شامل ہونا اس سے ثابت ہے کہ شہباز گڑھی (ضلع پشاور) اور من سہرا (ضلع ہزارہ) میں اس کے چٹانی فرمان دریافت کیے گئے ہیں، نیز یوان چوانگ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے۔ یوان چوانگ نے کافرستان (کپنیشا) اور جلال آباد میں اشوک کے استوپوں کے وجود کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں، کشمیر کا اشوک کی سلطنت میں شامل ہونا چینی زائر یوان چوانگ کے بیان سے، نیز کلہن کی راج ترنگنی سے ثابت ہے۔ اس مقام پر یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سری نگر کی بنیاد اشوک ہی سے منسوب ہے، اور وادیٔ کشمیر میں بہت سے استوپ اور چیتیہ بنوانے کا سہرا بھی اُس کے سر ہے۔

گرنار اور سوپارا (ضلع تھانہ) میں اشوک کے کتبے قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اس کا حلقۂ اختیار سوراشٹر اور جنوبی مغربی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جوناگڑھ میں رودر دامن کے چٹانی کتبے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یون راج تشاسپ[1] سوراشٹر میں اشوک کا نائب السلطنت (وائسرائے) تھا۔

شمال میں اشوک کی حکومت ہمالیہ پہاڑ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بات اس کے ان فرمانوں سے ظاہر ہوتی ہے جو کلسی (ضلع دہرہ دون)، رُم من دے اور نگلیو (نیپالی ترائی) میں پائے گئے ہیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ نیپال میں للت پٹن کی بنیاد بھی اسی نے رکھی، جہاں وہ اپنی لڑکی چارومتی اور اس کے شوہر دیو پال کشاتریہ کے ساتھ گیا تھا۔

مشرق میں بنگال بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ یوان چوانگ نے اشوک کے کئی استوپ بنگال کے مختلف علاقوں میں دیکھے۔ روایات بتاتی ہیں کہ جب اس کا بیٹا اور بیٹی لنکا جا رہے تھے تو انھیں رخصت کرنے تامرلپتی (تملوک) تک گیا تھا۔[2] کلنگ جو اس کی پہلی اور آخری فتح تھی وہ اس کی سلطنت میں شامل

---

[1] اپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، صہ ۴۶، تشاسپ ایرانی نام معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اسے یون کہا گیا ہے۔ [2] بنگال کے موریہ سلطنت میں شامل ہونے کی تصدیق مہا استھان (جوگرا ضلع) کے ستونی کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو موریہ عہد کے براہمی رسم الخط میں کندہ ہے (ملاحظہ ہو اپی گرافیہ انڈکا، اکیسواں، اپریل، ۱۹۳۱، صہ ۸۳ حاشیہ)

ہو ہی گیا تھا۔ یہاں اس نے دو کتبے کندہ کرائے۔ ایک دھولی (ضلع پوری) میں، دوسرا جوگڈ (ضلع گنجم) میں۔ جنوب میں نظام کی قلمرو میں اشوک کے چٹانی کتبے مسکی اور اراگڈی، نیز میسور میں جتیل درگ کے مقام پر دریافت کیے گئے ہیں۔ اس سے بھی آگے جنوب کی خود مختار ریاستیں تھیں۔ چولا، پانڈیہ، ستیا پتر اور کیرل پتر (چٹانی فرمان نمبر دو)

چٹانی فرمان نمبر پانچ اور تیرہ میں بعض ایسی محکوم قوموں کا ذکر ہے جو دور دراز کے صوبوں میں آباد تھیں۔ وہ یہ تھیں۔ یون، کمبوج، گندھار، راشٹرک پتینک، بھوج، نابھک نابھہ پنتی، آندھرا، اور پارِندیا پالدلہ

آخری بات یہ کہ فرمانوں میں سلطنت کے بعض شہروں کے نام آتے ہیں مثلاً بودھ گیا، تکش شیلا (ٹیکسلا)، توسلی، سماپا، اجین، سورن گری (شون گریا کنک گری)، اسیلا، کوشمبی، پاٹلی پتر۔

یہ تمام شہادتیں ظاہر کرتی ہیں کہ اشوک کی سلطنت شمال مغرب میں ہندوکش سے لے کر مشرق میں بنگال تک اور شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں جتیل درگ کے ضلع تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں دو سرحدی علاقے، کلنگ اور سوراشٹر بھی شامل تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا طول وعرض اس درجے مرعوب کن تھا کہ اشوک یہ کہنے میں بالکل حق بجانب تھا "مہالکے ہی وجی تن" یعنی میری سلطنت عظیم ہے۔" (چٹانی فرمان نمبر ۱۴) قدیم ہندوستان کا کوئی بادشاہ اس قدر وسیع سلطنت پر اس سے پہلے کبھی قابض نہیں ہوا تھا۔

انتظامِ حکومت

نظامِ حکومت اشوک کے زمانے میں بھی کم وبیش ویسا ہی رہا جیسا چندر گپت

لہ ریپسن نے انھیں شمال ومغرب اور جنوب کی "بادشاہ کی سلطنت سے باہر" لیکن اس کے حلقۂ اثر میں شامل سرحدی اقوام مانا ہے (دکیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ایک، ص ۵۱۴) کہ چٹانی فرمان نمبر پانچ میں اشوک نے اپنی سلطنت کو "سوپو" (دھا) بیان کیا ہے۔

موریہ کے زمانے میں تھا۔ یہ ایک مطلق العنان فلاحی شخصی حکومت تھی۔ اشوک نے اپنے باپ دادا کے اصولوں کی پابندی پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ کلنگ کے دوسرے فرمان میں وہ کہتا ہے "رعایا سب میری اولاد ہے اور جس طرح میں دنیا اور عقبیٰ میں اولاد کی مسرت اور خوش حالی کا خواہش مند ہوں، اسی طرح میں اپنی رعایا کے لیے بھی اسی کا خواہش مند ہوں"۔ پہلے کی طرح ایک مجلس وزرا تھی (پریشد) جو بادشاہ کو حکمرانی میں امداد و مشورہ دیتی تھی۔ (چٹانی فرمان نمبر تین اور چار)، صوبائی نظام حکومت بھی وہی رہا۔ اہم صوبے شاہی خاندان کے افراد (کماروں) کے ماتحت تھے، اشوک کے زمانے میں ٹکشا شیلا (ٹیکسلا)، اجینی، توسلی (دھوبی) اور سوُرن گری (سوُنگیر) ایسے ہی مرکز تھے جن میں نائب السلطنت رہتا تھا۔ بعض اوقات، بہرحال، معتمد جاگیرداروں کو بھی یہ اعلیٰ خدمات تفویض کی جاتی تھیں جیساکہ یون راجا تشائپ کی مثال سے ثابت ہے جس کی راجدھانی گرتر تھی۔ غالباً نائب السلطنت اپنے اپنے صوبوں میں علیٰحدہ اپنی مجلس وزرا (اماتیہ) رکھتے تھے۔ بہرنیج بندوسار کے عہد میں وزرا کے خلاف ہی رعایا نے بغاوت کی تھی۔ چھوٹے چھوٹے صوبے گورنروں کے ماتحت ہوتے تھے جنھیں فرمانوں میں راجک کہا گیا ہے۔ یہ بے شک شاید ہمارے آج کل کے علاقائی کمشنروں کے مماثل تھے مختلف محکموں کے افسروں کے لیے عام اصطلاح "مکھ" (ستونی فرمان نمبر سات) یا مہاماتر یعنی مہاماتر استعمال ہوتی تھی۔ اُن کا مخصوص محکمہ مسابقات کے ذریعے ظاہر کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر حرم، شہر اور سرحد کے نگراں، علی الترتیب، استری اُدھیکش مہاماتر، نگردیلہ ہارک مہاماتر، اور انت مہاماتر کہلاتے تھے، دیگر سرکاری افسر جو اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ سب درجوں کے ہوتے تھے۔ پرُش کہلاتے تھے، کمتر درجہ کے افسروں کو عام طور پر یکت کہا جاتا تھا۔

اصلاحات

حکومت میں اصلاح کی غرض سے اشوک نے انتظام میں متعدد جدتیں پیدا کیں۔ اس نے رعایا کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لیے ایک نیا عہدہ (دھرم

مہامات قائم کیا۔ مختلف مذہبی فرقوں کے مفادات کی نگرانی اور تقسیم خیرات کا کام اُن کے ذمہ تھا۔ سزاؤں میں کمی کرانا، طولِ عمر یا کثرت اولاد کی بنیاد پر قید سے رہائی دلانا، بے جا ایذا رسانی کی روک تھام کرنا اور انصاف کی سختیوں میں تخفیف کرانا بھی اُن کے فرائض میں داخل تھا (چٹانی فرمان نمبر پانچ)

مزید برآں، اشوک نے ززجوک اور پردیشک سے لے کر یکت تک تمام افسروں کو حکم دیا کہ پنج سالہ یا بعض اوقات سہ سالہ دورے کریں (انو سنیان) تاکہ دیہات میں رہنے والوں سے وہ براہ راست رابطہ قائم کر سکیں۔ (چٹانی فرمان نمبر تین، نیز کلنگ کا چٹانی فرمان نمبر ایک) تیسرے، پٹی ویدکوں (نامہ نگاروں) کو اجازت تھی کہ راجا کہیں بھی ہو وہ جب چاہیں اُسے اہم سرکاری معاملات کی اطلاع دیں[1]۔ (چٹانی فرمان نمبر چھ) چوتھے اشوک نے راجکوں کو جو "کئی لاکھ آدمیوں پر تعینات ہوتے تھے" آزادی دے رکھی تھی کہ لوگوں کو خطابات (ابھی ہال) سے نوازیں اور سزائیں (دنڈ) دیں، تاکہ وہ اعتماد و جرأت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ بہرحال، اُن سے سزاؤں (دنڈ سمتا) اور انصاف (دیوھار سمتا) کے معاملہ میں قانونی یکسانی برتیں۔ (ستونی فرمان نمبر چار) آخر میں، شہنشاہ ہر سال جشنِ تاجپوشی کے موقع پر (ستونی فرمان نمبر پانچ) قیدیوں کو رہا کیا کرتا تھا اور جو ملزم سزائے موت کے منتظر ہوتے تھے، انھیں وہ تین دن کی مہلت دے دیتا تھا۔ (ستونی فرمان نمبر چار)

سماج

ہم نے اشوک کے زمانے میں سوسائٹی کی ایک جھلک گزشتہ صفحات

---

[1] پٹی ویدکوک کو اجازت تھی کہ چاہے راجا کھانا کھا رہا ہو (بھنج مانس)، حرم میں ہو (اورودھ نھی) باہر کے دالان میں ہو (گبھا گارہی)، شاہی مویشی خانہ میں ہو (دبھتی) گھوڑے پر سوار ہو (ونی نھی مذہبی مطالعہ میں مصروف ہو؟)، یا باغ میں تفریح میں مشغول ہو (اُیانسو) ہر وقت اور ہر جگہ اسے سرکاری حالات سے مطلع کریں۔

میں دیکھی۔ اس وقت سماج برہمنوں، شرمنوں، اور دوسرے پاشنڈوں پر مشتمل تھا، جن میں اجیوک اور نرگرنتھ (جین) مختار تھے، یہ بھکشو اور سنیاسی اپنے اپنے معتقدات کے مطابق حق کی تبلیغ کرتے اور درس وتدریس اور مباحثہ کے ذریعہ علم کی توسیع و اشاعت میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ گرہستی لوگ تھے۔ (گرہسنت) عجیب بات یہ ہے کہ اشوک نے اپنے فرمانوں میں چاروں طبقوں کا ذکر کیا ہے یعنی۔ برہمن؛ فوجی سپاہی اور اُن کے سردار (بھٹ نایہ) جو گویا کشتریوں کے مماثل تھے، ابھیۂ یا ویشیۂ (چٹانی فرمان نمبر پانچ) اور غلام اور ملازم (درس بھٹک) یعنی شودر۔ خوش بختی کے لیے وہ بہت سی رسمیں ادا کرنے کے عادی تھے اور عقبیٰ (پرلوک یا سُورگ) کے قائل تھے۔ گوشت خوری بلاشبہ اس وقت کے سماج کی عام خصوصیت تھی، جیساکہ اشوک کے اُن جامع قواعد وضوابط سے ظاہر ہے جو اس نے جانوروں کے ذبیحہ کے انسداد کے لیے نافذ کیے دستونی فرمان نمبر پانچ) اگر خود اشوک کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ "اوپر کے دس چند زنی پر عمل کرتے تھے۔ [1] چٹانی فرمان نمبر پانچ میں حرم (اوُر ودھن) کے حوالے ثابت کرتے ہیں کہ عورتوں کو تنہا رکھنا اور ان کی آزادی پر پابندی لگانا اس وقت کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

یادگاریں

موجودہ نسلیں آشوک کو محض اس کی دھم کے میدان میں کامیابیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ فنّی اور تعمیری کارناموں کے لیے بھی یاد رکھیں گی۔ روایات دو شہروں کی بنیاد کا سہرا بھی اس کے سر رکھتی ہیں۔ کشمیر میں سری نگر اور نیپال میں للت پٹن۔ اور جیساکہ فاہیان نے لکھا ہے، اس نے اپنے محل اور راجدھانی کی شان وشوکت

---

[1] اشوک کی رانیوں کے ناموں کے لیے ملاحظہ ہو صہ۱۲ ضمیمہ (ب) یہ بات کہ اشوک کئی بیویاں رکھتا تھا، روایات سے بھی ثابت ہے اور رانی کے فرمان سے بھی، جس میں اشوک کی دوسری بیوی، کال دُر، واکی، مادرِ تِول (تِوَر) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (موازنہ کریں" دُوتی یائے دیوتے")

کو دوبالا کر دیا تھا۔ بدھا کے مادی تبرکات محفوظ کرنے کے لیے اس نے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں لاتعداد استوپ تعمیر کرائے۔ ؎ اس کے علاوہ بھکشوؤں کے رہنے سہنے کے لیے اشوک نے وِہار یا خانقاہیں اور غار بنوائے۔ بہرحال اشوک کی تعمیری سرگرمیوں کی شہادتیں جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں، بدقسمتی سے بہت ناکافی ہیں۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ اہم اس کے وہ یک سنگی ستون ہیں جن کی بھاری بھرکم مخروطی شکل کی ڈانڈ چُنار کے ریتیلے پتھر سے ڈھالی گئی ہے۔ اُن کا وزن تقریباً پچاس ٹن ہے اور اونچائی کا اوسط ۴۰ سے ۵۰ فٹ تک ہے۔ ستون کے بالائی حصہ پر پرسی پُلس ؎ کے نمونہ کا ایک گھنٹی نما تاج ہے، جو ہاوِل کی رائے میں اُلٹا ہوا کنول ہے۔ ان کھمبوں کے دوسرے حصے یہ تھے۔ گردن، اس پر چوکی، جس کی گولائی کو سنگتراش جانوروں کی مورتیوں سے زینت دیتے تھے۔ حسب ذیل جانوروں کی مورتیاں بیش کی جاتی تھیں۔ شیر، بیل، ہاتھی اور گھوڑا۔ ان تمام متناسب اجزا کی تیاری اس قدر فطری، نفیس اور جان دار ہے کہ بعض عالموں نے بڑے زور کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ سب فن غیر ملکی، یونانی یا فارسی اثرات کا حامل ہے۔ سنگتراشی کے ان شاہکاروں کا مقابلہ اگر ہم قدیم نمونوں سے کرتے ہیں، جیسے پارکھم کی مورتی، تو یہ بلا شبہ ایک معمہ بن جاتا ہے۔ جس کا اطمینان بخش حل اُس وقت تک تلاش نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہم غیر ملکی اثرات تسلیم نہ کریں یا یہ باور نہ کریں کہ ہندستان میں فن کا ایک طوفان یک لخت اُمنڈ پڑا تھا۔ اشوک کی لاٹوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی سطح کو گھس گھس کر اتنا چکنا بنا دیا گیا ہے کہ بعض ماہرین کو یہ شبہ ہوا کہ یہ دھات کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ بھی بہت عجیب بات ہے کہ اس قسم کی چکناہٹ بعد کی عمارتوں

؎ بدھا کی وفات کے بعد ان کے باقیات کے آٹھ دعویدار ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک استوپ ان پر تعمیر کرایا۔ ان سب کو اشوک نے کھلوایا۔ روایات میں ہے کہ اس نے ان تبرکات کو ۸۴... استوپوں میں تقسیم کر دیا، اور یہ سب استوپ اس نے خود اسی مقصد سے تعمیر کرائے۔

؎ آکمینی بادشاہوں کے زمانے میں قدیم فارس کا دارالسلطنت۔ (مترجم)

میں نہیں پائی جاتی، گویا اشوک کے بعد فن کا یہ معیار بالکل معدوم ہو گیا۔ مجموعی طور پر، بقول ونسنٹ اسمتھ کے "اُن کا گھڑنا، منتقل کرنا، اور کھڑا کرنا، یہ سب موریہ عہد کے سنگتراشوں اور انجینروں کی فنی صلاحیتوں نیز وسائل اور حسنِ تدبیر کا کھلا ہوا ثبوت ہیں [۱]"

فرامین

اشوک کے یہ تمام کتبے [۲] دستاویزی شہادت کا نادر مجموعہ ہیں۔ ان سے

---

[۱] اشوک تیسرا اڈیشن، صہ ۱۲۰۔ صہ ۱۲۱ اشوک کے انجینیروں کو ان ستونوں کو دور دراز مقامات تک لانے لے جانے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا تھوڑا بہت اندازہ شمس سراج کے بیان سے ہوتا ہے جس نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ نے ان میں سے ایک لاٹ کو ٹوپرا گاؤں (ضلع انبالہ، پنجاب) سے بطور نشانِ فتح دہلی بھجوانے کے لیے کیا انتظامات کیے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ اول بڑی احتیاط سے بیخ کھدوائی گئی، پھر آہستہ آہستہ ستون کو روئی کے نرم گدوں پر لٹایا گیا۔ بعد ازاں اس خیال سے کہ ستون کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، بنڈوں اور خام کھالوں کی دبیز تہیں اس پر لپیٹی گئیں۔ اس کے بعد اسے ایک گاڑی پر چڑھایا گیا جس میں ۴۲ پہیے تھے۔ یہ گاڑی خاص طور سے اسی مقصد سے بنوائی گئی تھی۔ ہر پہیے میں الگ الگ ایک رسّی باندھی گئی تھی اور اسے بہ یک وقت ۲۰۰ آدمی مل کر کھینچتے تھے۔ اس طرح پوری گاڑی کو ستون کے بوجھ سمیت ۸۴۰۰ (۴۲ × ۲۰۰) آدمیوں نے کھینچا۔ جب گاڑی جمنا کے کنارے پہنچی تو ستون کو بڑی ہوشیاری سے بڑی بڑی کشتیوں پر اتارا گیا جو وہاں پہلے سے اس کام کے لیے تیار تھیں۔ پھر ستون کو بڑی احتیاط کے ساتھ فیروز آباد لے گئے اور بڑی محنت اور قابلیت سے اسے جامع مسجد کے قریب نصب کر دیا۔ کہتے ہیں کہ فیروز شاہ تغلق نے اشوک کے ایک اور ستون کو مضافات (میرٹھ) سے بھی منتقل کیا۔ یہ دونوں ستون دہلی کے قریب، علی الترتیب، کوٹلہ میں اور پہاڑی ٹیلہ پر آج تک موجود ہیں (ملاحظہ ہو ایلیٹ، تیسرا، صہ ۳۵؛ اسمتھ، اشوکا، تیسرا اڈیشن، صہ ۱۲۱۔ صہ ۱۲۳؛ بھنڈارکر، اشوکا، دوسرا اڈیشن، صہ ۲۱۵۔ صہ ۲۱۷) [۲] فرمانوں میں اشوک نے اپنے لیے "دیوانم پیئے پیہ دَسی راجا" کے الفاظ کی تکرار کی ہے۔ صرف مَسکی کے چھوٹے چٹانی فرمان میں "اشوک" نام آیا ہے دوسرے مقامات پر جہاں نام آتا ہے یہ ہیں جوناگڑھ میں رُدر دامن کا کتبہ جس پر ۷۲ = ۱۵۰ء تاریخ پڑی ہوئی ہے (اپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں صہ ۳۶ صہ ۴۶، نیز سارناتھ میں کمار دیوی کا کتبہ (ایضاً، نواں، صہ ۳۱۹، صہ ۳۲۸)

ہمیں اُس کے دلی جذبات ونظریات کا پتہ چلتا ہے اور آج سینکڑوں برس بعد اس عظیم الشان شہنشاہ کے الفاظ بعینہٖ ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ ان فرمانوں کو جو بقول رہس ڈیوڈس "ناہموار، بدقطع، پیچیدہ اور تکرار سے پُر ہیں" کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) دو چھوٹے چٹانی فرمان: فرمان نمبر ۲ میسور کے چتیل دُرگ ضلع میں بیدا پور، جتنگا رامیشورا اور برہم گری وغیرہ مقامات پر پائے گئے ہیں۔ نمبر ایک مندرجہ بالا مقامات پر بھی پائے گئے ہیں۔ نیز روپ ناتھ (ضلع جبلپور)، سہسرام ضلع آرہ میں، جے پور کے قریب بیرات، اور نظام کی ریاست میں مسکی، گوی مٹھ، پالکی گنڈی اور اراگڑی میں پائے گئے ہیں۔

(۲) بھبرو کا فرمان

(۳) چودہ چٹانی فرمان، جو شہباز گڈھی (ضلع پشاور)، من سہرا (ضلع ہزارہ) جوناگڈھ کے قریب گرنز؛ سوپارہ (ضلع تھانہ)؛ کلسی (ضلع دہرہ دون) دھولی (ضلع پوری) جوگڈھ (ضلع گنجم)، اراگڑی (نظام کی ریاست) میں دریافت ہوئے ہیں۔

(۴) کلنگ کے دو علیحدہ فرمان جو چٹانی فرمان نمبر گیارہ، بارہ اور تیرہ کی بجائے دھولی اور جوگڈھ میں پائے گئے ہیں۔

(۵) برابر میں تین غاروں کے کتبے۔

(۶) سات ستونی فرمان: توپرا۔ دلی، میرٹھ؛ دلی، کوشامبی۔ الہ اباد؛ رام پُروا، لوریا اوراج، لوریا نندن گڈھ (آخری تین بہار، ضلع چمپارن) میں پائے گئے ہیں۔

(۷) رُم من دے اِی اور نگ لیو کی ترائی کے دو فرمان۔

(۸) سانچی، کوشامبی ۔ الہ آباد اور سارناتھ کے چھوٹے ستونی فرمان۔

سوائے شہباز گڈھی اور مُن سہرا کے فرامین کے جو عربی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جانے والی کھروشٹھی رسم الخط میں کندہ ہیں، باقی سب براہمی لپی میں ہیں، جو تمام جدید ہندوستانی حروف تہجی کی ماں ہے اور بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہے۔

اشوک کا جائزہ

بلاشبہ اشوک قدیم ہندوستان کی سب سے نمایاں شخصیت ہے۔ اکثر اس کا مقابلہ دنیا کی عظیم شخصیتوں مثلاً قسطنطین، مارکس، آریلیس، اکبر، خلیفہ عمر وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔ اس تقابل میں، بہرحال، مکمل یکسانی نہیں پائی جاتی۔ اشوک انسانی ہمدردی کی ندیاں بہا رہا تھا۔ اس کی محبت و مہربانی تمام ذی روح مخلوق سے ہم آغوش تھی۔ اس کا فرض شناسی کا معیار بہت بلند تھا، جس کے باعث وہ اُن تمام مسرتوں سے بیزار ہوگیا تھا جو بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ وہ بڑی جفاکشی کی زندگی گزارتا تھا۔ سرکاری کام انجام دینے کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ آمادہ رہتا تھا، اور اپنے تمام وسائل اور قوتیں بنی نوع انسان کی تکلیف دور کرنے اور اپنے معتقدات کے مطابق دھم کی نشر و اشاعت پر صرف کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ خاص طور پر رعایا کی، اور عام طور پر تمام انسانوں اور حیوانوں کی بھلائی اور خوشحالی کا جذبہ اس کی زندگی کا اس قدر نمایاں پہلو بن گیا تھا کہ وہ اپنی کوششوں اور اپنے کام سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اس کے عالی شان عہد میں فن کی زبردست ترقی ہوئی اور پالی یا ماگدھی یعنی وہ بولی جس میں اس کے فرامین نے الفاظ کا جامہ پہنا قریب قریب تمام ہندوستان کی مشترک زبان بن گئی۔[1] لیکن اس کی پالیسی سے ہندوستان کی سیاسی عظمت کو شدید صدمہ پہنچا۔ کلنگ کی فتح کے بعد موریہ فتوحات کا زور یک لخت گھٹ گیا۔ اور اس طرح گویا اشوک نے "دھم وجے" کی پالیسی اختیار کرکے سلطنت مگدھ کی توسیع کو ہمیشہ کے لیے مسدود کر دیا۔ لوگوں کا فوجی جوش و خروش افسردہ و مضمحل ہوگیا اور ملک ہندی باختری حملہ آوروں کی یلغار کا بڑی آسانی سے شکار ہوگیا جو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہندوستان کے میدان پر آندھی دھاندی ٹوٹ پڑے۔

---

[1] اگر ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت ہو تو اسے "لنگوا فرینکا کی بجائے" لنگوا انڈکا یعنی "ہندوستان کی مشترک زبان" کہنا چاہیے۔

فصل (۲)

اشوک کے جانشین

چالیس[1] سال کے طویل دور حکومت کے بعد ۲۳۲ ق.م. میں اشوک کا انتقال ہو گیا۔[1] جب شاہی عصا اس کے مضبوط ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گیا تو موریہ خاندان کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ اس کے جانشینوں کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے، وہ یہ کہ اشوک کی بلندی تک اُن میں سے کوئی ایک نہ پہنچ سکا۔ اس کے بیٹوں میں سے صرف تیوَرا کا نام فرمانوں میں آتا ہے لیکن غالباً وہ باپ سے پہلے انتقال کر گیا، کیونکہ اس کا نام بعد میں کہیں سننے میں نہیں آتا۔ راج ترنگنی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا بیٹا جالُوک جو شیومت کو مانتا تھا، اشوک کے انتقال کے بعد کشمیر میں خود مختار ہو گیا تھا، تیسرا، کُنال (سُویشس)، تھا جس نے وایو پُران کے مطابق آٹھ سال حکومت کی۔ لیکن جنوبی ہند کی کتابیں اُسے نابینا کہہ کر گزر گئی ہیں۔ اس جہت سے اشوک کے بیٹوں کے متعلق ہماری معلومات نہایت درجہ مبہم ہے۔ دوسری طرف اشوکا ودان ہمیں بتاتی ہے کہ سنگھ کے ساتھ غیر معمولی فیاضی اور سخاوت کے باعث اشوک کو اس کے وزیروں نے اُس کے پوتے سَمپرتی (جو نابینا کنال[2] کا لڑکا تھا) کے حق میں تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ روایات میں حتمی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ سَمپدی یا سَمپرتی جین مت کا گرم جوش سرپرست تھا اور اس کی راجدھانی اُجین تھی۔ وایو اور متسیہ پُران بہر حال تصدیق کرتے ہیں کہ اُس سے پہلے اشوک کا ایک اور پوتا، دشرتھ

---

[1] ونسنٹ اسمتھ نے لکھا ہے کہ ایک تبتی روایت کے مطابق اشوک کا انتقال ٹیکسلا میں ہوا۔ (دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص۱۱۶) دوسرے ذرائع سے روایت کی تائید بہر حال نہیں ہوتی۔

[2] کہتے ہیں کہ آنکھوں کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا نام کُنال رکھا گیا تھا۔ اس کی سوتیلی ماں تشیہ رکشتا نے حسد کے باعث سازش کر کے اُسے اندھا کروا دیا۔

نامی گدی پر بیٹھا۔ اس کی تاریخیت ناگارجُنی میں غار کے کتبوں سے بھی ثابت ہے جن میں لکھا ہے کہ وہ اجیوک فرقے سے والہانہ نسبت رکھتا تھا۔ ونسنٹ اسمتھ نے ان متضاد شہادتوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اشوک کے بعد سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔ دش رتھ کو مشرقی اور سم پرتی کو مغربی علاقہ ملا[1]۔ لیکن اس نظریے کی تائید دستیاب شواہد سے نہیں ہوتی، کیونکہ بعض جین نسخوں میں سَم پرتی کو تمام ہندوستان کے راجہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جس کا دربار اُجین میں نہیں بلکہ پاٹلی پتر میں لگتا تھا۔ اس لیے ہمیں حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دشرتھ اور سمپرتی دونوں تاریخی وجود رکھتے تھے، نیز یہ کہ دشرتھ پہلے راجا ہوا اور سمپرتی بعد میں۔ سمپرتی کے جانشین بالکل بے حقیقت تھے[2]۔ ان کے زمانے میں موریہ طاقت زوال پذیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ برہ درتھ کا انجام اس کے اپنے سپہ سالار پُشیامترشنگ کے ہاتھوں بڑے المیہ انداز میں ہوا۔

موریہ سلطنت کے زوال کے اسباب

موریہ سلطنت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والا لازمی طور پر یہ سوال کرنے لگا کہ اشوک کے بعد موریہ راج کا شیرازہ اتنے جلد کیوں بکھر گیا۔ مہامہوپادھیہ ایچ۔ پی۔ شاستری کا خیال ہے کہ اشوک کی پالیسی کے خلاف برہمنوں کا ردِ عمل اس کا واحد سبب تھا[3]۔ برہمنوں نے اس سے بالکل قطع تعلق کر لیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اشوک نے قربانیوں کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اخلاقی نگرانی کے لیے دھرم مہامات مقرر کر دیے تھے یا انصاف اور سزاؤں کے معاملہ میں مساوی برتاؤ کا طریقہ رائج کر دیا تھا۔ اس سے وہ محض اس لیے بیزار تھے کہ ان کی انفرادیت اور تشخص پر کاری ضرب لگی تھی اور اب تک جو مراعات انھیں حاصل تھیں اُن سے وہ محروم ہو گئے تھے۔ اشوک کے یہ تمام ضابطے ہو سکتا ہے، برہمنوں کی ناراضگی کا باعث ہوئے ہوں اور یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ موریہ خاندان کے آخری تاجدار کو ایک برہمن سپہ سالار نے دھوکے سے

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا ایڈیشن، صہ ۲۰۳۔ [2] ضمیمہ ڈ کی رو سے [3] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۱۰ء صہ ۲۵۹، حاشیہ۔

قتل کر دیا۔ لیکن موریہ سلطنت کے زوال کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔ اشوک کے جانشین سب کمزور و ناتواں تھے۔ صوبوں میں نفاق و بغاوت کے رجحانات پہلے ہی سے موجود تھے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جالوک کشمیر میں (راج ترنگنی) اور ویرسین گاندھار میں (تارا ناتھ) اشوک کے مرنے کے فوراً بعد خود مختار ہو گئے تھے۔ جو افسر دور دراز کے علاقوں میں تعینات کیے گئے تھے انھوں نے بھی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اب اشوک موجود نہیں تھا جو ان کے ظلم و ستم کو سختی سے دبا سکتا۔ چنانچہ لوگوں میں بے اطمینانی بڑھتی رہی۔ حکومت کی قوتِ حیات بالکل سلب ہو چکی تھی۔ اس لیے جب طوفان اُمڈا تو بڑی تیزی سے تمام ملک پر چھا گیا[1]

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر رائے چودھری، پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صہ ۲۹۳، صہ ۳۰۵

ضمیمہ (الف)

ترجمہ چٹانی فرمان نمبر بارہ ۔ فرمانِ رواداری

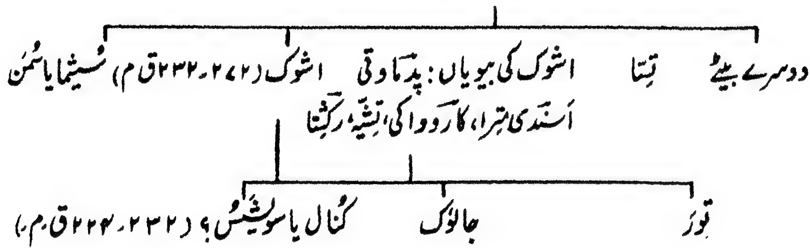
تقدس مآب، مشفق و مہربان، جہاں پناہ سب فرقوں کا یکساں احترام کرتے ہیں، سنیاسیوں کا بھی اور گرہستیوں کا بھی۔ مختلف تحائف سے نواز کر وہ ان کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ لیکن تقدس مآب جہاں پناہ کے نزدیک ان تحائف کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اس بات کی ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے بنیادی اصولوں کی اشاعت و ترقی ہو۔ بہر حال، اس حقیقی معاملہ کی اشاعت کی قسمیں ہیں۔ لیکن اس کی بنیاد "ضبطِ تقریر" ہے، یعنی یہ کہ صرف اپنے ہی مذہب کا احترام نہ کیا جائے اور دوسروں کے مذہب سے خواہ مخواہ نفرت نہ کی جائے۔ بہت خاص حالات میں دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیے۔ اس کے برخلاف، کسی نہ کسی عنوان سے دوسروں کے مذہب کا احترام کرنا چاہیے۔ ایسا کر کے انسان اپنے مذہب کی ترقی میں مدد دیتا ہے اور دوسروں کے مذہب کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس کے برعکس عمل کر کے انسان اپنے مذہب کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور دوسروں کے مذہب کو بھی۔ کیونکہ جو شخص جوشِ عقیدت میں صرف اپنے مذہب کا احترام کرتا ہے اور دوسروں کے مذہب سے نفرت کرتا ہے، یعنی اس خیال سے کہ "میں کسی طرح اپنے مذہب کی عظمت کو دوبالا کروں" تو جو شخص اس طرح عمل کرتا ہے وہ فائدہ کے بجائے اپنے ہی مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے صرف "اتفاق و اتحاد ہی مستحسن ہے" اس طرح کہ تمام لوگ دوسروں کے عقائد کو سنیں اور سننے کے لیے تیار رہیں۔ واقعتاً تقدس مآب جہاں پناہ کی بہترین خواہش ہے کہ "تمام مذہبوں کے لوگ علم حاصل کریں اور اچھے عقائد کو

اپنائیں" اور جو لوگ اپنے عقیدہ سے مطمئن ہیں ان سے کہہ دینا چاہیے کہ تقدس مآب تحفوں اور ظاہری شان و شوکت کے مقابلہ میں اس کے خواہش مند ہیں کہ تمام مذہبی فرقوں کے بنیادی اصولوں کی اشاعت و ترقی ہو...... [1] "

ضمیمہ (ب)

خاندانِ موریہ کے شجرے

چندر گپت موریہ (تقریباً ۳۲۱-۲۹۷ ق.م)



سَمپرتی (اندرپالِت؟) (۲۱۶-۲۰۷ ق.م) دش رتھ (بندھو، پالتِ؟)

رشما آشوک یا برہسپتی؟)۔ (بعض پرانوں نے شالی شوک کی مدت حکومت ۱۳ سال قرار دی ہے لیکن دوسرے میں اس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے، شاید اُس کا دورِ حکومت بہت مختصر ہو اور اس لیے ہم بڑی آسانی سے قیاس کرسکتے ہیں کہ وہ ایک یا دو سال باقی رہا، یعنی، ۲۰۶-۲ ق.م) دیو ورمن یا سوم شرمن تقریباً (۱۹۹-۱۶۰ ق.م)۔

ستت دھنس یا ست دھن وَن (تقریباً ۱۹۹-۱۹۱ ق.م) برہ ورتھ (تقریباً ۱۹۱-۱۸۴ ق.م)

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر آر۔کے۔مکرجی، اشوک، صفحہ ۱۵، صفحہ ۱۶، صفحہ ۲۳۲

دسواں باب

برہمن حکمراں (۱)

فصل (۱)

شُنگ خاندان

موریہ خاندان کی تباہی

پرانوں کی سند کے مطابق موریہ خاندان تقریباً ۱۸۴ ق ۔ م ۔ میں پُشیامتر شُنگ کے ہاتھوں تباہ ہوگیا اور اس نے فوراً ناجائز طور پر تخت پر قبضہ کرلیا۔[1] برہَدرتھ کے قتل کے واقعات پر ہرش چرتَ میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برہ درتھ جب فوج کا معائنہ کررہا تھا تو اس کے سپہ سالار نے اسے مار ڈالا۔[2] برہُدرتھ غالباً ایک کمزور حکمراں تھا (پرگیہ دُربَلَن) اور پشیامتر کو تمام فوج کی مکمل تائید حاصل تھی، ورنہ وہ خاص پریڈ کے میدان میں اپنے آقا کو اس طرح قتل نہیں کرسکتا تھا۔

---

[1] دیکھیے पुष्यमित्रस्तु सेनानी : समुद्धृत्य बृहद्रथम

[2] دیکھیے पज्ञादुर्बलं च बलदर्शनव्यपदेशदर्शिताशेषसैन्य: सेनानीरनार्यो मौर्यन बृहद्रथ निपेष पुष्यमित्र : स्वामिनम

(اس کے ساتھ دیکھیے ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس ص۱۹۳، ہرش چرت، چھٹا ص۱۹۹، بمبئی اڈیشن ۱۹۲۵ء)

شنگ کون تھے؟

معلوم ہوتا ہے شنگ خاندان نسلاً برہمن تھا۔ مشہور قواعد داں پانینی، ان کا تعلق بھاردواج خاندان سے قائم کرتا ہے اور اشولائین شردت سوتر میں شنگوں کو معلم بتایا گیا ہے[1] اس کے علاوہ تاراناتھ نے پشیامتر کو جو کسی بادشاہ کے محل کا پجاری (پروہت) تھا، اسے برہمن کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور ایک مقام پر اس نے بڑی وضاحت کے ساتھ اسے باقاعدہ "برہمن راجہ" بھی کہا ہے[2] غور و فکر میں رہنے والے سیدھے سادے برہمنوں کے لئے جو شاستروں کو شستروں سے بدل دیتے تھے، یہ کوئی غیر متوقع اور بے جوڑ بات نہیں تھی، کیوں کہ ضرورت کے وقت انہیں ہتھیار بلند کرنے کی اجازت دی گئی ہے (دیکھیے، منو آٹھواں ۳۴۸[3]) درون اور اشوتھاما کی رزمیہ مثالوں کے علاوہ ہمارے پاس یونانی مصنفین کی شہادت موجود ہے کہ جب سکندر وادیٔ سندھ کے جنوب میں تھا تو برہمن اس کا مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری صدی ق۔ م کے ربیع اول میں ہندوستان اسی قسم کے بیرونی حملوں کے خطرہ سے دوچار تھا اور پشیامتر اسی کو دفع کرنے اٹھ کھڑا ہوا[4]

---

[1] بارہ، ۱۳، ۵ دیکھیے भरद्वाजा : शुङ्ग : कता : शैशिरय :

دیکھیے پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۳۰۷۔ ص ۳۰۸ دِویا دان، بہرحال، غلطی سے پشیامتر کو موریہ پشیہ دھرم کا لڑکا ظاہر کرتی ہے (دانتیس [29]، ص ۴۳۳) اس کے برخلاف، بعض قدیم کتب شنگوں کا تعلق کشیپ گوتر کے بیمبکوں سے قائم کرتے ہیں (پولیٹیکل ہسٹری آف انیشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن ص ۳۰۷ اور حاشیہ) [2] ترجمہ، شیفنر، باب، سولہ [16] [3] ملاحظہ ہوں گزشتہ صفحات، نیز دیکھیے

सेनापत्यं च राज्यं च दण्डनेतृत्वमेव च ।
सर्वलोकाधिपत्यं च वेदशास्त्रविदर्हति ॥

[4] राजसभा کے بارے میں پانینی کے قاعدے کو سمجھانے کے لیے مثال دیتے ہوئے پتنجلی पुष्यमित्र सभा कاذکر کرتا ہے۔ یہ ایک بہترین مثال ہے کیا اس سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ پتنجلی ایک برہمن راجہ کی حکومت میں رہ رہا ہے۔

واقعات: ودربھ سے جنگ

ودربھ سے جنگ پُشیا متر کے دورِ حکومت کا پہلا واقعہ تھا۔ مالَوِکاگنی مِتر کے مطابق، ودربھ کی ریاست نئی نئی قائم ہوئی تھی اور اس کا حکمراں یاگیہ سین جو سابقہ موریہ خاندان کے وزیر کا رشتہ دار تھا، شنگ خاندان کا جانی دشمن تھا۔ برہدرتھ کے قتل کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی غالباً اس میں یاگیہ سین بھی خودمختار ہوگیا اور جب پُشیا متر نے دیکھ لیا کہ اس کا تخت و تاج محفوظ و مضبوط ہے، تب اس نے یاگیہ سین سے اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد اُن میں مقابلہ ہوا جس کی تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پُشیا متر کے لڑکے اگنی مِتر نے جو ودِشا کا نائب السلطنت تھا اس جنگ کو گرم جوشی اور چابک دستی کے ساتھ جاری رکھا۔ نتیجہ میں اس نے یاگیہ سین کے چچازاد بھائی مادھو سین کو اپنی طرف توڑ لیا اور آخر کار جب جنگ ختم ہوئی تو ودربھ کو دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔

یونوں کے حملے

پُشیا متر کے دورِ حکومت میں ہندوستان مستقل یُونَ حملوں کی زد میں رہا۔ عظیم قواعد داں پتنجلی پُشیا متر کا ہم عصر تھا، اُس نے مدھیامِکا (چتوڑ کے قریب ناگری)، اور ساکیت (ایودھیا) کے خلاف یُونوں کی فوجی مہموں کا حوالہ دیا ہے۔ ماضی استمراری کا استعمال سمجھانے کے لیے اس نے حسب ذیل مثالیں دے کر ایسے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اُس کے دیکھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن اتنے قریب ماضی میں پیش آئے تھے کہ ہوسکتا ہے اس کے چشم دید ہوں ! "اَرُندْ یَونَہ ساکیتمْ" (یونانی ساکیت کا محاصرہ کررہا تھا)؛ اَرُند یون مدھیامکمْ (یونانی مدھیامکا کا محاصرہ کررہا تھا)۔[1] گارگی سنہتا بھی تصدیق کرتی ہے کہ بہادر

---

[1] مہابھارتیہ، ۳، ۲، ۱۱۱۔

یونانیوں نے خباثت سے، متھرا، پنچال دیس (گنگا کا دوآبہ) اور ساکیت کو فتح کرلیا، یہاں تک کہ وہ کسُم دھوج (پاٹلی پتر) تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مالَوکا گنی متر میں یونوں کی یا غالباً اُن کے مقدمتہ الجیش کی شکست کا حوالہ آتا ہے، جو دریائے سندھو کے کنارے واسومتر کے مقابلہ میں انھیں کھانی پڑی تھی۔ ہم ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یونوں کا وہ کون سپہ سالار تھا جس نے ہندوستان پر اس وقت حملہ کیا۔ بعض عالموں نے اسے ڈمِٹرئیس کے اور بعض نے مننڈر کے مماثل بتایا ہے۔ اسٹرابو کے نزدیک دونوں عظیم فاتح تھے اور انھوں نے یونانی جھنڈا دور و دراز ملکوں میں لہرایا۔

آشومیدھ یگیہ

پُشیامتر کے دورِ حکومت کا ایک اور اہم واقعہ آشومیدھ یگیہ کا انجام دینا تھا۔ مالَوکا گنی متر میں اور پتنجلی کے یہاں، دونوں جگہ اس کا حوالہ آتا ہے۔ درحقیقت خود پتنجلی نے اس قربانی میں پروہت کے فرائض انجام دیے تھے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے "اِہ پُشیامتر یاج، یامہ" (یہاں ہم پُشیامتر کی طرف سے قربانی انجام دے رہے ہیں)۔ پتنجلی نے یہ مثال زمانۂ حال میں ایک ناتمام فعل کا استعمال سمجھانے کے لیے دی ہے۔ ایودھیا کا کتبہ[2] مزید بتاتا ہے کہ پُشیامتر نے گھوڑے کی قربانیاں ایک نہیں بلکہ دو انجام دیں۔ جیسوال کی رائے میں

---

[1] ونسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ یہ دریا آب بند بلکھنڈ اور راجپوتانہ کی ریاستوں کی حد فاصل ہے۔ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۱۲) دریائے سندھ سے اس کی مماثلت بھی بہر حال اتنی ہی قرین قیاس ہے۔ (انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی ۱۹۲۵ء ص۲۱۴، حاشیہ، نیز دیکھیے جرنل آف یو پی ہسٹاریکل سوسائٹی، جولائی ۱۹۴۱ء ص۹۔ ۲۰)

[2] ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، (اپریل ۱۹۲۹ء ص۵۴۔ ۵۸۔ دیکھیے۔

"कोसलाधिपेन द्विरश्वमेध याजिन: सेनपते: पुष्यमित्रस्य...।"

پُشیا متر نے دوسرا آشومیدھ اس لیے انجام دیا کہ اُسے کلنگ کے راجہ کھارویل کے مقابلہ میں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ بہرحال مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہوگا کہ ان دونوں راجاؤں کا ہم عصر ہونا حد درجہ مشتبہ ہے۔

ریاست کی وسعت

اگر ہم تبتی مورخ تارا ناتھ اور دِوُیا ودان کی شہادت کو تسلیم کریں تو ماننا پڑے گا کہ پُشیا متر کی ریاست کی حدود پنجاب میں جالندھر اور ساکل (سیالکوٹ) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تارا ناتھ یہ اشارہ بھی کرتا ہے کہ راج محل پاٹلی پتر ہی میں رہا۔ پُشیا متر کا ایودھیا پر قبضہ ایودھیا ہی میں پائے گئے ایک کتبے سے ثابت ہے۔[1] نیز مالوکاگنی متر کے مطابق پشیامتر کی عمل داری ودشا اور جنوب میں نرمدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ پُشیا متر نے اپنے وسیع وعریض مقبوضات کی تقسیم فی الواقع جاگیرداری طریقہ پر کی تھی کیوں کہ وایو پُران کے ایک نسخہ میں حسب ذیل عبارت آئی ہے۔

"पुष्यमित्र सुताश्चाष्टौ भविष्यन्ति समा नृपा:"

یعنی پشیا متر کے آٹھوں بیٹے ایک ساتھ حکومت کریں گے[2]

پُشیا متر کے مظالم

ودیاودان کی شہادت کے مطابق پُشیا متر نے بدھ مت پر مظالم کئے ساکل کا وہ مشہور اعلان اُسی سے منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ پشیا متر نے ہر بدھ بھکشو کے سر پر سَو طلائی دینار کا انعام مقرر کردیا تھا[3]

---

[1] ایودھیا معلوم ہوتا ہے کو شلا دِھپ دھَن (دیُویا بھوُئی) کے ماتحت ایک گورنر کا صوبہ تھا جس کے سکّے بھی دستیاب ہوئے ہیں کتبہ میں اُسے पुष्यमित्रस्य षष्टेन کہا گیا ہے، یعنی پشیامتر کا چھٹا بیٹا، بعض عالم اس سے پشیا متر کا چھٹا بھائی یا چھٹا جانشین مراد لیتے ہیں۔

[2] نیز دیکھیے पुष्यमित्रस्तु सेनानीरुत्पाट्य बृहद्रथ

[3] دِوُیا ودان اڈیشن کاول اور نیل صہ۴۳۳۔ صہ۴۳۴ دیکھیے

यो मे श्रमणशिरो दास्यति तस्याहं दीनारशतं दास्यामि

تارانا تھ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ پشیامتر بد اعتقاد لوگوں کا دوست تھا۔ اس نے خود بہت سی خانقاہیں جلوا ڈالیں اور بھکشوؤں کو قتل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ پشیامتر برہمن مت کا بڑا گرم جوش حامی تھا مگر شنگ خاندان کے دور حکومت میں[1] بھرہوت (ریاست ناگوڑ) میں جو استوپ اور جنگلے تعمیر ہوئے وہ اس کی متعصبانہ بے اعتدالیوں کے بارے میں مشکل ہی سے ان ادبی شواہد کی تائید کریں گے۔ لیکن اگر مندرجہ بالا فقرہ میں پشیامتر کا عہد مراد نہیں ہے تو ہمیں یقیناً اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔

پشیامتر کے جانشین

۳۶ سال حکومت کرنے کے بعد پشیامتر ۱۴۸ ق.م میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اگنی متر جس نے ودشا کے گورنر کی حیثیت سے حکومت کا کافی تجربہ حاصل کر لیا تھا تخت نشین ہوا۔ اس کا مختصر دور حکومت صرف آٹھ سال رہا اور اس کے بعد غالباً اس کا بھائی ''سُجیشٹھ'' یا سکوں کا جیٹھ متر (جیشٹھ متر) راج گدی پر بیٹھا۔ اس کے بعد اگنی متر کا بیٹا واسومتر راجہ ہوا۔ ابتدائی زمانے میں اس نے یونوں کو شکست دی، جنھوں نے قربانی کے اس گھوڑے کی جسے اس کے دادا نے کھلا ہوا چھوڑ دیا تھا، نقل و حرکت پر پابندی لگانے کی کوشش کی تھی۔ شنگ خاندان دس حکمرانوں پر مشتمل تھا، لیکن تاریخ نے باقی حکمرانوں کا حال قلم بند کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان میں سے ایک اودرک نامی جو پانچواں تھا، یا بقول بعض آخری سے پہلا جس کا نام بھاگ وت تھا، ستونی کتبہ میں بیس نگروالے راجہ کاشی پتر بھاگ بھدر کے مماثل تھا۔ اسی کے دربار میں ٹکسلا کے راجہ انتی الکدس (انت لکیت) نے اپنا سفیر ہیلی اوڈورس (ہیلی اوڈورا) وار دیئن (دیا)، بھیجا تھا، جو اپنے کو

---

[1] کننگھم، استوپ آف بھرہوت، پلیٹ بارہ، ص ۱۲۸ دیکھیے "سگ نن اجے .....؟" حالانکہ کوئی نام نہیں لیا گیا ہے، لیکن اغلب یہ ہے کہ اس سے مراد پشیامتر سے ہے۔

بھاگ وت کہتا تھا۔[1]

شنگوں کا مذہب، فن اور ادب

بیس نگر کے ستونی کتبے سے جو معلومات بہم پہنچی ہے وہ بہت اہم ہے کیونکہ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ شنگوں نے یونانیوں کو نہ صرف پیچھے دھکیل دیا بلکہ انہیں شنگ خاندان کے حکمرانوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ آگے چل کر ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مت میں اس وقت تک اتنی تنگ نظری اور فرقہ پرستی نہیں پیدا ہوئی تھی جتنی آج ہو گئی ہے اور غیر ملکی لوگ بھی اُن کے وسیع دامن میں جگہ پا سکتے تھے۔ بھاگ وت مسلک اس وقت زیادہ مقبول ہو رہا تھا اور نئے نئے عقیدت مندوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

اس عہد میں فن کی بھی کافی ترقی ہوئی، جیسا کہ بھرہُوت کے استوپ میں جنگلہ سے ثابت ہے۔ اس استوپ کی تعمیر شنگ خاندان کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ رائے بھی ظاہر کی گئی ہے کہ سانچی کا ایک پھاٹک وِدِشا کے ہاتھی دانت کے کاریگروں نے تعمیر کیا تھا۔ (فوشر)

شنگ خاندان کے عہدِ حکومت میں لازمی طور پر ادب کی بھی ترقی ہوئی۔ پتنجلی نے جو گونرد کا رہنے والا تھا پانینی کی قواعد کی عظیم شرح مہابھاسیہ لکھی۔ غالباً اور بھی ادبی ہستیاں اس عہد میں موجود تھیں جن کے نام ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(فصل ۲)

کنو خاندان

عروج کی تاریخ اور واقعات

پُرانوں سے ظاہر ہے کہ شنگ خاندان کی حکومت ۱۱۲ سال رہی، اس لیے ہم

---

[1] جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۵۳، ۱۰۵۹

بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کانَ واینَ یا کنو خاندان نے ۷۲ ق.م میں حکومت پر قبضہ کیا۔ یہ بھی برہمن خاندان تھا، مندرجہ بالا کتب نیز ہرش چرت تصدیق کرتی ہے کہ پہلا کنو راجہ واسُودیو، دیوبھوتی کے قتل کی سازش میں کامیاب ہونے کے بعد گدی پر بیٹھا۔[1] دیوبھوتی ایک "انتہائی شہوت پرست" راجہ تھا۔

چھوٹا سا خاندان

اس خاندان میں صرف چار بادشاہ ہوئے اور اُن سب کے دورِ حکومت کی مدت کل ملا کر ۴۵ سال ہے[2] انھوں نے کسی میدان میں بھی کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں کیا۔

---

[1] دیکھیے۔ شدت جذبات کے عین عالم میں حد سے زیادہ شہوت پرست شنگ راجہ کا اس کے وزیر واسودیو کے اشارہ پر دیوبھوتی ایک کنیز کی لڑکی نے جو رانی کا بھیس بدلے ہوئے تھی کام تمام کردیا۔ ہرش چرت، ترجمہ کاول اور ٹامس ص۱۹۳، دیکھیے ہرش چرت (چھٹا) ص۱۹۹، بمبئی، ۱۹۲۵ء)

अतिस्त्रीसङ्गरतमनङ्गपरवशं शुङ्गममात्यो वसुदेवो देवभूतिं दासी दुहित्रा देवीव्यञ्जनया वीत जीवितमकारयत् । نیز دیکھیے پارگرٹا کلی عہد کے خاندان ص۳۵

دیکھیے: وشنو پران، چوتھا، باب ۲۴، ۳۹، ص۳۵۲، گیتا پریس اڈیشن:۔

देवभूतिं तु शुङ्गराजानं व्यसनिनं तस्यैवामात्यः कण्वो वसुदेवनामा तं निहत्य स्वयमवनीं भोक्ष्यति ।

[2] دیکھیے۔ وایو پُران "चत्वारः शुङ्गभृत्यास्ते नृपाः काण्वायना द्विजाः"

ضمیمہ (الف)
شجرے
شنگ خاندان

نمبر شمار	راجہ کا نام	مدت حکومت
۱۔	پُشیا متر	۳۶ سال
۲۔	اگنی متر	۸ سال
۳۔	واسو جیشٹھ	۷ سال
۴۔	واسو متر	۱۰ سال
۵۔	آدرک یا اُودرک	۲ سال
۶۔	پُلندک	۳ سال
۷۔	گھوشں	۳ سال
۸۔	وجر متر	۹ سال
۹۔	بھاگ وت	۳۲ سال
۱۰۔	دیو بھوتی یا دیو بھُومی	۱۰ سال
		میزان ۱۲۰ سال

نوٹ: پُران کہتے ہیں: "یہ دس شُنگ راجہ روئے زمین پر پورے ۱۱۲ سال زندگی کا لطف اٹھائیں گے" بہرحال، عجیب بات ہے کہ اُن سب کے دورِ حکومت کی مدت ملا کر ۱۲۰ سال ہوتی ہے۔

ضمیمہ (ب)
کنُو یا کانائین خاندان

۱۔	واسو دیو	سال
۲۔	بھومی متر	۱۴ سال
۳۔	نارائین	۱۲ سال
۴۔	سشرمن	۱۰ سال
		میزان ۴۵

فصل (۳)

سات واہن خاندان

عروج کی تاریخ

سات واہن خاندان کے عروج کی تاریخ عالموں کے درمیان اکثر بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ بعض عالموں نے متسیہ پران کی اس شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ آندھروں نے ساڑے چار سو سال حکومت کی، سات وانیوں کے عروج کی شروعات کے لئے تیسری صدی ق.م. کا ریخ آخر تجویز کیا ہے۔ یہ تاریخ، بہر حال، زیادہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ دایو پران کی ایک دوسری روایت ہمیں بتاتی ہے کہ اُن کی حکومت صرف ۳۰۰ سال باقی رہی۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر بھنڈارکر اس کے قائل ہیں کہ سات واہن خاندان ۷۳-۲۷ ق.م میں وجود میں آیا۔ اُن کے نزدیک پرانوں کا یہ بیان کہ پہلا سات واہن سِمک یا سِشُنک ''دُسشرمن کَنَّ واینَ کی جڑیں اکھاڑنے اور شُنگ، طاقت کو نیست و نابود کرنے کے بعد تمام روئے زمین پر قبضہ کرلے گا'' [۱] ثابت کرتا ہے کہ ''شُنگ بھرتیہ'' کنوَ اور ان کے آقا، پیشواؤں کی طرح، ایک ہی وقت میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن اگر ہم اس نظریے کو تسلیم کرلیں تو پھر پرانوں کی دوسری روایت، جس میں کہا گیا ہے کہ داسودیو کنوَ نے آخری شُنگ راجہ دیو بھوتی کو قتل کردیا، اس نظریے کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہو سکے گی۔ مندرجہ بالا عبارت، جیسا کہ ڈاکٹر رائے چودھری نے لکھا ہے، محض یہ ظاہر کرتی ہے کہ سِمُک نے شُنگ نسل کے اُن سرداروں کو بھی ختم کردیا جو کنوَ خاندان کے لائے ہوئے انقلاب کی زد سے بچ گئے تھے [۲] اس لیے کنوَ خاندان کا زوال سات واہنوں کے

---

[۱] دیکھیے دایو پران

कारावापनस्ततो भृत्य: सशर्माणं प्रसह्य तम। शुङ्गानां

चैव यच्छेष क्षपयित्वा बलंतदा सिन्धुको अन्ध्रजातीय: प्राप्स्यतीमां वसुन्धराम्।

[۲] پولیٹیکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، صہ ۳۳۳ جس کا بہت سے مشوروں کے لیے میں مرہون منت ہوں

ہاتھوں ۲۹ ق م میں ہوا۔ (یعنی ۲، ق۔م۔ ۵۴ سال)۔ اس استنباط سے واقعاً یہ امکان باطل نہیں ہوجاتا کہ سمک، جسنے کہتے ہیں ۲۳ سال حکومت کی، اس تاریخ سے بہت پہلے، یعنی دوسری صدی ق۔م کے تقریباً وسط میں تخت نشین ہوا۔

کون سا نام درست ہے۔ آندھر یا سات واہن

پرانوں میں سات واہنوں کو آندھر بھی کہا گیا ہے۔ آخر الذکر ہندوستان کے قدیم باشندے تھے اور گوداوری اور کرشنا کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔ ایتریہ براہمن میں اُن کا ذکر ہے مگر اس حیثیت سے کہ وہ گویا آریوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ میگستھنیز نے بھی اُن کی طاقت اور دولت کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں [1] اشوک کے فرمانوں میں انھیں اس کی رعایا میں شمار کیا گیا ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد اُن پر کیا گزری، لیکن قیاس ہے کہ وہ خود مختار ہو گئے تھے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ سات واہنوں اور آندھروں میں کیا رشتہ تھا۔ تمام لوحی دستاویزات [2] میں اول الذکر نے اپنے کو ہر جگہ سات واہن یا سات کرنی کہا ہے اور آندھر کا نام اپنی عدم موجودگی کے باعث نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے قدیم ترین کتبے نانا گھاٹ (ضلع پونا) اور سانچی (وسط ہند) میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اس سے یہ شبہ قوی ہوجاتا ہے کہ آندھر اور سات واہن ایک ہی نسل کے لوگ نہیں تھے۔ حقیقتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سات واہنوں نے ابتدا دکن [3] سے کی اور کچھ عرصے بعد پورے آندھر دیش کو

---

[1] بقول پلائنی، جس نے روایت میگستھنیز کی انڈکا سے نقل کی ہے، کلنگ کے راجہ کے پاس ایک فوج تھی جس میں ۶۰،۰۰۰ پیدل، ۱۰۰۰ اسوار، اور ۷۰۰ ہاتھی تھے۔ [2] سا بی دربن نام کہیں کہیں ادب میں ضرور دکھائی دیتا ہے۔ [3] سات واہنوں کا وطن مالوف غیر یقینی ہے۔ ڈاکٹر وی۔ ایس۔ سکتھنکر نے بیلاری ضلع تجویز کیا ہے (اینلس آف دی بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۱۸۔۱۹۱۹ء، ۲۱) اس کے برخلاف ڈاکٹر ایچ سی۔ رائے چودھری مدھیہ دیش کے جنوبی علاقہ کے حق میں ہیں (پولیٹکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، اگلے صفحہ پر دیکھیے)

فتح کر لیا۔ لیکن جب شک اور آبھیر حملوں کے نتیجہ میں مغربی اور شمالی علاقے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے تو اُن کی حکومت گوداوری اور کرشنا کے درمیانی علاقے میں محدود رہ گئی اور اس کے بعد اُن کا نام آندھر پڑ گیا۔

سات واہنوں کی اصل

سات واہنوں کی اصل تاریکی میں ہے۔ بعض عالم اشوک کے فرمانوں والے "ستیہ پتوں" اور پلائینی کے "سیتی" سے اُن کا جوڑ ملاتے ہیں۔ دیگر علما نے ان کے نام کے بڑے بڑے عجیب عجیب مشتقات وضع کیے ہیں[1] سات کرنی اور سات واہن اصطلاحوں کا مفہوم کچھ بھی ہو، اس خاندان کے اپنے کتبے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نسلاً برہمن تھے۔ کیونکہ ناسک کے کتبہ میں گوتمی پتر کو "یکتا برہمن (ایک برہمن)، شجاعت میں رام (پرشورام) کا ہمسر" ظاہر کیا گیا ہے[2] اس کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اُسے چھتریوں کے غرور و نخوت کو ڈھانے والا کہا گیا ہے[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ کتبہ کا مصنف، گوتمی پتر کو ایک عظیم برہمن اور حقیقی پرشورام سمجھتا تھا۔[4]

خاندان کے حکمراں

خاندان کے مورث سمک کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ اس نے کنو خاندان کو نیست و نابود کر دیا اور شنگ حکومت کے باقی ماندہ نشانات بھی مٹا دیئے۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی کنھ کرشن گدی پر بیٹھا۔ ناسک کے

(بقیہ حاشیہ) چوتھا اڈیشن، ص۳۴۲) اسی طرح ایم۔ ایم۔ ڈی۔ وی مراشی کا خیال ہے کہ براریا دریائے گنگا کے جانبین کا علاقہ ان کا وطن تھا (جرنل آف دی نیومس میٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد دو، ص۹۴)

[1] ملاحظہ ہو کتھا سرت ساگر، چھٹا، ۸۷، حاشیہ سیز جن پر بھاسوژی کی تیرتھ کلپ [2] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، ص۶۰، ص۶۱، ۱-۷، [3] ایضاً، ۲-۵ دیکھیں "کھتیہ دپ مان مدنس" [4] نیز ملاحظہ ہو کے پی، جیسوال، جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد سولہ، حصہ تین و چار، ص۲۶۵، ص۲۶۶

ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے عہد حکومت میں ناسک ہی کے ایک باشندے نے وہاں ایک غار بنوایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرشن کی حکومت کو نابنک کے علاقہ تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ تیسرا راجہ شات کرنی، سِمُک کا لڑکا، معلوم ہوتا ہے، قابلِ ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ ناسک کے کتبے کے مطابق [1] اس نے بڑی فتوحات کیں اور دوبارہ آشومیدھ یگیہ کیا۔ اگر یہ وہی شات کرنی ہے جس کا ذکر سانچی استوپ کے پھاٹک والے کتبہ میں کیا گیا ہے تو ہمیں مستند لوحی ثبوت اس بات کا مل جاتا ہے کہ وسط ہندوستان پہلے سات واہنوں کے قبضہ میں تھا۔ دوسرے یہ کہ نانا گھاٹ اور ہاتھی گُمپھا کے کتبوں [2] کے رسم خط میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ مماثلت ظاہر کرتی ہے کہ کلنگ کے راجہ کھارویلؔ نے اپنے عہد حکومت کے دوسرے سال میں جس شات کرنی کا مقابلہ کیا وہ غالباً یہی تھا۔ شات کرنی کی بیوی کا نام نائنیکا یا ناگ نِکا تھا جو انگیہ خاندان کے مہارٹھی ترنکئی رو کی لڑکی تھی جس نے شکتی شری اور ویدشری دونوں راجکماروں کے بچپن میں ولی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد تاریکی کا دور آتا ہے جس کا پردہ گوتمی پتر شات کرنی نے چاک کیا۔ اس میں شک نہیں کہ پُرانوں میں ناموں کا ایک سلسلہ مندرج ہے، لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے جو سکّے اور کتبے دریافت ہوئے ہیں اُن سے ناموں کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اِن حکمرانوں میں سے ہاَل نامی راجہ سے پراکرت کی ایک بیاض مسمّٰی (سپت شتک) کی تصنیف منسوب ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں سات واہنوں کی قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا اور شک کشتریوں نے مہاراشٹر اُن سے چھین لیا۔

گوتمی پتر شات کرنی،

فاتحین، بہرحال، زیادہ دنوں اپنی فتوحات کا لطف نہ اٹھا سکے کیونکہ

---

[1] رپورٹ آف دی آرکیالوجیکل سروے آف ویسٹ انڈیا، پانچواں، ص۱۰۸، حاشیہ [2] ملاحظہ ہو آر۔ ڈی۔
نبرجی، میمو۔ اُرس آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، گیارہ، نمبر ۳ ص۱۳۱، حاشیہ)

گوتمی پتر شات کرنی نے جس کی مہموں کی تفصیلات راج ماتا گوتمی بل شری[1] والے ناسک کے کتبہ میں مندرج ہیں، بہت جلد دکن کو از سر نو حاصل کر لیا۔ اس نے کشتریوں کے غرور و نخوت کو کچل دیا اور ذات پات کی بندشوں کا احیا کیا۔ اس نے شکوں، یونوں اور پہلوؤں کو بھی شکست دی اور کشہ راتوں کو تباہ و برباد کر دیا اور سات واہن نسل کی عظمت کو دو بالا کیا۔[2] مندرجہ بالا دعووں کی تصدیق اُن ملکوں کے ناموں سے ہوتی ہے جو اس کے زیر نگیں تھے[3] یہ سب نام تقریباً موجودہ گجرات، سوراشٹر، مالوہ، برار، شمالی کوکن اور پونا اور ناسک کے اطراف و جوانب کے علاقہ سے مطابقت کرتے تھے۔ اُس نے کشہ راتوں سے اُن کے مقبوضات چھین لیے یہ بات جگل تھمبی (ناسک) کے بے شمار سکوں سے ظاہر ہے جس میں نہپان کے چاندی کے سکّے، نیز گوتمی پتر شات کرنی کے پھر سے جاری کیے ہوئے دوسرے سکّے شامل ہیں۔ گوتمی پتر نے اپنے عہد حکومت کے اٹھارویں سال میں ناسک کے قریب پانڈولینا میں ایک غار بنوا کر دان کیا اور چوبیسویں سال میں ایک کتبہ کے ذریعہ حکم نافذ کیا جس میں بعض سنیاسیوں کو ایک کھیت کا عطیہ منظور کیا گیا تھا[4] اس کتبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ۲۴ سال حکومت کی۔

واسشٹھی پتر شری پل ماوی

گوتمی پتر کے بعد اس کا لڑکا واسشٹھی پتر شری پل ماوی تقریباً ۱۳۰ء میں گدی پر بیٹھا۔ اس نے آندھر دیش کو سات واہن قلمرو میں شامل کر لیا،

---

[1] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، ۵۹، ص ۶۲

[2] دیکھیں
खखरातवंसनिरवसेसकरस सकयवनपल्हवनिसूदनस ......
सातवाहन "कुलयसपतिथापनकरस ......"

[3] ان کے نام یہ ہیں:۔ اسک، مُلک، سرہٹ، کُکر، اپرانت، انوپ، ودبھ (ودربھ) آکراونتی۔

[4] ایپی گرافیہ انڈیکا، آٹھواں، نمبر ۵، ص ۷۳۔ ص ۷۴۔

اُسے بجا طور پر سیروپولماؤ کے مماثل بتایا گیا ہے۔ اسی کو ٹالمی نے بیتھن یا بیتھان (پرتشٹھان) کا راجہ لکھا ہے جو ساتواہنوں کے آخری دور میں ان کی راجدھانی تھی۔ اس کے علاوہ ایک رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ پُل ماوی دکشنا پتھ کا حکمراں وہی شات کرنی ہے جسے جوناگڈھ کے چٹانی کتبہ کے مطابق، رودر دامن نے دوبارہ شکست دی[1] ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حریف کا رشتہ اُس سے زیادہ دور کا نہیں تھا۔ کنہیری (ضلع تھانہ) کے کتبہ میں مرقوم ہے کہ واشِشٹھی پتر شری شات کرنی نے مہاکشترپ رودر (رودر دامن) کی لڑکی سے شادی۔ اس طرح اگر ہم ریپسن کی اس رائے کو دُرست تسلیم کرلیں کہ پُل ماوی اور وشِشٹھی پتر مماثل ہیں، تو غالباً اس کے معنی ہوتے ہیں کہ پُل ماوی رودر دامن کا داماد تھا۔ اگرچہ رودر دامن نے سات واہن حکمراں کو معاف کر دیا، لیکن اس نے اس کے مقبوضات کا بڑا حصہ اپنی قلمرو میں شامل کرلیا، جیسا کہ جوناگڈھ کے کتبے مطابق ان ملکوں کی فہرست سے ظاہر ہے جو شک مہاکشترپ کے زیرنگیں تھے۔ شری پُل ماوی کا انتقال ۵۵ء میں ہوا۔

یگیہ شری شات کرنی

یگیہ شری شات کرنی یا شری یگیہ شات کرنی اس خاندان کا آخری عظیم الشان تاجدار تھا۔ اُس نے تقریباً ۱۶۵ء سے ۱۹۵ء تک حکومت کی۔ ضلع کرشنا میں چنا کے مقام پر ایک کتبہ دریافت ہوا ہے جس پر اس کے عہد کے ستائیسویں سال کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ یہ کتبہ نیز کنہیری اور پانڈولینا (ناسک) میں پائے گئے، دوسرے کتبے، اس کے علاوہ اس کے سکوں کی وضع قطع اور ساخت ثابت کرتی ہے کہ اس کی قلمرو مشرق میں خلیج بنگال سے لے کر مغرب میں بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے کافی علاقہ جسے شکوں نے فتح کرلیا تھا، پھر سے حاصل کرلیا، قیاس ہے کہ مغربی کشترپ کے اتباع میں جو سکّے اس نے

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، آٹھواں، صفحہ ۲۹، سطر ۹ دیکھیں۔ दाक्षणापथपतते : सातकर्णोर्द्विरपि
सम्बन्धा नीदूरतयनत्सादना प्राप्तयशसा — ।

حاصل کرلیا۔ قیاس ہے کہ مغربی کشترپ کے اتباع میں جو سکّے اس نے جاری کیے وہ اسی علاقہ میں استعمال کے لیے جاری کیے گئے تھے۔ مزید برآں، شری یگیہ شاتکرنی کی بحری طاقت اور بحری سرگرمیوں کا اندازہ اُس سکّہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کے ایک طرف دو مستول کا جہاز، مچھلی اور سنکھ بنا ہوا ہے اور یہ سجع کندہ ہے ''(را) ناسمَس سَرُدی) یگیہ ستکنس'' یعنی راناسامی شری یگیہ شاتکنس اور دوسری طرف اُجینی کا نشان کندہ ہے [1]

یگیہ شری کے جانشین سب بے حقیقت لوگ تھے۔ ان کے زمانے میں سات واہن طاقت زوال پذیر ہوگئی اور جب اُبھیروں نے مہاراشٹر پر قبضہ کرلیا اور مشرقی صوبے اکشنُ واکو اور پلّو خاندانوں کے تصرف میں آ گئے، تو سات واہن حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

سماج

سماج اس وقت کم از کم چار طبقوں میں منقسم تھا۔ سماج کا سب سے اونچا طبقہ مہا بھوجوں، مہارٹھیوں اور مہا سینا پتیوں پر مشتمل تھا، جو راشٹروں یا ضلعوں کی نگرانی کرتے تھے۔ دوسرے طبقہ میں اماتیہ، مہا ماترا اور بھانڈاگارک وغیرہ سرکاری افسر نیز نیگم (تاجر)، سارتھ واہ (تاجروں کے مُکھیا)، اور شریشٹھ ہن (تجارتی انجمن کا صدر) وغیرہ سرکاری افسر شامل تھے۔ تیسرے طبقہ میں ویدیہ (طبیب)، لیکھک (کاتب)، سُوَرن کار (سنار)، گان دھِک (عطر فروش)، ہال کییہ (کسان) وغیرہ اور چوتھے طبقہ میں مال دار کار (مالی)، وَردھکی (بڑھئی)، عطر فروش)، ہال کییہ (کسان) وغیرہ اور چوتھے طبقہ میں مالا کار (مالی) وَردھکی (بڑھئی)، واسک (مچھیرا)، لوھاوَنِج (لوہار) وغیرہ پیشے شامل تھے، بزرگ خاندان (کُل) کٹم ڈبِن یا گریہہ پتی کہلاتا تھا۔ وہ گھر بھر میں سب سے زیادہ با اختیار آدمی ہوتا تھا۔

---

[1] جرنل آف دی نیومس میٹک سوسائٹی آف انڈیا، جلد تین، حصہ اول، جون ۱۹۴۱ء ص۴۳، ص۴۵

مذہب

ساتواہنوں کے روادارانہ دورِ حکومت میں برہمن مت اور بدھ مت دونوں کا بول بالا ہوا۔ مخیر لوگوں نے بھکشوؤں کی رہائش (لینَ) کے لیے زمین کھود کر چیتیہ گریہہ (مندر) اور غار تعمیر کرائے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخراجات کے لیے انھوں نے معقول رقمیں بھی تجارتی انجمنوں کے پاس جمع کردیں۔ برہمن مت کا کافی زور تھا، راجہ مہاراجہ آشومیدھ، راج سوئیہ، آپ توریام اور دوسری قربانیاں انجام دیتے تھے اور برہمنوں کو معقول رقمیں دکشنا یا فیس کے طور پر ادا کرتے تھے۔ شیو اور کرشن کی پرستش مقبول تھی[1]۔ مختلف مذہبوں کے ماننے والے اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ بعض اوقات وہ دوسرے مذہب والوں کو بھی عطیات دیتے تھے۔ غیر ملکی لوگ دونوں میں سے کوئی مذہب بھی اختیار کرسکتے تھے۔ برہمن مت یا بدھ مت۔ اور اس کے بعد وہ ہندو سماج میں ضم ہو جاتے تھے۔ واقعتاً انھوں نے اپنے ناموں کو مکمل طور پر ہندوانی بنالیا تھا۔ چنانچہ کارلے کے ایک کتبہ میں دو یونوں کا نام، علی الترتیب، سُہدیہ (سِنہدھوج) اور دھرم آئے ہیں۔ اسی طرح شک اُشودرت کو کٹر برہمن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

اقتصادی حالات

تجارتی انجمنوں (شرینیوں) کا وجود اس عہد میں ایک عام بات تھی۔ اس قسم کی کافی تنظیموں کا حال ہمیں ملتا ہے، جیسے غلّہ کا کاروبار کرنے والے (دھن یک)، کمہار، جولاہے (کولک نکائے)، تیلی (تل پیشک)، ٹھٹیرے (کاساکر)، بانس کی چیزیں بنانے والے (ونس کر) وغیرہ۔ ہم پیشہ لوگوں کو متحد کرنے کے علاوہ یہ انجمنیں بینک کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں اور لوگ اُن کے پاس سود پر روپیہ

---

[1] ناناگھاٹ کے کتبہ میں دوسرے دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً دھرم، اندر اور چاروں دیوتا یم، ورن، کبیر اور واسو۔

جمع کر دیتے تھے۔ رائج الوقت سکہ کارشاپن تھا جو چاندی کا بھی ہوتا تھا اور تانبے کا بھی۔ اس کا علاوہ سونے کا سورن تھا جو چاندی کے ۳۵ کارشاپنوں کے برابر ہوتا تھا۔

تجارت پورے عروج پر تھی۔ مغربی ممالک سے جہاز تجارتی مال لاد کر لاتے اور بڑوچ، سوپارا، اور کلیان وغیرہ بندرگاہوں پر اتارتے تھے۔ دو اہم تجارتی منڈیاں، تگرا اور پیٹھن، ملک کے اندر تھیں۔ آمد و رفت کے وسائل عام طور پر اچھے تھے اور بیوپاری لوگ دکن کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک آزادی کے ساتھ آجا سکتے تھے۔

ادب

سات واہن راجہ پراکرت کے بڑے سرپرست تھے۔ ان کے تمام کتبوں میں یہی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اُن میں سے ہال نامی راجہ پراکرات کی ایک بیاض موسومہ ست سئی (سپت ششک)، کا مصنف تھا۔ کہتے ہیں کہ اُسی زمانے میں گنا دھیہ نے اپنی طبعزاد برھت کتھا پراکرت میں لکھی۔ مزید برآں، مسٹر ایلین کہتے ہیں کہ ایک آندھر راجہ "سنسکرت سے ناواقفیت کی وجہ سے شرم سار تھا اور پانینی کا مطالعہ اس کے لیے مشکل تھا"۔ اس لیے سرو وامن نے اس کی آسانی کے لیے اپنی کاتنتر تصنیف کی[1] لیکن ان روایات کو زیادہ اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال، یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ واہن راجاؤں نے جو برہمن تھے پراکرت ادب کے مقابلہ میں سنسکرت کو نظر انداز کیا۔

(۲) کلنگ کا راجہ کھاروِیل

سلسلہ وار تاریخی کیفیت

ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اشوک کے مرنے کے بعد کلنگ پر کیا

---

[1] کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا، صفحہ ۹۱

گزری لیکن جب تاریکی کا پردہ چاک ہوتا ہے تو میدان سیاست میں ہم ایک عظیم الشان ہستی کو جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ بھونیشور (پوری) کے قریب اُودے گری کی پہاڑوں پر ہاتھی گمپھا کے کتبے[1] میں چیتیا خاندان کے تیسرے تاجدار کھارویل کے کارناموں کا ذکر موجود ہے، لیکن یہ ذکر اس کے عہد حکومت کے تیرھویں سال تک ہے۔ چونکہ اس پر تاریخ نہیں ہے اس لیے سلسلہ وار واقعات مرتب کرنے میں اس سے کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔ بعض عالموں کی رائے ہے کہ کتبہ کی سولھویں سطر میں ایک حوالہ سوریہ سن کے ایک سو پینسٹھویں[165] سال کا آتا ہے۔ لیکن عالم برزور الفاظ میں اس توجیہہ کی تردید کرتے ہیں۔ نانا گھاٹ اور ہاتھی گمپھا کے کتبوں کے رسم خط میں جو مماثلت پائی جاتی ہے وہ غالباً کھارویل کے عہد کے بارے میں ایک اہم اشارہ فراہم کرتی ہے۔ ایک اور اشارہ جس کی طرف ڈاکٹر رائے چودھری نے توجہ دلائی ہے یہ ہے کہ آخرالذکر کتبہ کی چھٹی سطر میں لفظ "تِوسَ مَتٗ" جو استعمال ہوا ہے اس سے نندراج کے وقت سے تین سو سال مراد ہیں نہ کہ ۱۰۳ سال؛ اور چونکہ نندراج اور مہاپدم مماثل ہیں[2] اس لیے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کھارویل کا عہد پہلی صدی ق.م کا ربع سوم تھا۔

واقعات

حساب، قانون، مالیات اور لکھنے پڑھنے میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد جو اس وقت راجکماروں کے لیے ضروری ہوتی تھی، کھارویل اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں تخت نشین ہوا۔ پہلے سال میں اس نے چند رفاہِ عام

---

[1] ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، جنوری ۱۹۳۰، ص۸۲ حاشیہ، نیز دیکھیں کے۔ پی جیسوال، جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، ۱۹۱۸ (چوتھا) ص۳۶۲، حاشیہ، ایضاً ۱۹۲۷ (تیرہ)، ص۲۲۱، ایضاً ۱۹۲۸ (چودہ)، ص۱۵۰ حاشیہ [2] پولیٹکل ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۳۱۴، ص۳۱۵، ص۲۳۷۔ ص۳۲۸، ص۲۴۵۔ مہاپدم کی تاریخ کے لیے دیکھیے صفحات بالا۔

کے کام انجام دیئے۔ دوسرے سال میں اس نے شتات کرنی سے زور آمائی کی اور مُشِک شہر پر حملہ آور ہوا۔ لہ چوتھے سال میں راٹھکوں اور بھوجکوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ پانچویں سال میں کھارویل نے ایک نہر نکلوائی جسے "توئس ست" (۔۔۔ برس) سے، یعنی اُس وقت سے جب نند راج اسے کھدوا کر راجدھانی تک لایا تھا، استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ کلنگ کے راجہ نے مگدھ پر دوبار حملہ کیا۔ اپنے عہد کے آٹھویں سال میں اور اس کے بعد بارھویں سال میں مگدھ کے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور کہتے ہیں کہ بہستی متر جو اس وقت راج گریہہ میں حکومت کر رہا تھا صلح کرنے پر مجبور ہو گیا، بہستی متر بہرحال نہیں تھا۔ کھارویل کی فتوحات نے یونان سپہ سالار کو مرعوب کر دیا جس کا نام اور مالہ اور ماعلیہ بہرحال اب تک صاف نہیں ہیں ٹہ تیرھویں سال میں کھارویل نے پانڈیوں کو زیر کیا اور اس کے بعد کتبہ کھارویل کی تابناک زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ اس نے ضرورت مندوں کو گراں قدر عطیات سے نوازا۔ وہ خود ایک سچا جین تھا۔ اس نے جین بھکشوؤں کے لیے غار کھدوائے اور مگدھ سے جین تیرتھنکر کی مشہور و معروف مورتی منگوائی جسے کبھی پہلے نند راج لے گیا تھا۔

لہ ڈاکٹر ڈی۔سی۔سرکار اسے مُشک نگر کی بجائے اشک نگر پڑھتے ہیں، یعنی اشکوں کا شہر (یونانوں کے رسکٹ) اور اس کا محل وقوع وہ دریائے کرشنا (یا گنہ بینا) کا کنارہ بتاتے ہیں۔ جرنل آف دی نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد تین، حصہ اول (جون ۱۹۴۱ء)، ص۹۲

ٹہ (دی) می (تا)، یا دِمتا (ڈمٹریس)، پڑھنا، جیسا کہ پروفیسر آر۔ڈی بنرجی اور ڈاکٹر کے۔پی جیسوال نے تجویز کیا ہے ہرگز جائز نہیں ہے (دیکھیں۔ ہاتھی گمپھا کا کتبہ، ایپی گرافیہ انڈکا، بیس، ص۱، حاشیہ) نیز ملاحظہ ہو، ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ضمیمہ تین ص۴۵۷-۴۵۹

گیارھواں باب

(۱) غیر ملکی حملہ آوروں کا عہد

فصل (۱)

ہندی یونانی [1]

پارتھیا اور باختر کی بغاوت ۔ ارسیکیز

تیسری صدی عیسوی کے وسطِ ایشیا میں دو واقعے ایسے رونما ہوئے جن کے بڑے دور رس اثرات ہندوستان کی تاریخ پر مُرتب ہوئے۔ وہ یہ کہ پارتھیا اور باختر سلیوکس کی سلطنت سے الگ ہو کر خود مختار ہو گئے۔ پارتھیا کے صوبے میں دو ناواقف علاقے، خراسان، اور جنوبی مغربی ساحل کیسپئن، شامل تھے، جنھوں نے یونانی تہذیب کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ پارتھیا کی بغاوت ایک قسم کی عوامی تحریک تھی جس کا رہنما ایک من چلا سردار ارسیکیز نامی تھا۔ اس نے ۲۴۸ ق۔م میں جس خاندان کی بنیاد رکھی اس کی حکومت پانچ صدیوں تک باقی رہی۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ ڈبلو۔ ڈبلو۔ ٹارن دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا (کیمبرج، ۱۹۳۸ء)؛ ایچ جی۔ رالنسن، بیکٹریا، (لندن ۱۹۱۲ء) انڈیا اینڈ دا ویسٹرن ورلڈ (کیمبرج، ۱۹۱۶)؛ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول، باب تیئیس، صفحہ ۵۴۰ تا ۵۶۲۔

ڈیوڈوٹس اول

اس کے برخلاف باختر کی بغاوت ایک بڑی حد تک اُس کے گورنر ڈیوڈوٹس کی بلند ہمتی کا نتیجہ تھی جس نے تقریباً اُسی زمانے میں سلیوکس کی سلطنت سے رشتہ توڑنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے۔ بلخ کا علاقہ جو ہندوکش اور سیحون کے درمیان واقع ہے، اس وقت بڑا مال دار، زرخیز اور گنجان آباد تھا اور مشرق میں یونانی اقتدار کے لیے اسے ایک اہم فوجی چوکی کی حیثیت حاصل تھی۔

ڈیوڈوٹس دوم

ہم نہیں جانتے کہ ۲۴۶ ق.م. میں اینٹی اوکس دوم تھیوس کی موت کے بعد عراقی سلطنت کی براگندہ حالت نے ڈیوڈوٹس کو اس کے عزائم میں کہاں تک مدد دی، لیکن اس کا لڑکا جس نے اپنے پارتھی معاصر سے صلح کر لی تھی، معلوم ہوتا ہے، کمل طور پر خود مختار ہو گیا تھا۔ ڈیوڈوٹس دوم نے غالباً ۲۴۵ سے ۲۲۰ ق.م تک حکومت کی۔

یُوتھی ڈیمس

ڈیوڈوٹس دوم کی موت میگنیشیا (سپیکس کے ماتحت ؟) کے ایک جاں باز، یُوتھی ڈیمس کے ہاتھوں بڑے تشدد آمیز حالات میں واقع ہوئی۔ اس نے تخت و تاج پر خود قبضہ کر لیا۔ لیکن جب اینٹی اوکس سوم (۲۲۳-۱۸۵ ق.م) نے اپنے کھوئے ہوئے صوبے حاصل کرنے کی جم کر کوشش کی تو یوتھی ڈیمس اس کے خلاف جنگ وجدال میں مصروف ہو گیا جس کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔

اینٹی اوکس سوم کا حملہ

بہت دنوں تک بلخ کا محاصرہ رہا اور آخر کار فریقین نے ایک شخص ٹیلیاس کی وساطت سے آپس میں صلح کر لی۔ اینٹی اوکس نے باختر کی آزادی کو تسلیم کیا اور

دوستانہ تعلقات کو استوار بنانے کے لیے اپنی بیٹی کی شادی یوتھی ڈیمس کے لڑکے ڈمٹریس کے ساتھ کر دی جس کی حکمت عملی، موقع شناسی اور رفتار و گفتار سے وہ مصالحت کی گفت و شنید کے دوران کافی متاثر ہو چکا تھا۔ انیٹی اوکس سوم نے اس کے بعد ۲۰۷ یا ۲۰۶ ق۔م میں ہندوکش پار کیا اور راجہ سُوفاگ سینوس (سبھاگ سین)، غالباً ویرسین کے جانشین سے اطاعت قبول کروائی، جس نے بقول تارا ناتھ، اشوک کی وفات کے فوراً بعد گندھارا پر اپنا اقتدار جما لیا تھا۔[1] انیٹی اوکس اعظم بہر حال ہندوستان کی سرحد سے آگے نہ بڑھا اور مغرب میں اہم معاملات کی طرف توجہ کرنے کی غرض سے بڑی تیزی کے ساتھ وطن لوٹ گیا۔ اُس کی اس طرح روانگی کے بعد باختری یونانی اپنی سلطنت کی توسیع و ترقی کے منصوبوں کو کامیاب بنانے میں آزاد ہو گئے۔

باختری یونانیوں کی فتوحات — ڈمٹریس

یوتھی ڈیمس کے زمانے میں جس نے افغانستان کا بڑا حصہ تسخیر کر لیا تھا، سلطنت باختر کی طاقت کافی بڑھ گئی۔ ۱۹۰ ق۔م۔ کے قریب جب اُس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لڑکے ڈمٹریس نے بڑے پیمانے پر غیر ملکی مہموں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۸۳ ق۔م۔ میں اُس نے ہندوکش پار کیا اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا اور اگر یہ وہی یَوَن سردار ہے جس کا ذکر مہابھاشیہ[2] اور گارگی سنہتا کے یُگ پُران میں آیا ہے، تو یقینی بات ہے کہ اس نے پنچال دیس کو بھی تاخت و تاراج کیا، مدھیامکا (ناگری، چتوڑ) اور ساکیت (ایودھیا) کا محاصرہ کیا، اور پاٹلی پتر پر حملہ کے لیے پَر تولے جہاں اس وقت غالباً پشیامتر حکومت کر رہا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسٹرابو یونانی سلطنت کی وسعت و ہندوستان اور ایریانا تک پھیلانے کا سہرا کچھ ڈمٹریس کے اور کچھ مینندر کے سر

---

[1] بہر حال ملاحظہ ہو ٹارن؛ جو کہتا ہے "یہ بات یقینی ہے کہ ڈمٹریس نے جس عورت کے ساتھ بھی شادی کی وہ انیٹی اوکس کی بیٹی نہیں ہو سکتی تھی" (دا گریکس اِن بیکٹریا اینڈ انڈیا، صفحہ ۸۲، ۲۰۱، حاشیہ نمبر ۱)۔ [2] نیز ملاحظہ ہو ٹارن، دا گریکس اِن بیکٹریا اینڈ انڈیا صفحہ ۱۴۳ اور حاشیہ نمبر ۲، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳۹۵، ۳۱۰

سر رکھتا ہے۔[1]

یوکریٹیاڈیز کی بغاوت

جس زمانے میں ڈمیٹریس اپنی ہندوستانی مہموں میں مصروف تھا، اس وقت ایک شخص یوکریٹیاڈیز نامی نے جو بقول ٹارن ایک فوجی سردار اور انیٹی اوکس چہارم کا عمزاد تھا، بیزار و غیر مطمئن یونانی مہاجرین کی مدد سے باختر میں علم بغاوت بلند کر دیا اور تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا (تقریباً ۱۷۵ ق۔م۔) ڈمیٹریس اپنے حریف سے تخت و تاج نہ چھین سکا اور اس طرح اس کی حکومت معلوم ہوتا ہے یونانیوں کے ہندوستانی مقبوضات یعنی پنجاب اور سندھ میں محدود رہ گئی۔ اس لیے کہ روایات میں اُسے "رکس انڈورم" یعنی "ہندوستانیوں کا بادشاہ" کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی پڑھا کہ اُس نے اپنے باپ کی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک شہر یوتھی ڈیمیا کی بنیاد رکھی۔ مزید برآں، سوویروں کے دیس میں شہر دتامتری کی بنیاد بھی غالباً دتامترا یا ڈمیٹریس کی مرہونِ منت ہے، جیسا کہ پتنجلی کے ایک شارح کی سند پر ٹارن نے لکھا ہے[2] ڈمیٹریس پہلا یونانی حکمراں تھا جس نے دو زبانوں میں سکے جاری کیے جن پر یونانی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی یعنی کھروشٹھی رسم خط میں مندرجے کندہ تھے[3] کچھ مدت کے بعد تقریباً ۱۶۵ - ۶۰ ق۔م۔ یوکریٹیاڈیز نے، جس نے باختر

---

[1] دیکھیں اسٹرابو: "یونانی جنھوں نے بغاوت کی (یعنی یوتھی ڈمس اور اس کا گھرانہ) باختر کی زرخیزی اور فوائد کی وجہ سے ایریانا اور ہندوستان کے مالک ہو گئے۔۔۔ یہ فتوحات کچھ مِنندر نے اور کچھ یوتھی ڈیمس کے بڑے لڑکے ڈمیٹریس نے حاصل کیں۔ انھوں نے نہ صرف پتالینی کو بلکہ سراؤس ٹوس اور سیگرڈش کی ریاستوں کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ ساحل کا باقی ماندہ حصہ ان ریاستوں پر مشتمل تھا۔ انھوں نے اپنی سلطنت سیریزا اور فنونی تک بڑھالی" ٹارن کا خیال ہے کہ ڈمیٹریس اور مِنندر مل جل کر کام کرتے تھے، نیز یہ کہ مِنندر ڈمیٹریس سے آگے بڑھ گیا (دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ص ۱۴۴)

[2] ایضاً: ص ۱۴۵۔ ص ۱۴۷ [3] ایضاً: ص ۱۴۲ نیز حاشیہ

[3] بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ سکے ڈمیٹریس دوم نے جاری کیے تھے (دیکھیں، ایلن کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا، ص ۶۴)

میں اپنے نام پر ایک شہر یوکرٹیا میڈیا آباد کیا، "ہندوستان فتح کر لیا اور ایک ہزار شہروں کا مالک بن گیا"۔ (جسٹن)

تقسیم

اس طرح مشرق میں یونانیوں کی دو جداگانہ ریاستیں قائم ہو گئیں۔ یوتھی ڈیمس اور یوکرٹیا ڈیز، جن پر دو علیحدہ علیحدہ خاندان حکومت کرتے تھے جو آپس میں رقابت رکھتے تھے۔ مشرقی پنجاب پر جس کا دارالسلطنت یوتھی ڈیمیا یا ساکل (سیالکوٹ) تھا، نیز سندھ اور اس کے مضافات کے علاقہ پر اول الذکر کا قبضہ تھا۔ باختر اور وادیٔ کابل، گندھارا اور مغربی پنجاب آخر الذکر کے تصرف میں تھے، ان متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بارے میں ہماری شہادت کا دار و مدار تقریباً سکوں پر رہا ہے۔ مآخذ کی کمیابی کے باعث اُن کے آبا و اجداد کے حالات، ترتیب وار تاریخ اور اُن کے مقبوضات کا مسئلہ انتہائی مشتبہ اور مشکل بن گیا ہے۔

یوتھی ڈیمس کا خاندان — مینندر

یوتھی ڈیمس کے وارثوں یا جانشینوں میں اگا تھا کلیز، پینٹالین اور اینٹی میکس کے نام قابل ذکر ہیں۔ غالباً اپولوڈوٹس اور مینندر بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے[1]۔ آخر الذکر ہندی یونانی تاریخ میں سب سے زیادہ دلچسپ شخصیت ہے۔ اسٹرابو کہتا ہے کہ اُس نے سکندر سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ اس دعوے کی تائید بلاشبہ سکوں کی اُس بڑی تعداد سے ہوتی ہے جو کابل سے لے کر متھرا تک اور اس سے بھی آگے مشرق کی طرف بندیلکھنڈ تک پائے گئے ہیں۔ پیری پلس مارِس ایریتھری کے گمنام مصنف کے بیان کے مطابق مینندر کے سکّے اُس کے

---

[1] بقول ونسنٹ اسمتھ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص۲۳۸۔ ص۲۳۹) بہر حال، اپولوڈوٹس اور مینندر یوکرٹیا ڈیز کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مینندر کے لیے ملاحظہ ہو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا اینٹی کوٹری جلد ۳۹، نمبر ۱، جنوری ۱۹۱۰ء، ص۲۶۷)۔

زمانے میں اپولوڈوٹس کے سکوں کے ساتھ ساتھ بیری گازا (بڑودچ) کے بازاروں میں خوب چلتے تھے (تقریباً پہلی صدی عیسوی کے ربع سوم میں) بعض عالم مینندر کو اُس یونانی فاتح کے مماثل بتاتے ہیں جس نے اپنی افواج کو پٹیامتر کے عہدِ حکومت میں متھیا مکا، ساکیت اور پاٹلی پتر تک پہنچا دیا تھا۔ [1] مِلندَ یا مِنندر بدھ مذہب کا پیرو تھا اور اس کا نام ہندوستانی روایات کی بدولت آج تک زندہ ہے۔ چنانچہ مِلنڈ پنھوَ میں اس کے بعض پیچیدہ سوالات جو اس نے بھکشو ناگ سین سے مذہبی مسائل پر کیے تھے آج تک محفوظ ہیں۔ ایک سیامی روایت میں ہے کہ مینندر نے اَرھت [2] کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ [3] اس کے بعض سکوں میں بدھ مذہب کا نشان یعنی دھرم چکر اور اس کے لئے دھرمکس کے لقب کا استعمال ملتا ہے جو اس کی بدھ مذہب سے عقیدت کا بیّن ثبوت ہے۔ مِلنڈ پنھوَ میں ساکل کی راجدھانی کا بھی بڑا تفصیلی حال مندرج ہے۔ جس میں بے شمار پارک، باغات، تالاب، خوب صورت عمارتیں، عمدہ عمدہ سڑکیں اور مضبوط دفاعی انتظامات موجود تھے، وہاں کی دکانوں پر بنارسی تن زیب، جواہرات اور دیگر بیش قیمت اشیا فروخت ہوتی تھیں، جن سے ریاست کی دولت اور خوش حالی ظاہر ہوتی ہے۔ مینندر اپنے عدل و انصاف کے لیے مشہور تھا اور پلوٹارک ہمیں بتاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی رعایا میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ اس کی چِتا کی راکھ کون لے، جس پر وہ سب کے سب استوپ بنوانے چاہتے تھے۔ سکوں میں مینندر کے جانشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ مثلاً۔ اسٹراٹو اوّل اسٹراٹو دوم، وغیرہ۔ لیکن ان کے بارے میں ہم کوئی قطعی بات نہیں جانتے۔

یوکریٹائڈیز کا خاندان ۔ ہیلی آکلینز

اب ہم یوکریٹائڈیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یوکریٹائڈیز اپنی

---

[1] دیکھیے آئندہ صفحات۔

[2] مؤتم، بدھ مذہب کا پیرو (مترجم) [3] ایچ۔ بی۔ راالنس، بیکٹریا، ص۱۱۱۔ نیز دیکھیں۔ ٹارن، دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا ص۲۶۴۔ ص۲۶۸

فتوحات کا لطف اٹھانے کے لیے زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکا۔ ہندوستانی مہم سر کرنے کے بعد جب وہ وطن واپس لوٹ رہا تھا تو اس کے بیٹے اور شریک کار(؟) ہیلی آکلیئز نے، جیساکہ جسٹن نے بیان کیا ہے، اُسے قتل کر دیا[1] یہ واقعہ ۱۵۵ ق۔م میں پیش آیا۔ ناخلف بیٹا اپنے وحشیانہ جرم پر ذرا نادم نہ ہوا اور اس نے لاش کا دفن کفن بھی نہ ہونے دیا۔ بہرحال، ٹارن پدرکشی کی اس روایت سے متفق نہیں ہے اور نہ روایت کے اس جزسے کہ ہیلی آکلیئز نے باپ کی لاش کی اس طرح بے حرمتی کی[2] وہ باختر کا آخری یونانی تاج دار تھا۔ ہیلی آکلیئز کے بعد وسط ایشیا کے میدانوں سے مُشکوں کا جو طوفان باختر۔ اس کی زد میں آگیا۔ اس خانوادہ کے دوسرے افراد کے حالات قلم بند کرنے کی طرف جن کی حکومت افغانستان کی وادی اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں تک محدود تھی، کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ تاریخ میں اُن کے نام ضرور ملتے ہیں۔

انیٹی الکیدس

بیس نگر کے ستونی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک یعنی انیٹی الکیدس نے کاشی پتر، بھاگ بھدر کے دربار میں ہیلی اوڈورا یا ہیلی اوڈرس نامی سفیر بھیجا جو دیا (ڈیَن) کا لڑکا تھا۔ کاشی پتر بھاگ بھدر کو پانچویں شنگ فرماں روا، 'اودرک' یا آخری سے پہلے، 'بھاگ دت'، کے مماثل بتایا گیا ہے۔[3] یہ بات قابل غور ہے کہ انتلی کھِت

---

[1] ونسنٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ پدرکش ایوکرٹیدس تھا (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۲۳۸، ص۲۳۹) جسٹن نے ایک دوسری کہانی بھی نقل کی ہے وہ یہ کہ یوکرٹیاڈیز کو پارتھیوں نے قتل کیا۔ ٹارن پدرکشی کے واقعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک یوکرٹیاڈیز کو "سورگیہ یوتھی راجاؤں میں سے کسی کے لڑکے نے قتل کیا"، کیا وہ ڈمیٹریس دوم تھا؟ (دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، ص۲۲۰، ص۲۲۲) [2] دا گریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا ص۲۲۰، پدرکش فرزند پر یہ الزام ہے کہ اس نے اپنے باپ کے خون کو اپنے رتھ کے پہیوں سے روند دیا۔ (ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن ص۲۳۸ جسٹن بارہ(۲)۔
[3] ملاحظہ ہوں صفحاتِ بالا

یا انیٹی الکیدس کو ٹکسیلا کا راجہ بتایا گیا ہے اور اس کا سفیرا پنے تیلس بھاگوت یعنی وشنو کا پجاری ظاہر کرتا ہے ہندوستان میں دیگر یونانی حکمرانوں کی طرح انیٹی الکیدس کے بیشتر سکے دو لسانی ہیں۔ لیکن اُتھینی لہ معیار کا چاندی کا ایک سکہ ہے جس پر صرف یونانی سجع کندہ ہے "شاہ اُنیٹی آلکیدس، فاتح " یہ اُس کی بعض فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔

ہرمیس

وادی کابل اور سرحدی علاقوں کا آخری یونانی حکمراں ہرمیئس تھا۔ اس کی حکومت پہلی صدی عیسوی کے ربع اوّل میں رہی ٢ وہ نرغۂ اعدا میں گھر گیا اور آخر کار کجُل کدفیسس کے ماتحت بڑھتی ہوئی کُشن طاقت کے مقابلہ میں اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اندرونی جھگڑوں کے باعث یونانی حکومت ویسے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ اس لیے اُن "وحشی" قبیلوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔

یونانی روابط کے نتائج

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یونانیوں نے شمالی مغربی ہندوستان پر جو قبضہ کرلیا تھا اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، کیا ان غیرملکی حکمرانوں نے ہندوستانی معاشرہ پر بعد میں کوئی اثر چھوڑا، یا وہ فوجوں کے محض اس قسم کے کمانڈر تھے کہ لوگ ان سے خوف زدہ تو ہو سکتے تھے، لیکن اُن کی تاسی نہیں کر سکتے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے مختلف لوگوں نے مختلف نوعیت کے جوابات دیئے ہیں بعض کے نزدیک ہندوستان یونانی تہذیب کا مرہونِ منت ہے۔ بعض اس کے قطعاً منکر ہیں۔ لیکن حقیقت جیسا کہ اس قسم کے معاملوں میں اکثر ہوتا ہے، ان دونوں حدوں کے درمیان میں کہیں ہے۔ یونانیوں کا پہلی بار ہندوستان سے سابقہ

لہ اتھینس (یونانی شہر مترجم)

٢ ٹارن کی رائے میں ۵۰ ق۔م۔ دگریکس اِن بیکٹریا اینڈ انڈیا، ص ۲۳۱، ص ۳۳۵

اُس وقت پڑا جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، اس کے ارادے کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ انیس مہینے کے مسلسل جنگ وجدال کے دوران نہ وہ یونانی تہذیب کے علم بردار کی حیثیت سے کوئی کام کرسکا اور نہ ہندو سماج کی روش میں کوئی خاص تبدیلی پیدا کرسکا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی بغاوت نے جو سکندر کی ناوقت موت کے فوراً بعد رونما ہوئی، یونانی فتح کے رہے سہے نشانات بھی مٹا دیئے۔ اس کے بعد تقریباً ۳۰۶ ق۔م میں سلیوکس نائیکیٹر کے وارد ہوا۔ لیکن اُسے بھی یونانی کلچر کی تخم ریزی کا موقع نہ مل سکا۔ اُس کی فوجوں کو چندر گپت موریہ نے سرحد پر ہی روک دیا اور وہ چار شترپ (صوبے) جن میں موجودہ بلوچستان اور جنوبی افغانستان شامل تھے، چندرگپت کے حوالے کرنے پر مجبور ہوگیا۔ چندرگپت موریہ کے دربار میں یونانی اثرات کا شائبہ نہیں تھا۔ اس کی بابت نہ میگستھنیز نے کوئی بات لکھی نہ کوٹلیہ نے۔

اس کے بعد ہندوستان سو سال تک یونانی حملوں کے خطرہ سے محفوظ رہا۔ ۲۰۶ ق۔م میں انیٹی اوکس سوم ہندوستان کی سرحد پر نمودار ہوا، لیکن وہ بھی سُوناگ سینوس (سبھاگ سین) نامی راجہ سے عہد اطاعت لے کر بہت تیزی سے وطن لوٹ گیا۔ ڈمیٹریس، یوکرٹیاٹڈیز اور مِنندر، جن کی بعد کی مہموں میں تھوڑے وقفوں کے ساتھ چالیس سال کا عرصہ (تقریباً ۱۹۰ ـ ۱۵۵ ق۔م) صرف ہوا اندرون ملک میں دُور تک گھس گئے۔ یہ حملے کلیتاً عارضی اور ناپائیدار نہیں تھے، کیونکہ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب اور ملحقہ علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہوگئی جو ڈیڑھ سو سال باقی رہی۔ بہرحال یہ بات تعجب خیز ہے کہ یونانی تہذیب کے اثرات یہاں بھی بالکل برائے نام دکھائی دیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں نے سکّوں کے معاملے میں یونانیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اُن کی آمد سے پہلے بھدّے قسم کے ٹھپہ والے سکّے ہندوستان میں چلتے تھے۔ یونانیوں نے عمدہ شکل وصورت کے مہردار سکّوں کا باقاعدہ استعمال یہاں جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے یونانی لفظ "ڈرکم" کو بھی اختیار کرلیا اور اس کا درمّ [1]، نام رکھا۔

---

[1] کیا ہندی لفظ "دام" یونانی "درم" سے ماخوذ ہے۔

مزید برآں، سکوں پر جو یونانی الفاظ کندہ ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی یونانی مقبوضات میں یونانی زبان سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اس خیال کی تائید دستیاب شواہد واسناد سے نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف سکوں پر ہندوستانی روایات اور کھروشٹی کے استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر ہندوستانی عوام یونانی زبان سے قطعاً واقف نہیں تھے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یونانی زبان میں کوئی کتبہ اب تک ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوا۔

اس کے بعد ادب کو لیجیے۔ سینٹ کرسوسٹم (۱۱۷ء) کہتا ہے کہ "ہندوستانی ہومر کی نظمیں گاتے ہیں اور انھوں نے اپنی زبان اور اپنے مخصوص اسلوب میں ان کا ترجمہ کرلیا ہے۔" اس کی تائید مزید پلوٹارک اور ایلین کے بیانات سے ہوتی ہے، لیکن سوائے اس کے کہ یونانی اور ہندوستانی روایات میں خفیف سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان دعووں کی کوئی خاص بنیاد نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، راماین کا اصل موضوع ایلیڈ کی کہانی سے حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے۔ اسی طرح، اگرچہ ممکن ہے کہ یونانی ناٹک سافکل اور دوسرے یونانی مرکزوں میں کھیلے جاتے ہوں، لیکن اس دعوے کے ثبوت میں دراصل ہمارے پاس کوئی محکم شہادت نہیں ہے کہ ہندوستانی ڈراما یونانی ڈرامے سے متاثر ہے۔ یونیکا کی اصطلاح یونانی بناوٹ کے پردے کو ظاہر کرتی ہے، نیز دوسری باتوں میں جو یکسانی پائی جاتی ہے وہ بھی بلاشبہ اکثر و بیشتر محض اتفاقی اور ہنگامی ہے۔

ہیئت کے میدان میں اہل ہند یقیناً یونانیوں کے مرہونِ منت ہیں۔ گارگی سنہتا میں لکھا ہے۔ "یون اگرچہ وحشی اور جاہل لوگ ہیں، پھر بھی علم ہیئت کے وہ بانی ہیں اور اس جہت سے دیوتاؤں کی مثل ان کی عزت کرنی چاہیے۔" ہندوستانی ہیئت میں آج تک بہت سی یونانی اصطلاحیں مستعمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ "رُومک" اور "پُولس سدھانت" یونانی اثرات کی بہت واضح طور پر نشان دہی کرتی ہیں [1] جہاں تک

---

[1] یہ بات کہ یونانیوں نے ہندوستانی ہیئت کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا اُن یونانی مصطلحات سے ظاہر ہے جو ہندوستانی ہیئت دانوں کی کتابوں میں استعمال کی گئی ہیں۔ چنانچہ وراہ مہر کی مصنّوراشا سکر میں راس منڈل کی مختلف علامات کے لیے ہماری نظر سے اس قسم کے نام گزرتے ہیں جیسے آرا (ایریز)، ہیلی (ہیلیوز)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیوتش کا تعلق ہے، ہندوستانی بے شک اس کا علم رکھتے تھے، لیکن کہتے ہیں کہ ستاروں کے ذریعہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنے کا فن انھوں نے اہل بابل سے سیکھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ ان ہندی یونانیوں نے ہندوستان کے فن اور طرز تعمیر کی ترقی پر کس حد تک اثر ڈالا۔ ڈمیٹریس اور مینندر کے زمانے کا ایک بھی قابل ذکر مجسمہ دستیاب نہیں ہوا ہے [1] لیکن بعد کے زمانہ کا گندھارا مکتبہ فن جس نے پتھر پر بدھا کی زندگی کے مناظر کندہ کیے ہیں، بے شک یونانی سنگ تراشی کے فیضان کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بجز ٹکسیلا کے چند مکانوں کی غیر مزین دیواروں کے ہندوستان میں کوئی یونانی عمارت دیکھنے میں نہیں آئی۔ اُن کے ایونی [2] ستون اور قدیم دیواری حاشیے پہلی صدی ق۔م کے ربع اول کی یادگار ہیں۔ ان تمام فنون میں جن میں آرائش کو دخل تھا، یونانی طرز کو زیادہ وقیع سمجھا جاتا تھا۔ بعد ازاں ہندوستان کی فنی خصوصیات شامل کر کے اس میں تبدیلیاں کر لی گئیں۔

دو تہذیبوں کے باہمی ربط نے تجارت کو فروغ دیا [3] اور اس کے بعد خیالات

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) جیاؤ (زنیس) اس کے علاوہ یہ اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں۔ کنتر ذن کے لیے کیندر اور ذامترن کے لیے جامتر۔ اس سے بعد کے زمانہ میں ہندستانیوں نے ہیئت کے میدان میں عظیم الشان ترقی کی اور غالباً عربوں کو بھی ہیئت سکھائی۔

[1] یونانی سنگتراشی کے بعض نمونے جو روشنی میں آئے ہیں ان میں "ایک ڈیونی سس کا سر ہے اور ایک بچہ ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے ہے۔" (نیز ملاحظہ ہو آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا، ۱۴-۱۹۱۴، ۱۹۱۵، صفحہ ۱۳ حاشیہ) [2] یونانی طرز تعمیر کی تین قسموں۔ ڈورک، کورنتھین، ایونک۔ میں سے (مترجم) ایک

[3] مثال کے لیے دیکھیں اینٹی اوکس چہارم نے ۱۶۶ ق۔م میں ڈیفنی کے مقام پر بہت بڑی تعداد میں ہندوستانی ہاتھی دانت اور مسالوں کی نمائش کرائی۔ (ٹارن، واگریکس ان بیکٹریا اینڈ انڈیا، صفحہ ۳۶۱، صفحہ ۳۶۲) اس طرح ٹالمی دوم نے اپنے "جشن فتح" میں ہندوستانی کتوں اور مویشیوں کی نمائش کی (ایضاً صفحہ ۳۶۶) ہندوستان کو یونان سے جو چیزیں بھیجی گئیں اُن میں چیری کا غذا اور حسین کنواری کنیزیں شامل تھیں، جیسا کہ پیری پس سے تصدیق ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ایضاً، صفحہ ۳۷۳)

کے بہاؤ کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا جس کے نتائج مختلف شعبوں میں بڑے دُور رس ثابت ہوئے۔ اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ ہیلی اُوڈُورس نے ویشنو مت قبول کرلیا تھا اور مینینڈر اور سُوات کے ظرفی کتبہ والے تھیوڈُورس نے بدھ مت [1]۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی رفتہ رفتہ ہندوستانی عقائد کے سامنے سرِتسلیم خم کر رہے تھے۔ چنانچہ جب فوجوں کا زور شور مدھم ہوا تو ہندوستان ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ اس اندازسے کہ اس نے آہستہ آہستہ اپنے فوجی آقاؤں کو اپنا اخلاقی اور روحانی غلام بنالیا۔ یونانیوں کو ہندوستانی بنانے میں کسی حد تک آپس کی شادیوں کو بھی دخل تھا۔

فصل (۲)

شک[2] اور پہلو قبیلے

شکوں کی ہجرت

تقریباً ۱۶۵ ـ ۱۶۰ ق.م تک وسط ایشیا میں خانہ بدوش قبیلوں کی آمد و رفت کا بڑا زور رہا۔ شمالی مغربی چین سے یوہچیوں کو بے دخل کردیا گیا اور وہ مغرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اپنی سیاحت کے دوران اُن کی مڈبھیڑ شک اور سِیؔ قبیلوں سے ہوئی جو جیکسارٹیز (سائر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ آخرالذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ ۱۴۰ اور ۱۲۰ ق.م کے درمیانی دور میں باختر

---

[1] اسٹن کونو، کورپس انسکرپشنم انڈیکارم، جلد دو نمبر ا، صـ۱، صـ۴

[2] یونانی مصنفین نے انہیں "سکئی" کہا ہے۔ ملاحظہ ہو اسٹن کونو، تمہید کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، جلد دو، حصہ اول صـ۱۶ حاشیہ ...... کے۔ پی۔ جیسوال، جرنل آف دا بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی، جلد سولہ، حصہ ۳ و ۴، صـ۲۲۷، صـ۲۱۶ (شک مت و برہمن تاریخ کے مسائل)؛ آر۔ ڈی۔ بنرجی، انڈین اینٹی کویری، سینتیس، ۳۷ (۱۹۰۸)، صـ۲۵ حاشیہ؛ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد اول باب تیئس ۲۳، صـ۵۶۳ صـ۹۲؛ گوبند پالی، "شکوں، پہلوؤں اور کشنوں کی ترتیب وار تاریخ" جرنل آف انڈین ہسٹری جلد چودہ، (۱۹۲۵)، صـ۳۰۹ حاشیہ۔

سے ہوئی جو جیکسارٹیز (سائر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ آخر الذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ ۱۴۰ اور ۱۲۰ ق۔م کے درمیانی دور میں باختر اور پارتھی ریاست پر ٹوٹ پڑے۔ باختر کا حکمراں بیرونی لڑائیوں اور اندرونی ہنگاموں کے باعث کمزور تو ہی چکا تھا ان قبائل کے حملوں کی تاب نہ لاسکا۔ پھر شک قبیلے نے جنوب و مغرب پر دباؤ ڈالا اور اُن کا مقابلہ ۱۲۸ ق۔م۔ میں جب پارتھیا سے ہوا تو اس میں فراٹیز دوم کام آیا اور کچھ سال بعد ۱۲۳ ق۔م میں اَرٹابینس اول بھی مارا گیا متھرڈیٹز دوم (۱۲۳ - ۸۸ ق۔م۔) نے، بہرحال، پارتھی حکومت کو بہت کچھ سنبھالنے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شکوں کا رُخ خود بخود مشرق کی طرف مُڑ گیا۔ وادیٔ کابل میں پہنچ کر، جہاں باقی ماندہ یونانی حکومت کا مثلث نما ٹکڑا واقع تھا، جب ان کے توسیع کے ارادوں میں روکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ اس علاقے میں پھیل گئے۔ جس کا نام بعد میں سیستان یا شکستان رکھا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ اَراکوشیا (قندھار) اور بلوچستان کے ذریعہ سندھ کے جنوبی علاقہ میں پہنچ گئے جسے بعد میں ہندو مصنفین نے شک دُویپ کہا اور یونانی جغرافیہ دانوں نے انڈوستھیا۔ اسی بنیادی مرکز سے شکوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں بستیاں بسائیں۔

اوّل

ماؤس

شکوں کا پہلا حکمراں معلوم ہوتا ہے ماؤس تھا جو غالباً موا (مواسا" سے موازنہ کریں) اور موگا کے مماثل ہے جن کا ذکر علی الترتیب میرا (نمک کی پہاڑیوں) میں کنویں کے کتبہ میں [1] اور شترپ پٹک کی ٹیکسلا والی تختی میں آیا ہے۔ [2] اس کے

---

[1] میرا کا کتبہ مورخہ سن ۵۸ معلوم ہوتا ہے (کارپس انسکرپشنم انڈکارم، دو نمبر آٹھ، صلا صلا [illegible] مسٹر گوبند پائی نے ٹیکسلا والی تانبے کی تختی کے کتبہ میں موگس کی بجائے، بہرحال "۔ ماگھ کے مہینے کے" ماگس پڑھا ہے

[2] جرنل آف انڈین ہسٹری چودہ (۱۹۳۵) ص ۲۲۵ ص ۲۳۵

برخلاف ونسنٹ اسمتھ[1] نے اُسے ہند پارتھی بادشاہ مانا ہے۔ دراصل یہ دونوں نسلیں، شک اور پہلو (پارتھی)، ہندوستانی ادب اور کتبوں میں ایک دوسرے سے اتنی قریب دکھائی دیتی ہیں کہ بعض اوقات دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک ہی خاندان میں پہلو اور شک، دونوں قسم کے نام شامل ہیں اور اُن کے سکوں، نیز ان کے صوبائی نظام حکومت میں بڑی یکسانی پائی جاتی ہے، اس سلسلہ میں (ریپسن) کا قول درست ہے کہ ماؤس اور اس کے جانشینوں پر شکوں کی چھاپ لگانے سے "ایک نہایت مفید و موزوں آمنول تسمیہ کی وضاحت ہوتی ہے[2] ماؤس (ماؤ آ کیسن؟)، یقیناً ایک عظیم حکمراں تھا۔ ایک تانبے کی تختی میں جو ٹیکسلا سے برآمد ہوئی ہے[3] اسے مہارائے کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ علاقہ اس کی قلمرو میں شامل تھا۔ بعدازاں اپنے سکوں میں وہ "شہنشاہ اعظم" کا لقب اختیار کر لیتا ہے۔ سکوں کی ساخت اور وضع قطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھارا اور اس سے متصل علاقہ جو پہلے یونوں کے قبضہ میں تھا، اس کے تصرف میں آگیا تھا۔ لیکن ماؤس اپنی افواج پنجاب میں زیادہ دور تک نہیں لے جا سکا۔ اور اس طرح اُس کی سلطنت وادیٔ کابل اور مشرقی پنجاب میں جہاں دو یونی خاندان حکومت کر رہے تھے اُن کے بچے کھچے علاقوں کے درمیان واقع تھی۔ ماؤس کی تاریخ بالکل غیر یقینی ہے کیونکہ ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ٹیکسلا کی تانبے کی تختی میں جو سن ۷۸ مندرج ہے اس سے کونسا نظام سنوات مراد ہے۔ ڈاکٹر رائے چودھری کا خیال ہے کہ "۳۳ ق۔م۔ کے بعد، لیکن پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر سے پہلے وہ حکومت کر رہا تھا[4] اسٹین کونو اس کے قائل ہیں کہ ماؤس نے ۹۰ ق۔م میں حکومت شروع کی[5]

---

[1] ارلی ہسٹری آف انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۲۴۲
[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ایک ص ۵۶۸
[3] کارپس انسکرپشنم انڈیکارم، دو حصہ ایک ص ۲۸، ص ۲۹
[4] پولٹکل ہسٹری آف انیشینٹ انڈیا، چوتھا اڈیشن، ص ۳۶۵ [5] جرنل آف انڈین ہسٹری ۱۹۳۳ء، ص ۱۹، نیز ملاحظہ ہو اسٹن کونو، نوٹس آن انڈو سیتھین کرانولاجی؛ ایضاً، ص ۱۴۶

اُس کے جانشین

ماؤس کے بعد ایزیس[1] تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے مورث کی فتوحات کو برقرار رکھا، جیسا کہ اس کے سکوں کے مختلف نمونوں سے ظاہر ہے جنھیں اس نے جیوں کا تیوں رہنے دیا۔ اُس نے "گھوڑا چھاپ" سکے از سر نو جاری کرائے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں مشرقی پنجاب بھی شک حکومت میں شامل ہو گیا تھا۔ بعض عالم اس کے قائل ہیں کہ اُس سمبت کا بانی ہے جس کی ابتدا ۵۸ ق م سے ہوئی، لیکن یہ رائے بہرحال قطعاً قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

سکوں کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایزیس کے بعد ایزی لیسز بادشاہ ہوا لیکن ایک دور ایسا بھی آیا جس میں دونوں بیک وقت حکومت کے کاروبار میں شریک تھے۔ ایزی لیس کے بعد ایک دوسرا ایزیس تخت نشین ہوا جو ایزیس دوم کے نام سے موسوم ہے۔ بعض عالم ایزیس نام کے ان دونوں شخصوں کو مماثل سمجھتے ہیں، لیکن صائب رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ حکمراں تھے۔ ایزیس دوم کے بعد، جیسا کہ مندرجہ ذیل تفصیل سے واضح ہوگا، شک مقبوضات گونڈوفرنیز نامی شخص کے قبضہ میں چلے گئے۔

دوم

شمال مغرب کے شترپ

شترپوں کی حکومت میں عام دستور یہ تھا کہ مہاکشترپ اپنے ساتھ کسی

---

[1] کیا کتبۂ کلوان مورخہ سن ۱۳۴، نیز ٹکسیلا کے چاندی کے لپٹے ہوئے کتبہ مورخہ سن ۱۳۶ (جس کا سنواتی نظام نامعلوم ہے) والے آیا یا آجا (ایزیس) کے مماثل ہے۔ کارپس انسکرپشنم انڈکارم۔ دو، نمبر سترہ، صفحہ، صفحہ؛ اسٹن کونو نے کلوان و نیز ٹکسیلا والے کتبہ کے متعلق کہا ہے کہ اسکا سن ۱۳۴، وکرم سمبت ہے۔ (ایپی گرافیہ انڈکا، الیس ۲۱، صفحہ ۲۵۶، ملاحظہ ۲۵۹

کشترپ[1] کو ملا کر حکومت کرتا تھا۔ یہ عام طور پر مہاکشترپ کا بیٹا ہوتا تھا۔ باپ کے بعد ہی اُس کا جانشین ہو جاتا تھا۔ ٹیکسلا والی تانبے کی تختی سے جس پر سن ۷۸، پڑا ہوا ہے ہمیں اس قسم کے دو نام ملتے ہیں۔ لیاک کسولک اور اس کا بیٹا ٹپک[2]۔ یہ دونوں چھہرا اور مُلش ضلعوں کے (جو غالباً ٹکسیلا کے قریب واقع تھے) مہارائے موگ کے ماتحت شترپ تھے۔

سوم

متھرا کے شترپ

اس خاندان کے قدیم ترین افراد ہنگان اور ہنگامس تھے، معلوم ہوتا ہے جنھوں نے معلوم ہوتا ہے کچھ عرصے متحدہ حکومت کی۔ اُن کا جانشین غالباً رانجو، بل تھا جسے متھرا کے قریب والے مورا کتبے میں مہاکشترپ کہا گیا ہے۔ اُس نے اسٹراٹو اول اور اسٹراٹو دوم کے سکوں کی نقل کی۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ رانجو بُل نے مشرقی پنجاب میں یونانی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اُس کے بعد اُس کا کشترپ بیٹا سوڈ شش مہاکشترپ کے عہدہ پر فائز ہو گیا۔ متھرا کے شیر کے تاج والے کتبہ کی رو سے وہ اُس وقت شترپ تھا۔ جب پڈک یا پٹیک شترپ اعظم یا مہاکشترپ تھا جسے کتبۂ ٹکسیلا[3] والے پٹیک کے مماثل بتایا گیا ہے[4] اس لیے ہم انھیں ایک دوسرے کا معاصر تصور کر سکتے ہیں۔ اُموہی کے کسی مَنّت پر چڑھائی گئی تختی والے کتبہ میں سُودرش کو مہاکشترپ کہا گیا ہے اور اگر اس کے سن ۴۲[5] (ریپسن) کو وکرمی مان لیں تو اس کے یہ معنی ہیں

---

[1] قدیم فارسی میں "شترپ" صوبے کے گورنر کو کہتے تھے۔ سنسکرت کا کشترپ اسی سے مشتق ہے۔

[2] ملاحظہ ہو استن کونو، کارپس انسکرپشنم انڈکارم۔ دوم، حصہ ایک، نمبر تیرہ، صد ۲۳۔ صد ۲۶۔

[3] ایپی گرافیہ انڈکا، چوتھا، صد ۵۴۔ صد ۵۵۔ فلیٹ نے ان دو ٹیکوں کی مماثلت پر شبہ ظاہر کیا ہے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی) ۱۹۱۳، صد ۱۰۰ اور حاشیہ ۲)۔ متھرا کے شیر کے تاج والے کتبے کے لیے دیکھیں استن کونو "کارپس انسکرپشنم انڈکارم" دو، حصہ ایک، صد ۳۰۔ صد ۴۹ (باقی حاشیے اگلے صفحہ پر)

کہ اس کی حکومت ۱۷-۱۶ ق م میں پورے عروج پر تھی۔ اُس کے جانشینوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناکافی ہے۔

چہارم

مہاراشٹر کے کشہ رات

مغربی ہندوستان کا سب سے پہلا کشترپ جس کے بارے میں ہم کچھ جانتے ہیں بھومک تھا جو کشہ رات خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لے اور سوراشٹر میں حکومت کرتا تھا۔ اُس کے سکوں کی وضع قطع اور ساخت نیز اُن پر کندہ سجعوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھومک نہپان سے پہلے بادشاہ ہوا۔ اُن کا نشان شاہی یعنی ہالہ اور بجلی" اسپلیر سیز اور ایزیس کے متعدد طور پر چلائے ہوئے اُن سکوں سے ملتا جلتا ہے جن پر "ہالہ اور تیر کمان" کندہ ہے لے

نہپان

اگلا کشہ رات حکمراں نہپان تھا جس کا بھومک سے صحیح صحیح تعلق ایک غیر یقینی بات ہے۔ لیکن اس کے شک ہونے میں بہر حال کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ اس کی ہندو نام کی لڑکی دکشن متراُ شو ددت (رشبھ دتّ) کو بیاہی گئی تھی، جسے ایک کتبے میں

(بقیہ حاشیہ صہ) بعض عالموں نے ۴۲ کی بجائے ۲، پڑھا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوداش کی تاریخ ۱۵ء میں جا پڑے گی۔ اسٹن کونو نے اس سن کو وکرمی مانا ہے۔ (ایپی گرافیہ انڈکا، صہ ۱۳۹، صہ ۱۴۱) دیگر عالم اس کے قائل ہیں کہ شو ورش نے اس پر شک سن ڈلوایا ہے... سب سے پہلے بیولر نے اٹوہتی کی شہادت پر ۴۲ ہی تجویز کیا ہے (ایپی گرافیہ انڈکا دو، صہ ۱۹۹) لیکن بعد میں تصحیح کر کے ۲، بنا دیا (ایضاً، چار، صہ ۵۵، حاشیہ دو) ریپسن نے اول الذکر خیال کو ترجیح دی ہے۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، اول، صہ ۵۷۶، حاشیہ ایک) لے کیا کشہ رات نام شالی کے کرتائی کے مماثل ہے؟ کیا یہ ضلع جھہر سے مشتق ہے لے ڈبرول، اینشینٹ ہسٹری آف دکن، صہ ۱۷۔